درماسیریز نمبر ۳

ہنس کے کہتا ہے مصور سے وہ غارتگر ہوش
جیسی صورت ہے مری ویسی ہی تصویر بھی ہو

امراؤ جان

ادا

ایک طوائف کی سوانح عمری اوسی کی زبانی-
جسمین لکھنؤ کے طرز معاشرت کی ہوبہو تصویرین سچے
واقعات اور اصلی مقامات کے بعینہٖ نقشے- ہر شخص اور
ہر حالت کے مناسب بول چال- اعلیٰ درجہ کا ستھرا مذاق-

مؤلفہ

عالیجناب مرزا رسوا صاحب باسمہٖ والقابہٖ لکھنوی

جسٹری شدہ

قیمت ۔ ۔ ۔ ۱؎ عہ

مطبوعہ رائے صاحب منشی گلاب سنگہ اینڈ سنز پریس لکھنؤ

کوئی شراب پی کے بدمست ہو گیا / کوئی فساد تن سے سوا ہو کے سرخرو		رہ کر بہت کوئی رہا پاک باوضو / ناپاک ہو کے شہر میں رو برو
	تھا ایک دن سیاہ کبھی جھڑ اسکے مرگیا / زندہ رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا	
معشوق کو کام آئی کسی کے نہ تھا شفقی / عاشق نے اپنے عشق بڑھا نہیں جانی ہی		عاشق ہو کر لینے کسی گل کی چاہ کی / اور جب اجل کی دو نون سے اگر ملن لگی
	دلبر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مرگیا / زندہ رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا	
سب آن کر اجل کے ہوئے دام مین اسیر / کون اس جہان مین جیتا رہا ہی میان ظہیر		پیر و مرید شاہ و گدا میر اور وزیر / مفلس غریب صاحب تاج و علم سریر
	کوئی ہزار دن عیش کی لہر اسکے مرگیا / زندہ رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا	

سوانح عمری ملا دوپیازہ

BRITISH INDIA COPYRIGHT MUSEUM 21 DE 1900

یہ سوانح عمری نہایت عمدہ قابل دید- ابوالحسن ملا دوپیازہ کے
ابتدائی حالات- اسے مصیبتون کا سامنا- آخر خراب خستہ حال ہو کر
دربار اکبری تک رسائی- پھر باقیماندہ زندگی چین سے بسر کرنی-
مطبع گلزار محمدی لاہور بازار کشمیری سے بقیمت ۲ر طلب کرو-

شیخ گلزار محمد احمد علی تاجران کتب لاہور بازار کشمیری

ہمکو بھی کیا کیا مزے کی داستانین یاد تھین
لیکن اب تمہید ذکرِ درد و ماتم ہو گئین

ناظرین! شانِ نزول اِس قصے کی یہ ہے کہ دس بارہ برس کا ذکر ہے۔ میرے ایک دوست منشی احمد حسن صاحب اطرافِ دہلی کے رہنے والے بطریق سیر و سیاحت لکھنؤ مین تشریف لائے تھے۔ اونھون نے چوک مین سید حسین کے پھاٹک کے پاس ایک کمرہ کرائے کو لیا تھا۔ وہان اکثر احباب سرِ شام آ بیٹھتے تھے۔ بہت ہی لطف کی صحبت ہوتی تھی۔ منشی صاحب کا مذاقِ شعر فہمی اعلیٰ درجے کا تھا۔ خود بھی کبھی کبھی کچھ کہہ لیتے تھے اور اچھا کہتے تھے۔ لیکن زیادہ اورونکو سُننے کا شوق تھا۔ اِسلیئے اکثر شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا۔ اسی کمرے کے برابر ایک اور کمرہ تھا اوسمین ایک طوائف رہتی تھی۔ بود و باش کا طریقہ اور رنڈیون سے بالکل علیحدہ تھا۔ کبھی کسی نے سرِ راہ کمرے پر بیٹھے دیکھا۔ نہ وہان کسی کی آمد و رفت تھی۔ دروازون مین دن رات پردے پڑے رہتے تھے۔ چوک کی طرف نکاس کا دروازہ بالکل مقفل رہتا تھا۔ گلی کی جانب ایک اور دروازہ تھا۔ اوسی سے نوکر چاکر آتے جاتے تھے۔ اگر کبھی کبھی رات کو گانے کی آواز آیا کرتی تو یہ بھی نہ معلوم ہوتا کہ اِس کمرے مین کوئی رہتا بھی ہے یا نہین۔ جس کمرے مین ہم لوگون کی نشست تھی اوسمین ایک چھوٹی سی کھڑکی لگی تھی۔ مگر اوسمین کپڑا پڑا ہوا تھا۔

ایکدن حسبِ معمول احباب کا جلسہ تھا۔ کوئی غزل پڑھ رہا تھا۔ احباب داد دے رہے تھے۔ اتنے مین مین نے ایک شعر پڑھا۔ اوس کھڑکی کی طرف سے واہ وا کی آواز آئی۔ مین چپ ہو گیا۔ اور احباب بھی اوس طرف متوجہ ہو گئے۔ منشی احمد حسن صاحب نے پکار کے کہا۔ غائبانہ تعریف ٹھیک نہین۔ اگر شوقِ شعر و سخن ہے جلسہ مین تشریف لائیے۔ اِسکا کوئی جواب نہ ملا۔ مین پھر غزل پڑھنے لگا۔ بات رفت و گذشت ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک مہری آئی اوسنے پہلے سب کو سلام کیا۔ پھر یہ کہا۔ مرزا رسوا کون صاحب ہین۔ احباب نے مجھے بتا دیا۔ مہری نے کہا۔ بیوی نے ذرا آپ کو بُلایا ہے۔ مین نے کہا۔ کون بیوی۔ مہری نے کہا۔ بیوی نے کہدیا ہے۔ نام نہ بتانا۔ آگے جو آپ کا حکم ہو۔ مجھے مہری کے ساتھ جانے مین تامل ہوا۔ احباب مجھے مذاق کرنے لگے۔ ہان صاحب جاتے کیون نہین۔ کبھی کی صاحب سلامت ہے۔ جب تو اِسطرح بُلا بھیجا۔" دل مین غور کر رہا تھا کہ کون صاحب ایسی بے تکلف ہین۔ اِتنے مین اِدھر مہری نے کہا۔ حضور بیوی آپ کو اچھی طرح جانتی ہین۔ جب تو بُلا بھیجا ہے۔

آخر جانا ہی پڑا۔

جاکے جو دیکھا معلوم ہوا۔ آہا۔ امراؤ جان صاحب تشریف رکھتی ہین۔

امراؤ جان۔ (دیکھتے ہی)۔ اللہ مرزا صاحب آپ تو ہمین بھول ہی گئے۔

مین۔ یہ معلوم کسے تھا کہ آپ کس کوہ قاف مین تشریف رکھتی ہین۔

امراؤ جان۔ یون تو مین اکثر آپ کی آواز سنا کرتی تھی۔ مگر کبھی بلانے کی جراءت نہو... مگر آج آپ کی غزل نے بے چین کردیا۔ بے ساختہ منہ سے واہ وا نکل گیا۔ ادھر کسی صاح... کہا۔ یہان آئیے۔ مین اپنی جگہہ پر آپ ہی شرمندہ ہوی۔ جی مین آیا۔ چپ ہو رہون... پھر دل نہ مانا۔ آخر اگلی خصوصیتون کے لحاظ سے آپ کو تکلیف دی۔ معاف کیجیے گا۔ ہان و... شعر ذرا پھر پڑھ دیجیے۔

مین۔ معاف تو کچھ بھی نہو گا۔ اور نہ مین شعر سناؤنگا۔ اگر آپ کو شوق ہو تو وہین تشر... لے چلیے۔

امراؤ جان۔ مجھے چلنے مین کوئی عذر نہین۔ مگر یہ خیال ہے کہ صاحب خانہ یا اور کسی صاح... کو میرا جانا ناگوار نہ ہو۔

مین۔ آپ کے حواس درست ہین ؟ بھلا ایسی جگہہ مین آپ کو چلنے کے لیے کیون کہتا... بے تکلف صحبت ہے۔ آپ کے جانے سے اور لطف ہو گا۔

امراؤ۔ یہ تو سچ ہے۔ مگر کہین زیادہ بے تکلفی نہو۔

مین۔ جی نہین۔ وہان سوا میرے کوئی آپ سے بے تکلف نہین ہو سکتا۔

امراؤ۔ اچھا تو کل آؤن گی۔

مین۔ ابھی کیون نہین چلتین۔

امراؤ۔ اے ہے ابھی۔ دیکھیے تو کس حیثیت سے بیٹھی ہون۔

مین۔ وہان کوئی مجرا تو ہے نہین۔ بے تکلف صحبت ہے۔ چلے چلیے۔

امراؤ۔ اوہی مرزا صاحب آپ کی تو باتین لاجواب ہوتی ہین۔ اچھا چلیے مین آتی...

مین اوٹھ کے چلا آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امراؤ جان صاحبہ ذرا کنگھی چوٹی کرکے کپڑے بدل کے آئین۔

مین نے احباب سے چند الفاظ مین اون کے مذاق شعر و سخن اور کمال فن موسیقی وغیرہ کی تعریف کردی تھی۔ لوگ مشتاق ہو گئے تھے۔ جب وہ تشریف لائین۔ تو... ٹھہری کہ سب صاحب اپنا اپنا کلام پڑھین۔ اور وہ بھی پڑھین۔ خلاصہ یہ کہ بڑے...

لطف کا جلسہ ہوا۔ اوس دن سے امراؤ جان اکثر شام کو چلی آتی تھین گھنٹہ دو گھنٹہ تک نشست رہتی تھی۔ کبھی شعر شاعری کا جلسہ ہوا۔ کبھی اونھون نے کچھ گایا۔ احباب محظوظ ہوے۔ ایسی ہی ایک جلسہ کی کیفیت ہم یہان لکھے دیتے ہین۔ ان مشاعرون مین کوئی طرح نہین مقرر کیجاتی تھی۔ اور نہ بہت سے لوگون سے وعدے لیے جاتے تھے۔ صرف بے تکلف احباب جمع ہو جاتے تھے۔ اور اپنی اپنی تازہ تصنیف غزلین پڑھتے تھے۔

مشاعرہ

کسکو سنائین حال دلِ زار اے ادا
آوارگی مین ہمنے زمانے کی سیر کی

مرزا رسوا۔ کیا کہنا ہی امراؤ جان صاحبہ۔ یہ مقطع تو آپنے حسب حال کہا ہے۔ اور شعر کیون نہ پڑھے۔

امراؤ جان۔ تسلیم۔ مرزا صاحب۔ آپکے سر کی قسم۔ بس وہ مطلع یاد تھا۔ اور یہ مقطع۔ خدا جانے کس مانے کی غزل ہے زبانی۔ کہان تک یاد رہے۔ بیاض نگوڑی گم ہوگئی۔

منشی صاحب۔ اور وہ مطلع کیا تھا ہمنے نہین سنا۔

رسوا۔ آپ تو اہتمام مین مصروف ہین سنتے کون ؟۔

اسمین شک نہین کہ منشی صاحب نے آج کے جلسے کے لیے بڑے سلیقے سے انتظام کیا تھا۔ گرمیون کے دن تھے۔ مہتابی پر دو گھڑی دن رہے سے چھڑکاو ہوا تھا۔ تاکہ شام تک زمین سرد ہو جاے۔ اوسی پر دری بچھا کے اوجلی چاندنی کا فرش کردیا گیا تھا۔ کوری کوری صراحیان پانی بھر کے کیوڑا ڈال کے منڈیر پر چنوا دی گئی تھین۔ انپر بالو کے آبخورے ڈھکے ہوئے تھے۔ برف کا انتظام علیحدہ کیا گیا تھا۔ کاغذی ہانڈیون مین سفید پانون کی سات سات گلوریان سرخ صافی مین لپیٹ کر کوڑے مین بسا کر رکھدی گئی تھین۔ ڈھکنون پر تھوڑا تھوڑا کھانے کا خوشبودار تمباکو رکھدیا تھا۔ ڈیڑھ خمے حقون کے نیچون مین پانی چھڑک چھڑک کر ہار لپیٹ دیے تھے۔ چاندنی رات تھی۔ اسلیئے روشنی کا انتظام زیادہ نہین کرنا پڑا۔ صرف ایک سفید کنول دورے کے لیے روشن کر دیا گیا تھا۔ آٹھ بجتے بجتے سب احباب۔ میر صاحب۔ آغا صاحب۔ خانصاحب۔ شیخصاحب۔ پنڈت صاحب۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ تشریف لائے۔ پہلے شیر فالودہ کے ایک ایک پیالے کا دور چلا۔ پھر شعر و سخن کا چرچا ہونے لگا۔

منشی صاحب۔ تو پھر اہتمام آپ کیجیے۔ بندہ شعر سنے۔

رسوا- معاف فرمائیے- یہ دردسر مجھ سے نہو گا-
منشی صاحب- اچھا تو وہ مطلع کیا تھا- امراؤ- میں عرض کیے دیتی ہوں-

کعبے میں جا کے بھول گیا راہ دیر کی
ایمان بچ گیا مرے مولا نے خیر کی

منشی صاحب- خوب کہا ہے- خانصاحب- اچھا مطلع کہا ہے- مگر "یہ بھول گیا" کیوں؟
امراؤ جان- تو کیا خانصاحب میں ریختی کہتی ہوں!-
خانصاحب- خیر تو ریختی کا ہے- "مرے مولا نے خیر کی" آپ ہی کی زبان سے اچھا معلوم ہوتا ہے-
رسوا- بس آپ کے چہلے شروع ہو گئے- ابے شعر سننے دیجیے- خانصاحب دنیا میں اگر سب آپ ہی کے سے محقق ہو جائیں تو شعر گوئی کا مزا تشریف لیجائے- ع- ہر گلے را رنگ و بوئی دیگر است-
خانصاحب- (کسی قدر برے تیوروں سے) درست-
رسوا- امراؤ جان اچھا- تو کوئی اور غزل پڑھو-
امراؤ- دیکھیے کچھ یاد آئے تو عرض کروں- تھوڑی دیر کے بعد-

شب فرقت بسر نہیں ہوتی — نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

حضار جلسہ- واہ وا- سبحان اللہ- کیا کہنا-
امراؤ- تسلیمیں کر کے- یہ شعر ملاحظہ ہو-

شور فریاد تا فلک پہونچا — مگر اوسکو خبر نہیں ہوتی

رسوا- کیا شعر کہا ہے- (حضار نے بھی تعریف کی)
امراؤ- آپ کی عنایت- تسلیم- تسلیم-

تیرے کوچے کے بینواؤں کو — ہوس مال و زر نہیں ہوتی

احباب تعریف- امراؤ- تسلیم-

جان دینا کسی پہ لازم تھا — زندگی یوں بسر نہیں ہوتی

رسوا- واہ! خانصاحب یہ شعر ملاحظہ ہو- خانصاحب- سبحان اللہ حقیقت میں کیا
امراؤ- تسلیم- آپ سب صاحب قدر افزائی فرماتے ہیں- ع- ورنہ میں کیا مری حقیقت

ہے یقین وہ نہ آئینگے پھر بھی — کب نگہ سوے در نہیں ہوتی

خانصاحب- یہ بھی خوب کہا- پنڈت صاحب- کیا طرز کلام ہے-
امراؤ- تسلیم کر کے-

اب کس امید پر نظر میری — شکوہ سنج اثر نہیں ہوتی

خانصاحب- کیا اچھا کہا ہے- فارسیت ٹپک رہی ہے-
منشی صاحب- جو کچھ ہو مضمون اچھا ہے- امراؤ- تسلیم-

ہم اسیران عشق کو صیاد — ہوس بال و پر نہیں ہوتی

احباب- تعریف- امراؤ- تسلیم-

غلط انداز ہی سہی وہ نظر — کیوں مرے حال پر نہیں ہوتی

خانصاحب- ہاں ہونا تو چاہیئے- خوب کہا ہے- امراؤ- تسلیم- مقطع ملاحظہ ہو-

اے ادا ہم کبھی نہ مانینگے — دل کو دل کی خبر نہیں ہوتی

خانصاحب- کیا مقطع کہا ہے- یہ آپ اپنا تجربہ بیان کرتی ہیں- اور لوگوں کی راے اسکے خلاف ہے-
امراؤ- ذاتی تجربہ جو کچھ ہو- میں نے تو اک شاعرانہ مضمون کہا ہے-
رسوا- اچھا ذرا پھر تو پڑھیے- امراؤ جان نے پھر پڑھا-
رسوا- مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے دونوں پہلو اس شعر سے نکل سکتے ہیں-
خانصاحب- واقعی مرزا صاحب کیا خوب بات کہی-
احباب- غزل از مطلع تا مقطع ایک رنگ میں ہے- اعلے درجے کا نداق ہے-
آغا صاحب- نشست الفاظ تو ملاحظہ کیجیے-
پنڈت صاحب- کیا دُرفشانی کی ہے-
امراؤ جان- (کھڑی ہو کے) تسلیمیں-
منشی صاحب- خانصاحب اب آپ کچھ ارشاد کیجیے-
خانصاحب- حضرت مجھے تو معاف کیجیے- کچھ یاد ہی نہیں آتا-
رسوا- کچھ تو پڑھیے-
خانصاحب نے ایک مطلع اور دو شعر پڑھے-
خانصاحب- حیف بنت العنب نہیں ملتی — ماہ میں ایک شب نہیں ملتی
رسوا- کیا اچھا کنایہ ہے- یعنے شب چاردہم-
خانصاحب- تسلیم-

یوں تو ملتی ہے داد صنعت شعر — داد حسن طلب نہیں ملتی

رسوا- کیا کہنا- خوب فرمایا-

خانصاحب۔ شوخیون سے کسی کی میری مراد
پہلے ملتی تھی اب نہین ملتی ہے

رسوا۔ لاجواب شعر کہا ہے۔ **خانصاحب**۔ **تسلیم**۔

اسکے بعد ایک صاحب تشریف لائے۔ آدمی کے ہاتھ مین لالٹین تھی۔

خانصاحب۔ یہ کون صاحب آتے ہین۔ شب ماہ مین لالٹین کی کیا ضرورت تھی۔

نوابصاحب۔ حضرت حماقت تو ہوی۔ معاف کیجیے گا۔

خانصاحب۔ آہا۔ نوابصاحب "بحضور مضائقہ ندارد"

نوابصاحب تشریف لائے۔ سب نے تعظیم کی۔ غزل پڑھنے کی فرمائش ہوی

نوابصاحب۔ مین تو آپ صاحبون کا مشتاق ہو کے آیا ہون۔ مجھے تو کچھ یاد واد نہین۔

شیخصاحب۔ جناب غزل پڑھا ہو گی۔

نوابصاحب۔ اچھا جو کچھ یاد آتا ہے۔ عرض کیے دیتا ہون۔

دل مین کھب جائیگی قاتل کی ادا ایک نہ ایک
کارگر ہو گا کبھی تیر قضا ایک نہ ایک ہے

احباب۔ سبحان اللہ۔ واہ۔ وا۔ کیا مطلع فرمایا ہے۔

نوابصاحب۔ (جھک جھک کے تسلیمین کرنے لگے) شعر ملاحظہ ہو۔

کوئی حورون پہ فدا کوئی بتون پر شیدا
ڈھونڈہ ہی لیتے ہین انسان خدا ایک نہ ایک

احباب۔ واہ کیا شعر کہا ہے۔ **نوابصاحب**۔ تسلیم۔ اسکے بعد چپ ہو رہے۔

رسوا۔ اور کچھ ارشاد ہو۔ **نوابصاحب**۔ واللہ۔ اب کچھ یاد ہی نہین آتا۔

منشی صاحب۔ پنڈت صاحب اب آپ داد فصاحت دیجیے۔

پنڈت جی۔ انشاء اللہ۔ دو تین شعر عرض کیے دیتا ہون۔

وصل مین ذکر عدو بھی دم بدم ہوتا رہا
شربت دیدار میرے حق مین سم ہوتا رہا

احباب۔ تعریف۔ **پنڈت صاحب**۔

زاہدا دو دن سے چرچا حق پرستی کا ہوا +
ورنہ کعبے مین سدا ذکر صنم ہوتا رہا

نواب۔ ہم نہین کہہ سکتے۔ مگر خوب کہا۔

پنڈت صاحب۔ کہیے یا نہ کہیے۔ مگر بات سچی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

واعظا کیون سر جھکائے وہ کسی کے روبرو جسکا سر نقش قدم پر اوسکے خم ہوتا رہا

احباب۔ تعریف۔ **پنڈت صاحب**۔

زلف کی تعریف مین دفتر کے دفتر لکھدیے مو بمو حال پریشانی رقم ہوتا رہا

رسوا۔ یہ خاص لکھنو کا مذاق ہے۔

پنڈت جی۔ اور آپ دہلی کے کب ہین۔

رسوا۔ اچھا شعر پڑھیے۔ مین نے تو اک بات کہی۔

پنڈت جی۔

دل جو تھا پہلے گل نورستہ باغ مراد ہے
خار خار حسرت رنج و الم ہوتا رہا ہے

نوابصاحب۔ دیکھیے کیا شعر کہا ہے۔ **خانصاحب**۔ متانت الفاظ ملاحظہ ہو۔

پنڈت جی۔ تسلیم۔ مقطع ملاحظہ ہو۔

شکر یہ مخمور اوس کافر ادا تجھسے ہوا
ہر نفس تجھ پر جو خالق کا کرم ہوتا رہا ہے

خانصاحب۔ سبحان اللہ "ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات است وچون بر می آید مفرح ذات "

رسوا۔ خانصاحب آپ کے مارے تو شعر ہی پڑھنا مشکل ہے۔

احباب۔ سبحان اللہ۔ کیا غزل فرمائی ہے۔ پنڈت جی۔ آپ کی عنایت۔ پرورش بندہ نوازی۔ واللہ۔ یہ آپ ہی لوگون کا صدقہ ہے۔

منشی صاحب۔ **شیخصاحب**۔ آپ تو کچھ ارشاد کیجیے۔

شیخصاحب۔ (مسکرا کے) جی مجھے تو کچھ یاد نہین۔

خانصاحب۔ یاد نہین۔ مگر نثر شعر کی غزل جیب مین ہوگی۔

شیخصاحب۔ واللہ نہین۔ صرف چار شعر ابھی موزون کر لیے ہین۔

رسوا۔ تو پھر پڑھتے کیون نہین۔ **شیخصاحب**۔ پھر عرض کیے دیتا ہون۔

عرض وہ عرض کہ جس عرض مین اصرار نہ ہو ہے
بات وہ بات کہ جس بات سے انکار نہ ہو

احباب۔ تعریف۔ **شیخصاحب**۔ تسلیم۔

شل یوسف سر بازار پڑے پھرتے ہو ـ کیا ہی شرماؤ اگر کوئی خریدار نہو

رسوا ـ کیا اچھا مذاق ہے ـ شیخصاحب ـ تسلیم ـ

دل وہ اچھا جو حسینون کی نظر مین نہ جمے ـ جنس وہ خوب کوئی جسکا خریدار نہو ـ

خانصاحب ـ بہت خوب ـ شیخصاحب ـ تسلیم ـ

قبل عشاق کی بیکار قسم کھاتے ہو ـ ہم نہ مانینگے اگر کوئی خریدار نہو

اتنے مین ایک آدمی آیا ـ اوسنے ایک پرچہ منشی احمد حسن کو دیا ـ

منشی صاحب (رقعہ پڑھکے) لیجئے ـ مرزا صاحب تشریف نہین لائینگے ـ

غزل تازہ تصنیف بھیجدی ہے ـ

مین نے آدمی سے پوچھا کرتے کیا ہین ـ

آدمی ـ (مسکرا کے) جی ـ سکندر باغ سے سر شام بہت انگریزی درختون کے ماندے لیکے آئے ہین ـ اونکو گول حوض کے کنارے پتھرون کے اندر سج رہے ہین ـ مالی پانی دینا جاتا ہے ـ

رسوا ـ جی ہان اونھین اپنے اعمال سے فرصت کہان ـ جو مشاعرے مین تشریف لائین ـ

منشی صاحب ـ اچھا تو غزل پڑھ دیجئے ـ واللہ کیا صحبت کو بے لطف کیا ـ نہ آئے ـ اچھا غزل ہی پڑھ دیجئے ـ

رسوا ـ مجھسے تو کچھ نہ پڑھوائیے گا ـ

منشی صاحب ـ ہان خوب یاد آیا ـ اچھا تو آپ پہلے پڑھ لیجئے ـ

رسوا ـ

نہ پوچھو ہم سے کیونکر زندگی کے دن گذرتے ہین ـ کسی بیدرد کی فرقت مین جیتے ہین نہ مرتے ہین

کوئی انسے کہے دل لے کے بھی یونہین مکر جانا ـ عدو کے سامنے جو گالیان دیکر مکرتے ہین

ابھی تو منس رہے ہین مدعی ذوق جراحت پر ـ نہ پوچھو اوس مزے کو جب نمک زخمون مین بھرتے ہین

تماشا ہو جو انکا نوحہ لیکر ہم مکر جائین ـ بہت جو چاہنے والون کا دل لیکر مکرتے ہین

اونھین کا نام لے لیکر کوئی فرقت مین مرتا ہے ـ کبھی تو وہ بھی سن لینگے وہ بدنامی سے ڈرتے ہین

بگاڑا ہمکو قسمت نے تو پھر بنتا نہین ممکن ـ وہ گیسو ہین کسی کے جو بگڑ کے پھر سنورتے ہین

کبھی شانے سے اُلجھے وہ کبھی آئینے کو توڑا ـ سنورنے مین بگڑتے ہین بگڑنے مین سنورتے ہین

ہمین زندہ نہ چھوڑینگی ادائین اونکے جوبن کی ـ دوپٹہ اوڑھکر اترا کے جو چلنے مین اُبھرتے ہین

ادائے ناز کو رسوا ہے دعوی پارسائی کا ـ کوئی پوچھے تو آخر مرنے والے کس پہ مرتے ہین

احباب نے ہر شعر کی داد دی ـ رسوا نے سر تسلیم خم کیا ـ اسکے بعد مرزا صاحب کی غزل پڑھنا شروع کی ـ

کل رات کو اونھین جو کہین دیر ہو گئی ـ دنیا ہماری آنکھون مین اندھیر ہو گئی

مرنے کے دن قریب ہین شاید کہ اے حیات ـ تجھسے طبیعت اپنی بہت سیر ہو گئی

بیہودہ خواہشون نے نہ جینے دیا ہمین ـ ان موذیون سے عقل اگر زیر ہو گئی

اے موت تجھکو کیا ہوا تو ہی بلا سے آ ـ اونکو تو آتے آتے بڑی دیر ہو گئی

بیری تباہیون کی تمھین اب خبر ہوئی ـ کیا پوچھتے ہو عمر تو ہمین تیر ہو گئی

آج اون سے ہمنے آنے کا وعدہ لیا تو کہ ـ دم ہی نکل گیا جو کہین دیر ہو گئی

ملنا تھا میرے پاس سے اے کاہلی تجھے ـ کم بخت تو تو آکے یہین ڈھیر ہو گئی

دبکی ہوئی تھی گربہ صفت خواہش گناہ ـ چمکارنے سے پھول گئی شیر ہو گئی

مرزا مشاعرے مین نہ تشریف لائینگے ـ تا چند انتظار بڑی دیر ہو گئی

اسکے بعد مظہر الحق صاحب ایک نامی شاعر کہین باہر کے رہنے والے جو اتفاقت اتفاق سے وارد مشاعرہ تھے ـ اونھون نے یہ نظم پڑھی ـ

ہے ہمارے مشاعرون کا یہ حال ـ جسکی اب نقل کرتے ہین نقال

روش اہل فن پہ ہنستے ہین ـ رنگ بزم سخن پہ ہنستے ہین

کیا زمانے مین غدر ہے توبہ ـ شاعری کی یہ قدر ہے توبہ

گو کہ پاس ادب نہین کرتے ـ ہا جو کچھ بے سبب نہین کرتے

جاتے ہین شاعران خوش تقریر ـ اپنے ہمراہ لے کے جم غفیر

کب سخنور اکیلے جاتے ہین ـ قدردانون کو لیکے آتے ہین

جاتے ہین معرکون مین فوج سمیت ـ ساتھ ہوتے ہین بیشمار چندیت

جنکے ہمراہ یہ ہجوم نہ ہو ـ کبھی اونکی غزل کی دھوم نہو

اک ادھر واہ واہ کرتا ہے ـ اک ادھر آہ آہ کرتا ہے

واہ کیا طرز دُر فشانی ہے ـ واہ کیا وضع خوش بیانی ہے

کوئی کہتا ہے واہ کیا کہنا ـ فی الحقیقت یہ ہے نیا کہنا

اس سے بہتر کہیگا کیا کوئی ـ کب ہے استاد آپ سا کوئی

اس زمانے مین آپ یکتا ہین ـ واقعی فخر میر و مرزا ہین

کب میسر تھا اونکو حسن کلام ـ کچھ نہ تھے وہ فقط ہے نام ہی نام

ان کے دیوان کب یہ نشتر ہین
بخدا آپ اون سے بہتر ہین

ان سے واللہ آپ اچھے ہین
ثم باللہ آپ اچھے ہین

کہین بڑھکر ہے آپ کا انداز
نکتہ سنجی ہے یا کہ ہے اعجاز

آپ قدرت نماے معنی ہین
فی الحقیقت خداے معنی ہین

آپکے آگے کون منہ کھولے
کسکا مقدور ہے جو کچھ بولے

ہے یہ انداز آپ کا حصہ
ہے یہ اعجاز آپ کا حصہ

دل مین ہم خوب کر چکے ہین غور
آپ ہی آپ ہین نہین کوئی اور

آپ ایسے ہین آپ ویسے ہین
ہم سمجھتے ہین آپ جیسے ہین

آپ کیا قدر اپنی پہچانین
پوچھیے ہمسے آپ کیا جانین

آپ کا کام ہے ہوا بندی
آپ پر ختم ہے ادا بندی

ایسے شاعر ہوے تھے کب پیدا
ہوے تھے نہ ہونگے اب پیدا

الغرض بے تکی اڑاتے ہین
بچھے جاتے ہین لوٹے جاتے ہین

انکی تعریف ہے وہ لاطائل
جس سے دُکھتا ہے دوسرونکا دل

منہ سے وہ شعر ادھر نکالتے ہین
یہ ادھر ٹوپیان اوچھالتے ہین

جنکی تعریف کا یہ تھا مذکور
اپنے دل مین بہت ہی ہین مسرور

اگر اسمین کسی کو غصہ آئے
کچھ تعجب نہین کہ لٹھ چل جاے

نہین یہ بات کچھ تعجب کی
بلکہ اکثر ہوا ہے ایسا ہی

پڑھتے ہین لفظ لفظ رُک رُک کے
ہورہے ہین سلام جھک جھک کے

گو بظاہر ہے انکسار بہت
دل مین ہے جوشِ افتخار بہت

کس قدر تنتے ہین بررتے ہین
خود بھی تعریف اپنی کرتے ہین

ہوتی ہے لفظ لفظ کی تشریح
ہوتی ہے بات بات کی تصریح

کیون نہون اپنی مدح کے شائق
جانتے ہین کہ ہم ہین اس لائق

کس قدر دور ہین معاذ اللہ
کیسے مغرور ہین معاذ اللہ

نکتہ فہم ایسے نکتہ دان ایسے
شاعر ایسے ہین قدردان ایسے

جھوٹی تعریف کی حقیقت کیا
جب حقیقت نہو تو لذت کیا

اسمین کیا خط ہے یہ مزا کیا ہے
کوئی پوچھے انھین ہوا کیا ہے

گو کہ میری نہ نشتین ہونگی
مین سمجھتا ہون جو گتین ہونگی

صاف گوئی کی داد پاؤن گا
مین بھی اپنی مراد پاؤن گا

کیا غرض ہے جو مین کسی سے ڈرون
بات سچی ہے کیون نہ کہہ گذرون

مجکو بھاتی نہین لگی لپٹی
بلکہ آتی نہین لگی لپٹی

طرز اہلِ سخن سے ناخوش ہون
دوشس اہلِ حق سے ناخوش ہون

شاعری ہے اگر اسی کا نام
دور سے ایسی شاعری کو سلام

اس نظم کی انصاف پسند احباب نے بڑی تعریف کی۔

رسوا۔ ہر شعر پر اہلِ محفل تعریفین کرتے جاتے تھے۔ منشی صاحب پر وجد کا عالم طاری تھا۔ امراؤ جان جھوم رہی تھین۔ اور میرا جو حال تھا وہ میرے ہی دل سے کوئی پوچھے۔

منشی صاحب۔ ہان جناب آغا صاحب اب آپ کچھ عنایت فرمائیے۔

آغا صاحب۔ بہت خوب۔ مطلع اول ملاحظہ ہو۔

کہین سامان ایسے ہون تو کچھ دل کو مرے کل ہو
مڑا و بلے ہوئے ہون اور اک ٹھرے کی بوتل ہو

احباب۔ واہ آغا صاحب کیا مطلع فرمایا ہے۔

آغا صاحب۔ ای حضرت ابھی آپنے سنا ہی کیا ہے دوسرا مطلع سنیئے۔

وہ مضمون ڈھونڈھکر باندھون کہ جو مشکل سے مشکل ہو
کہون وہ مطلع ثانی کہ جو اوّل سے اوّل ہو

احباب۔ بیشک اول سے اوّل ہے۔

آغا صاحب۔ لے اب شعر ملاحظہ ہون۔

تکلف بر طرف صاحب اگر ایسے ہی نازک ہو
پہین لو نور کے کپڑے نہ جالی ہو نہ ململ ہو

اس شعر کا رخ نوابصاحب کی طرف تھا۔ جو جالی کا کرتہ ہلکا بادامی رنگا اور باریک ململ کا انگرکھہ پہنے۔ بند کھولے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور ایک نہایت ہی نفیس پنکھیا ہاتھ مین تھی اوسے جھلتے جاتے تھے۔

اگر جاڑے مین تو مل جائے تو کیا غم ہے جاڑے کا
تری زلفین ہون شانے پر دوشالہ ہو نہ کمل ہو

احباب۔ تعریف۔

آغا صاحب- کہو بیچارگی مین بھی طبیعت خوش رکھے مجنون ؎
کہ چرلے ناقۂ لیلی ہری جب دل کی کوپل ہو

پنڈت جی- سبحان اللہ! اور تو اور- یہ بیچارگی سے چارہ کیا نکالا ہے-
احباب- واللہ سمجھے بھی خوب- سمجھ ہو- تو ایسی ہو- نہین تو نہ ہو-
آغا صاحب- ہنو- اچھا- اب یہ شعر سنیئے-

کہو عشاق سے اپنے کہ ضبط گریہ فرمائین
ڈرے گا راستہ گھر کا اگر کوچے مین دلدل ہو

شیخ صاحب- اچھی کہی-
رسوا- (خانصاحب سے) آپ کیون سکوت مین ہین- کوئی اعتراض نکالیئے-
آغا صاحب- ہان جناب سکوت- قدرشناس ٹھیک نہین ہے-
خانصاحب- آپ میری تعریف کو تحسین ناشناس نہ سمجھئے- اسلیئے چپ ہون-
آغا صاحب- نہین حضرت میری ایسی اونٹی سمجھ نہین ہے-
احباب- اس فقرے پر لوٹ گئے- آغا صاحب- شعر ملاحظہ ہو-

ہمین رشک آئے اپنے سے ہمین سے غیر پیدا ہو
ہم ایسے دو نظر آئین اگر معشوق احول ہو

احباب- آغا صاحب سبحان اللہ- کیا نازک خیالی کی ہے-
آغا صاحب- ابھی کم سن ہین اونکو شوق ہے لنگر اڑانے کا
بھکلا ڈوڑ کا ہو اک نہ کنکیا نہ منکل ہو ؎

اس شعر کا رخ بھی نوابصاحب کی جانب تھا اسلیئے کہ آپ ہی کی سرکار عالیجاہ سے کنکوے کی برات بڑی دھوم سے نکلی تھی-
آغا صاحب- کوئی اون سے کہے جو شعر معنی بند کہتے ہین ؎
کھلے کیا راز سربستہ جو دروازہ مقفل ہو

رسوا- آغا صاحب کیا کہنا! امراؤ جان- ذرا سُننا- کیا شعر کہا ہے-
امراؤ جان- سبحان اللہ- مین پہلے ہی سمجھ گئی- جو چاہین کہہ لین- مالک ہین-
آغا صاحب- تو صاف صاف کیون نہین کہتین کہ دوزخ کا دربان ہون- اچھا سنیئے

کسی صورت سے بہلا لین گے اوس معشوق کم سن کو
ڈبل پیسا نہ ہو ریوڑی نہ ہو تو گول گپل ہو

احباب- کیا کہنا-
آغا صاحب- کبھی گالی سُنا بیٹھے کبھی جوتا لگا بیٹھے
حکومت کا مزا آئے اگر معشوق ارذل ہو

خانصاحب- درست- مگر آپ کی شرافت سے بعید ہے-
آغا صاحب- جناب شریف کون ہے اس زمانے مین-

خدا کے فضل سے اوترا تھا کیا ہی عرش سے جوڑا
نہ مجھا کوئی گرگا ہو نہ متم سی کوئی شغل ہو ؎

نوابصاحب- خوب- مگر روئے سخن کسکی طرف ہے
آغا صاحب- یہ تو آپ ہی خوب سمجھ سکتے ہین- اسلیئے کہ آپ محرم راز ہین-
"السر عند کرام الناس مکتوم"

خانصاحب- آپ جواب دیجئے-
آغا صاحب- آپ کیا جواب دین گے- یہ شعر سنیئے-

ہم اوس نازک ادا کی شوخیون پر جان دیتے ہین
نشتر کے جسمین غمزے ہون فرس کی جسمین چھل بل ہو

احباب- واہ ری ہمت- آغا صاحب- اچھا نہی- یہ سنیئے-

مین دل کو چیر ڈالون گا جو تم پہلو سے اُٹھ جاؤ ؎
مین آنکھین پھوڑ ڈالون گا جو تم آنکھون سے اوجھل ہو

احباب- خوب-
آغا صاحب- تمھاری سادگی مین کچھ عجب عالم نکلتا ہے
نہ چوٹی ہو نہ کنگھی ہو- نہ مسّی ہو نہ کاجل ہو

امراؤ جان- اُدہی تو کیا دن رات سر جھاڑ- مُنہ پہاڑ بیٹھا رہے
آغا صاحب- سادگی کا یہی مزا ہے- اور دوسرے خرچ کی بھی کفایت ہے-
اس مذاق مین لطف یہ ہے کہ امراؤ جان کسی قدر خسیس مشہور تھین-

مکا ہم سے وہ جب مانگین اوٹھین جھکے سے ہم دیدین ؎
نہ تک تک ہو نہ جھک جھک ہو نہ کچ کچ ہو نہ کل کل ہو

احباب- کیا مصرعہ کہا ہے-
خانصاحب- اوپر کا مصرعہ بھی خوب لگایا- وہی ارذل کی رعایت چلی جاتی ہے-

امراؤ جان۔ ہنستے ہنستے لوٹی جاتی تھیں۔

آغا صاحب۔ اچھا تو اب ایسے شعر نہ پڑھیں۔ ہمارا معشوق ذلیل ہوا جاتا ہے۔ نازک خیالی سنیئے

تری نازک کمر کے باب میں چھلّا بنادینگے
وہ کیا سمجھے یہ باریکی طبیعت جسکی کھٹمل ہو

خانصاحب۔ میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ میری طبیعت ایسی ہے جیسا آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ مگر برائے خدا اس چھلّا کے معنی سمجھا دیجئے۔

آغا صاحب۔ خیر خاطر ہے۔ سن لیجئے۔ محاسب لوگ خانہ پُری کے لیئے بجائے نادارد کے یہ نشان + بنا دیا کرتے ہیں۔ اسلیئے اِس سے یہ مطلب نکلا کہ کمر معدوم ہے۔ دوسرے ایک خط نے بیچوں بیچ سے دوسرے کو کاٹ دیا ہے۔ اِس سے یہ ظاہر ہوا کہ معشوق کی کمر کٹتی ہوی اور پھر جُڑی ہوئی بھی ہے۔

خانصاحب۔ یہ کیونکر؟ آغا صاحب۔ اب اِس باریکی کو نہ پوچھیئے! خیر حضرت واضح ہو کہ چھلّا۔ علم ریاضی میں علامت جمع کی ہے لطف یہ ہے کہ علامت کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔ مطلب یہ نکلا کہ کمر باوجود معدوم ہونے کے جسم کے دونوں حصوں کو جوڑے ہوئے ہے۔

احباب۔ حضرت بس نازک خیالی کی حد ہوگئی۔ جو کوئی اتنے علم جانتا ہو وہ آپکے شعر سمجھے

آغا صاحب۔ اسی سے تو میں ایسے دلیسوں کے سامنے پڑھتا ہیں۔ افسوس استاد مرحوم زندہ ہوئے نہیں تو ان شعروں کی کچھ داد ملتی۔ اب سمجھنے والوں میں کون رہگیا ہے۔ خیر۔ اب مقطع سن لیجئے۔ طبیعت کلفت ہوگئی کوئی قدر داں نہیں ہے۔

بس اے فراق بس اطبع قیامت خیز کو روکو
غضب ہوجائے گا نوجِ مضامین میں جو ہلچل ہو

احباب۔ مقطع پھر عنایت ہو۔ آغا صاحب نے دوبارہ پڑھا۔

نواب صاحب۔ کیا زبردست تخلص رکھا ہے۔ فراق!

آغا صاحب۔ معاف فرمایئے گا۔ ہے تو کچھ ایسا ہی۔ مگر کچھ ایسا نازیبا نہیں ہے۔ ایک تو خاندانی اعتبار سے۔ اسلیئے کہ فدوی کے آباو اجداد دشت قبچاق میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ دوسرے اس سبب سے کہ اوستاد مرحوم سارق تخلص فرماتے تھے اور یہ کچھ ایسا نامناسب بھی نہ تھا۔ اسلیئے کہ (اونکی روح شرمندہ ہو) عمر بھر اگلے شاعروں

کے مضمون چُرا چُرا کے موزون فرمایا کیئے۔ سارا دیوان ملاحظہ کر لیجئے شاید ہی کوئی شعر نیا ہو۔ جب اشہب خامہ کی لگام میرے دست اقتدار میں آئی تو میں نے سرقہ کو اپنی شان کے منافی سمجھ کے فراق تخلص رکھ لیا۔ کچھ نہیں۔ اِسمیں ایک طرح کا بانکپن تو ہے۔ بندہ کا یہ دستور رہا ہے اور رہے گا کہ شعرائے ماضی و حال و استقبال کے مضامین زبردستی چھین چھین کے اپنے قبضہ تصرف میں کرلونگا۔

نواب۔ بہت مبارک!

مشاعرہ ختم ہونے کے بعد جلسہ کی برف جمائی گئی۔ اوسکی دُود دُود قلفیاں احباب نے نوش کیں۔ سب اپنے اپنے مکان کو تشریف لے گئے۔ اسکے بعد دسترخوان بچھا۔ منشی صاحب نے اور میں نے اور امراؤ جان نے کھانا کھایا۔

منشی صاحب (امراؤ جان سے) ذرا اپنا وہ مطلع تو پڑھیئے جو آپنے پہلے پڑھا تھا

امراؤ جان۔ کسکو سُنائیں حالِ دلِ زار اے ادا
آوارگی میں ہمنے زمانے کی سیر کی

منشی صاحب۔ اِسمیں شک نہیں کہ آپ کے حالات بہت ہی دلچسپ ہونگے جب آپ نے یہ مطلع پڑھا ہے۔ مجھے یہی خیال ہے۔ اگر آپ اپنی سرگذشت بیان کریں تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔

میں نے بھی منشی صاحب کے کلام کی تائید کی۔ مگر امراؤ پہلو بچاتی تھیں۔

ہمارے منشی صاحب مہربان کو ابتدائے سن سے قصہ کہانیوں کا بڑا شوق تھا۔ الف لیلہ امیر حمزہ کی داستان کے علاوہ بوستان خیال کی کُل جلدیں نظر سے گذری ہوئی تھیں۔ کوئی ناول ایسا نہ تھا جو آپنے نہ دیکھا ہو۔ مگر لکھنؤ میں چند روز رہنے کے بعد جب اہل زبان کی اصلی بول چال کی خوبی کھلی۔ اکثر ناول نویسوں کے بے تکے قصے مصنوعی زبان۔ اور تعصب آمیز اور بیہودہ جوش دلانے والی تقریریں آپکے دل سے اوتر گئی تھیں۔ لکھنؤ کے بامذاق لوگوں کی گفتگو بہت ہی پسند آتی تھی۔ امراؤ جان کے اوس مطلع نے آپ کے دل میں وہ خیال پیدا کیا جسکا اشارہ اوپر کیا گیا ہے۔ القصہ منشی صاحب کے شوق اور میری اشتعالک نے امراؤ جان کو مجبور کیا۔ اور وہ اپنی سرگذشت کہنے پر راضی ہوگئیں۔

اِسمیں کچھ شک نہیں کہ امراؤ جان کی تقریر بہت شستہ تھی۔ اور کیوں نہو۔ اوّل تو

خوانده- دوسرے اعلے درجے کی رنڈیون مین پرورش پائی- شہزادون اور نوابزادون کی صحبت اوٹھائی- محلات شاہی تک رسائی ہوئی- جو کچھ انھون نے آنکھون سے دیکھا اور لوگون نے کانون سے نہ سنا ہوگا-

اپنی سرگذشت وہ جس قدر کہتی جاتی تھین مین اون سے چھپا کے لکھتا جاتا تھا- تمام ہونے کے بعد مین نے مسودہ دکھایا- اسپر امراؤ جان بہت ہی بگڑین- مگر اب کیا ہوتا تھا- آخر کچھ سمجھ بوجھ کے چپ ہو رہین- خود پڑھا اور جا بجا جو کچھ رہگیا تھا- اوسے درست کر دیا-

مین امراؤ جان کو اوس زمانے سے جانتا ہون- جب اون سے نواب ---- صاحب سے ملاقات تھی- اونھین دنون میری نشست بھی وہان اکثر رہتی تھی- اس سرگذشت مین جو کچھ بیان ہوا ہے- مجھے اوسکے حرف بحرف صحیح ہونے مین کوئی شک نہین ہے- مگر یہ میری ذاتی راے ہے- ناظرین کو اختیار ہے جو چاہین قیاس کرلین-

مرزا رسوا-

لکھنؤ مارچ - ۱۸۹۹ع-

امراؤ جان

ادا

لطف ہے کون سی کہانی مین

آپ بیتی کہون کہ جگ بیتی

سنیے مرزا رسوا صاحب- آپ مجھسے کیا چھیڑ چھیڑ کے پوچھتے ہین- مجھ کم نصیب کی سرگذشت مین ایسا کیا مزا ہے جسکے آپ مشتاق ہین- ایک ناشاد نامراد- وطن آوارہ- خانمان برباد- ننگ خاندان- عار دو جہان کے حالات سنکے مجھے ہرگز امید نہین کہ آپ خوش ہون- اچھا سنیے- اور اچھی طرح سنیے-

باپ دادا کا نام لے کے اپنی سرخروئی جتانے سے فائدہ کیا- اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے یاد بھی نہین- ہان اتنا جانتی ہون کہ فیض آباد مین شہر کے کنارے کسی محلے مین میرا گھر تھا- میرا مکان پختہ تھا- آس پاس کچھ کچے مکان- کچھ جھونپڑے- کچھ کھپریلین- رہنے والے بھی ایسے ہی ویسے لوگ ہونگے- کچھ بہشتی- کچھ نائی- دھوبی- کہار- میرے مکان کے سوا ایک اونچا گھر اس محلے مین اور بھی تھا- اس مکان کے مالک کا نام دلاور خان تھا-

میرے ابا بہو بیگم صاحبہ کے مقبرے پر نوکر تھے- معلوم نہین کاہے مین اسم تھا- کیا تنخواہ تھی اتنا یاد ہے کہ لوگ اونکو جمعدار کہتے تھے-

جب سے مین اپنا قصہ شروع کرتی ہون میرا سن گیارہ برس کا تھا- میرا ایک چھوٹا بھائی تھا اوسکا سن کوئی تین برس کا ہوگا-

دن بھر مین اپنے بھائی کو کھلایا کرتی تھی- اور وہ بھی مجھ سے اسقدر ہلا ہوا تھا کہ دم بھر کے لیے نہ چھوڑتا تھا-

ابّا جب شام کو نوکری پر سے آتے تھے اُس وقت کی خوشی ہم بھائی بہنوں کی کچھ نہ پوچھیے میں کمر سے لپٹ گئی۔ بھائی ابّا ابّا کرکے دوڑا دامن میں چمٹ گیا۔ ابّا کی باچھیں مارے خوشی کے کھِلی جاتی ہیں۔ مجکو چمکارا پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ بھیّا کو گود میں اوٹھا لیا۔ پیار کرنے لگے۔ مجھے یاد ہے کہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہ آتے تھے۔ کبھی دو کتارے ہاتھ میں ہیں۔ کبھی بتاسوں یا تل کے لڈوؤں کا دونا لیے ہوئے ہیں۔ اب اِسکے حصّے لگائے جا رہے ہیں۔ اُس وقت بھائی بہنوں میں کس مزے کی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ وہ کتارا چھیننے لیے جاتا ہے میں مٹھائی کا دونا چھپائے لیتی ہوں۔ اماں سامنے کھپریل میں بیٹھی کھانا پکا رہی ہیں ابّا اِدھر آکے بیٹھے نہیں اِدھر میرے تقاضے شروع ہو گئے۔ "ابّا اللہ گڑیاں نہیں لائے "دیکھو میرے پاؤں کی جوتی کیسی ٹوٹ گئی ہے۔ تمکو تو خیال ہی نہیں رہتا۔" "لو ابھی تک میرا طوق سنار کے ہاں سے بن کے نہیں آیا چھوٹی خالہ کے لڑکے کی دودھ بڑھائی ہے ابھی میں کیا پہن کے جاؤنگی؟ چاہے کچھ ہو عید کے دن تو میں نیا جوڑا پہنوں گی ہاں میں تو نیا پہنونگی" جب اماں کھانا پکا چکیں۔ مجھے آواز دی۔ میں گئی روٹی کی ٹوکری اور سالن کی پتیلی اوٹھا لائی۔ دسترخوان بچھا۔ اماں نے کھانا نکالا۔ سب نے سر جوڑ کے کھانا کھایا۔ خدا کا شکر کیا۔ ابّا نے عشا کی نماز پڑھی سو رہے۔ صبح کو تڑکے ابّا اُٹھے۔ نماز پڑھی اُسی وقت میں کھٹ کھٹ سے اوٹھ بیٹھی پھر فرمائشیں شروع ہو گئیں۔

"میرے ابّا۔ آج نہ بھولنا۔ گڑیاں ضرور لیتے آنا۔ ابّا شام کو بہت سارے امرود اور نارنگیاں لانا ......

ابّا صبح کی نماز پڑھ کے وظیفہ پڑھتے ہوئے کوٹھے پر چڑھ جاتے تھے۔ کبوتروں کو کھول کے دانہ دیتے تھے ایک دو ہوا اوڑاتے تھے۔ اِتنے میں اماں جھاڑو بہارو سے فراغت کرکے کھانا تیار کر دیتی تھیں کیونکہ ابّا پہر دن چڑھے سے پہلے ہی نوکری پر چلے جاتے تھے۔ اماں سینا۔ پرونا۔ لے کے بیٹھتی تھیں۔ میں بھیّا کو لے کے کہیں محلّے میں نکل گئی یا دروازے پر املی کا درخت تھا وہاں چلی گئی۔ ہمجولی لڑکیاں لڑکے جمع ہوئے۔ بھیّا کو بٹھا دیا۔ خود کھیل کود میں مصروف ہو گئی۔ ہائے کیا دن تھے۔ کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ اچھے سے اچھا کھاتی تھی۔ بہتر سے بہتر پہنتی تھی کیونکہ ہمجولی لڑکے لڑکیوں میں کوئی مجکو اپنے سے بہتر نظر نہ آتا تھا۔ دل کھلا ہوا تھا۔ نگاہیں اٹھی ہوئی نہ تھیں۔ جہاں میں رہتی تھی وہاں کوئی مکان

میرے مکان سے زیادہ اونچا نہ تھا اور سب ایک کوٹھریا یا کھپریل میں رہتے تھے۔ میرے مکان میں آمنے سامنے دو دالان تھے۔ صدر کے دالان کے آگے کھپریل پڑی ہوی۔ اِدھر اُدھر دو کوٹھریاں تھیں۔ سامنے دالان کے ایک باورچیخانہ تھا۔ دوسری طرف کوٹھے کا زینہ۔ کوٹھے پر ایک کھپریل دو کوٹھریاں۔ کھانے پکانے کے برتن ضرورت سے زیادہ تھے۔ دو چار دریاں چاندنیاں بھی تھیں۔ ایسی چیزیں محلے کے لوگ ہمارے گھر سے مانگنے آتے تھے۔ ہمارے گھر میں بہشتی پانی بھرتا تھا محلے کی عورتیں کنوئیں سے خود ہی بھر لاتی تھیں۔ ہمارے ابّا جب گھر سے وردی پہن کے نکلتے تھے لوگ اُنھیں جھک جھک کے سلامیں کرتے تھے۔ میری اَمّاں ڈولی پر سوار ہو کے مہمان جاتی تھیں۔ ہمسائیاں پاؤں پیدل ماری ماری پھرتی تھیں۔

صورت شکل میں بھی میں اپنی ہمجولیوں سے اچھی تھی۔ اگرچہ درحقیقت خوبصورتوں میں میرا شمار نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسی بھی نہ تھی جیسی اب ہوں۔ کھلتی ہوی چمپئی رنگت تھی۔ ناک نقشہ بھی خیر کچھ ایسا بُرا نہ تھا۔ ماتھا کسی قدر اونچا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بچپنے میں پھولے پھولے گال تھے۔ ناک اگرچہ ستواں نہ تھی مگر چپٹی اور پھیلی ہوئی بھی نہ تھی۔ ڈیل ڈول بھی سِن کے موافق اچھا تھا اگرچہ اب ویسی نہیں رہی۔ نازکوں میں میرا شمار نہ جب تھا نہ اب ہے۔ اِس قطع پر پاؤں میں لال گلبدن کا پائجامہ۔ چھوٹے چھوٹے پائنچوں کا۔ ٹول کا نیفہ۔ نینو کی کُرتی۔ تنزیب کی اوڑھنی۔ ہاتھوں میں چاندی کی تین تین چوڑیاں۔ گلے میں طوق۔ ناک میں سونے کی نتھنی۔ اور سب لڑکیوں کی نتھنیاں چاندی کی تھیں۔ کان ابھی تازے تازے چھدے تھے اُنمیں صرف نیلے ڈورے پڑے تھے۔ سونے کی بالیاں بننے کو گئی تھیں۔

میری شادی میری پھوپھی کے لڑکے کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ منگنی نو برس کے سِن میں ہو گئی تھی۔ اب اُدھر سے شادی کا تقاضا تھا۔ میری پھوپھی نواب گنج میں بیاہی ہوی تھیں۔ پھوپھا ہمارے زمیندار تھے۔ پھوپھی کا گھر ہمارے گھر سے زیادہ بھرا پرا تھا۔ منگنی ہونے سے پہلے میں کئی مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ وہاں جا چکی تھی۔ وہاں کے کارخانے ہی اور تھے مکان تو کچّا تھا مگر بہت وسیع دروازے پر چھپّر پڑے ہوئے تھے۔ گائے بیل۔ بھینسیں بندھی تھیں۔ گھی دودھ کی افراط تھی۔ اناج کی کثرت۔ بھٹوں کی فصل میں ٹوکروں بھٹّے چلے آتے ہیں۔

کنارون کی پھاندیان پڑی ہوی ہین - اوُکھ کے ڈھیر لگے ہوئے ہین - کوئی کہان تک کھائے -

مینے اپنے دولھا (یعنے جسکے ساتھ شادی ٹھہری تھی) کو بھی دیکھا تھا - بلکہ ساتھ کھیلی تھی ابا پورا جہیز کا سامان کرچکے تھے - کچھ روپیے کی اور فکر تھی - رجب کے مہینے مین شادی کا تقرر ہوگیا تھا -

رات کو ابا اماں مین جب میری شادی کی باتین ہوتی تھین مین چپکے چپکے سنا کرتی تھی - اور دل ہی دل مین خوش ہوتی تھی - واہ میرے دولھا کی صورت - کریمن (ایک دھنیے کی لڑکی کا نام تھا جو میری ہمسن تھی) کے دولھا سے اچھی ہے - وہ تو کالا کالا ہے میرا دولھا گورا گورا ہے - کریمن کے دولھا کے منہ پر کیا بڑی سی داڑھی ہے میرے دولھا کے ابھی مونچھین بھی اچھی طرح نہین نکلین - کریمن کا دولھا ایک میلی سی دھوتی باندھے رہتا ہے - ماشی رنگی ہوی مرزئی پہنتا ہے - میرا دولھا عید کے دن کس ٹھاٹھ سے آیا تھا - سبز سبز چھینٹ کا دگلہ - گلبدن کا پائجامہ - مصالہ کی ٹوپی - مخملی جوتہ - کریمن کا دولہ سر مین ایک پھینٹا باندھے ہوئے ننگے پاؤن پھرتا ہے -

غرضکہ مین اپنی حالت مین خوش تھی - اور کیون نہ خوش ہوتی - کیونکہ اس سے بہتر کوئی اور حالت میرے خیال ہی مین نہ آسکتی تھی - مجھے اپنی تمام آرزوئین بہت ہی جلد پوری ہوتی معلوم ہوتی تھین -

مجھے یاد نہین کہ جبتک مین اپنے ماں باپ کے گھر مین رہی مجھے کوئی صدمہ پہونچا ہو - مگر ایک مرتبہ جب میری اونگلی کا ایک چھلا چندا ڈھیری کھیلنے مین جاتا رہا تھا - موا چاندی کا تار تھا - شاید ایک آنے سے زیادہ کا نہو گا - یہ اب کہتی ہون اوسوقت اتنی تمیز کہان تھی - قیمت کسی چیز کی مجھے معلوم ہی نہ تھی - اس چھلے کے لیے مین اتنا روئی کہ آنکھین سوج گئین - اماں سے دن بھر چھپایا آخر جب رات کو اونھون نے انگلی خالی دیکھی - مجھ سے حال پوچھا - اب کہنا ہی پڑا - اماں نے ایک طمانچہ میرے منہ پر مارا - مین چیخین مار مار کے رونے لگی ہچکیاں بندھ گیئن - اتنے مین ابا آگئے - اونھون نے مجھے مچکارا - اماں پر خفا ہوے - اوسوقت میرے دل کو کسی قدر تسکین ہوئی -

بیشک ابا مجھے اماں سے زیادہ چاہتے تھے - ابا نے کبھی پھول کی چھڑی نہین چھوائی

اماں ذرا ذرا سی بات پر مار بیٹھتی تھین - اماں چھوٹے بھیا کو بہت چاہتی تھین - چھوٹے بھیا کے لیے مینے بہت مار کھائی - مگر پھر بھی مجھے اوس سے انتہا کی محبت تھی - اماں کی ضد سے تو کبھی کبھی دو دو پہر تک مین نے گود مین نہین لیا - مگر جب اونکی آنکھ اوجھل ہوی فورا گلے سے لگا لیا - گود مین اوٹھا لیا پیار کر لیا - جب دیکھا اماں آتی ہین - جلدی سے اوتار دیا اب وہ رونے لگا - اسپر اماں یہ سمجھتی تھین کہ مین نے رلا دیا - لگین گھڑکیان دینے -

یہ سب کچھ تھا مگر جہان میری انگلی دکھی اور اماں بے قرار ہوگیئن - کھانے پینے کا ہوش نہین - راتون کو نیند حرام - کسی سے دوا پوچھتی ہین - کسی سے تعویذ منگاتی ہین -

میرے جہیز کے لیے اپنے ہاتھ گلے کا سب گہنا اوتار کے ابا کے حوالے کیا - کہ ہمین تھوڑی چاندی ملوا کے پھر سے بنوا دو - دو ایک عدد جو نئے بنے ہوئے ہین انکو اجلوا دو - گھر بھر کے برتون سے دو چار رکھ لیے باقی نکال کے الگ کر دیے کہ انپر قلعی کرا دو - بلکہ ابا نے کہا بھی کہ کچھ اپنے آئندہ کا بھی خیال رکھو - اماں نے کہا - اوہ جی ہوگا ! تمھاری بہن زمیندار کی بیوی ہین وہ بھی تو جانین کہ بھائی نے لڑکی کو کچھ دیا - لاکھ تمھاری بہن ہین سسرال کا نام برا ہوتا ہے - میری لڑکی ننگی بوچی جائیگی تو لوگ طعنے دینگے -

مرزا رسوا صاحب - مین نے اپنے ماں باپ کے گھر اور بچپن کی حالت کا پورا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے - اب آپ سمجھ سکتے ہین کہ اگر مین اوس عالم مین رہتی تو خوش رہتی یا ناخوش - اسے آپ خود قیاس کر سکتے ہین - میری عقل ناقص مین تو یہ آتا ہے کہ مین اسی حالت مین اچھی رہتی -

ابتدا آوارگی کی جوش وحشت کا سبب
ہم تو سمجھے ہین مگر ناصح کو سمجھائین گے کیا

مین نے اکثر لوگون کو کہتے سنا ہے کہ جو ذات کی رنڈیان ہین اونکا تو ذکر ہی کیا جو کچھ کرین کم ہے - کیونکہ وہ ایسے گھر اور ایسی حالت مین پیدا ہوتی ہین جہان سوائے بدکاری کے اور کسی چیز کا مذکور ہی نہین - ماں بہن جسکو دیکھتے ہین اوسی حالت مین ہے - مگر یہ ماں باپ کی بیٹیان جو اپنے گھرون سے نکل کے خراب ہو جاتی ہین اونکو وہان مارے جہان پانی نہ ملے -

میرا حال جتنا مین بیان کر چکی ہون اُتنا ہی کہہ کے چھوڑ دون اور اِسکے بعد یہ کہہ دون کہ بس اِسکے بعد مین آوارہ ہو گئی اوس سے یہی خیال پیدا ہوگا کہ کمبخت اُودماتی تھی شادی ہونے مین دیر ہوی کسی سے آنکھ لگا کے نکل آئی۔ اوسنے چھوڑ دیا کسی اور سے آشنائی کی۔ اوس سے بھی نہ بنی۔ آخر رفتہ رفتہ یہی پیشہ ہو گیا۔ واقعی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مین نے اپنی زندگی مین بہت سی بہو بیٹیون کو خراب ہوتے دیکھا اور سُنا۔ اِسکے سبب بھی کئی ہوتے ہین۔ ایک تو یہ کہ جوان ہو گئین ماں باپ شادی نہین کرتے۔ دوسرے یہ کہ شادی اپنی پسند سے نہین ہوتی۔ ماں باپ نے جہان پایا جھونک دیا۔ نہ سِن کا لحاظ کیا نہ صورت شکل دیکھی۔ نہ مزاج کا حال دریافت کیا۔ میان سے نہ بنی نکل کھڑی ہوئین۔ یا جوانی مین سر پر آسمان ٹوٹا رانڈ ہو گئین۔ صبر نہو سکا دوسرا کر لیا۔ یا بد صحبت ملی آوارہ ہو گئین۔ مگر مجھ نا نصیب ناشدنی کو بخت و اتفاق نے مجبور کر کے ایسے جنگل مین چھوڑ دیا جہان سوائے گمراہی کے کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

دلاور خان جسکا مکان ہمارے مکان سے تھوڑی دور تھا۔ مُوا ڈکیتون سے ملا ہوا تھا۔ لکھنؤ مین برسون قید رہا۔ اُسی زمانے مین نہین معلوم کِسکی سفارش سے چھوٹ آیا تھا۔ اَبّا سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جب فیض آباد مین یہ گرفتار ہوا تو محلے سے اِسکے چال چلن کی تحقیقات کے لیئے لوگ طلب ہوئے۔ اونمین اَبّا بھی تھے۔ اَبّا بیچارے یون بھی دل کے سادے اور زبان کے سچے تھے۔ اوسپر طرّہ یہ ہوا کہ گورائی والے صاحب نے اون کے ہاتھ مین قرآن دے کے پوچھا۔ "دل جمعدار تم سچ سچ کہے یہ کیسا آدمی ہے" اَبّا نے صاف صاف جو اُسکا حال تھا کہدیا۔ اِنھین کی گواہی پر دلاور خان قید ہو گیا۔ یہ حال مین نے اپنی ماں سے سُنا تھا۔ وہی کینہ اوسکے دل مین چلا آتا تھا۔ ابکی جب قید سے چھوٹ کے آیا تو اُسنے اَبّا کی ضد پر کبوتر پالے۔ ایکدن اوسنے اَبّا کا ایک کبوتر مارا۔ لینے کو گئے نہ دیا۔ اَبّا چار آنے دیتے تھے۔ وہ آٹھ آنے مانگتا تھا۔ اَبّا تو نوکری پر چلے گئے۔ جھٹ پٹے وقت خدا جانے مین گھر سے کیون نکلی تھی۔ دیکھتی کیا ہون۔ اِملی کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ کہنے لگا۔ چلو بیٹیا تمھارے اَبّا پیسے دیتے گئے تھے کبوتر لے لو۔ مین اوسکے دم مین آگئی۔ ساتھ چلی گئی۔ جاکے جو دیکھتی ہون گھر مین کانی چڑیا نہین۔ اکیلا مکان پڑا ہے۔ اِدھر مین گھر مین داخل ہوی اودھر اوسنے اندر سے کُنڈی بند کر لی۔ چاہتی ہون

کہ چیخون کہ اوسنے مُنہ مین کپڑا ٹھونس دیا۔ میرے دونون ہاتھ رومال سے کس دیے۔

اِس مکان کا ایک دروازہ دوسری طرف تھا۔ مجھے زمین پر بٹھا کے آپ گیا دروازہ کھولا اور پیر بخش کہہ کے آواز دی۔ پیر بخش اندر آیا۔ دونون نے مِل کے مجھکو ایک بہل گاڑی پر سوار کیا۔ گاڑی چل نکلی۔ مین دم بخود رہ گئی۔ تلے کی سانس تلے۔ اوپر کی اوپر۔ کرون کیا کوئی بس نہین۔ موذی کے چنگل مین ہون۔ دلاور خان بہل کے اندر مجھکو گھٹنون کے نیچے دبائے ہوئے بیٹھا ہے۔ ہاتھ مین چھری ہے۔ موئے کی آنکھون سی خون ٹپک رہا ہے۔ پیر بخش گاڑی ہانک رہا ہے۔ بیل ہین کہ اوڑے چلے جاتے ہین۔ تھوڑی دیر مین شام ہو گئی۔ چارون طرف اندھیرا چھا گیا۔ جاڑے کے دن تھے۔ سنّاٹے کی ہوا چل رہی تھی۔ سردی کے مارے میری بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ دم نکلا جاتا تھا۔ آنکھون سے باران جاری تھا۔ دل مین یہ خیال آتا ہے ہائے کس آفت مین پھنسی۔ اَبّا نوکری پر سے آئے ہونگے۔ مجھے ڈھونڈھتے ہون گے۔ امّان پیٹ رہی ہونگی۔ چھوٹا بھائی کھیل رہا ہوگا۔ اوسے کیا معلوم بہن کس آفت مین ہے۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ مکان کا دالان۔ انگنائی۔ باورچیخانہ۔ سب کچھ میری آنکھون کے سامنے تھا۔ یہ سب خیالات ایک طرف تھے اور جان کا خوف ایک طرف۔ دلاور خان گھڑی گھڑی چھری دکھاتا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب کوئی دم مین یہ چھری میرے کلیجے کے پار ہو گی۔ کپڑا اب میرے مُنہ مین نہ تھا۔ مگر مارے ڈر کے مُنہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ اُدھر میرا تو یہ حال تھا اودھر دلاور خان اور پیر بخش مین ہنس ہنس کے باتین ہو رہی تھین۔ میرے ماں باپ پر بات بات مین گالیان پڑتی جاتی تھین۔

دلاور خان۔ دیکھا بھائی پیر بخش۔ سپاہی کے پوت بارہ برس کے بعد اپنا بدلہ لیتے ہین۔ اب کیسا . . . . تلملاتا پھرتا ہوگا۔

پیر بخش۔ بھئی تمنے بیشک اِس مثل کو اصل کر دکھایا۔ بارہ برس تو ہوے ہونگے تمھین قید ہوے۔

دلاور خان۔ پورے بارہ برس ہوے۔ بھائی لکھنؤ مین کیا کیا مصیبتین اوٹھائی ہین۔ خیر . . . وہ بھی تو کوئی دن کو یاد کرے گا۔ یہ تو میرا پہلا وار تھا۔ مین تو اوس . . . کو جان سے مارون گا۔

پیر بخش۔ کیا یہ بھی ارادہ ہے۔

دلاور خان - تم سمجھتے کیا ہو۔ جان سے نہ مارا ہو تو پٹھان کا تخم نہین۔

پیر بخش - بھئی تم قول کے سچے ہو۔ جو کہو گے کر دکھاؤ گے۔

دلاور خان - دیکھنا۔

پیر بخش - اور اِسے کیا کرو گے۔

دلاور خان - کرین گے کیا۔ یہین کہین مار کے نالے مین توپ دو۔ راتون رات گھر چلے چلو۔

یہ بات سنکر مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ آنکھون مین آنسو تھم گئے۔ دل مین ایک دھچکا سا ہوتا۔ منکا ڈھل گیا۔ ہاتھ پاؤن ڈال دیے۔ یہ حال دیکھ کے ابھی مُوے کٹر کو ترس آیا۔ اور ایک گھونسا زور سے میرے کلیجے پر مارا کہ مین بلبلا گئی۔ قریب تھا کہ گر پڑون۔

پیر بخش - اِسے تو مار ڈالوگے اور ہمارا روپیہ۔

دلاور خان - گلے گلے پانی۔

پیر بخش - کہان سے دو گے۔ ہم تو کچھ اور ہی سمجھے تھے۔

دلاور خان - گھر تو چلو۔ کہین سے نہ ہو سکے گا تو کبوتر بیچ کے دیدون گا۔

پیر بخش - تم تو بے عقل ہو۔ کبوتر کیون بیچو۔ ہم نہ ایک بات بتائین۔

دلاور خان - کہو۔

پیر بخش - ارمان لکھنؤ مین چل کے اِسی چھوکری کے کوڑے کرو۔

جب سے اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تھا مجھے اِن دونون موذیون کی باتین کانون سے اچھی طرح سُنائی نہ دیتی تھین۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خواب مین باتین کر رہا ہے۔ پیر بخش کی یہ بات سُنکے میرے دل کو پھر اپنی زندگی کا کچھ آسرا بندھا۔ دل ہی دل مین پیر بخش کو دعائین دینے لگی۔ مگر اب یہ انتظار ہے کہ دیکھون یہ موذی کیا کہتا ہے۔

دلاور خان - اچھا دیکھا جائے گا۔ ابھی تو چلے چلو۔

پیر بخش - یہان ذرا ٹھہر نہ جائین وہ سامنے درخت کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ تھوڑی سی آگ لے آئین تو حقہ بھرین۔

پیر بخش تو آگ لینے گیا۔ مجھے پھر یہ خوف پیدا ہوا۔ کہین پیر بخش کے آتے آتے یہ میرا کام نہ تمام کر دے۔ جان کا خوف بُرا ہوتا ہے۔ اکبارگی زور سے چیخ ماری۔ چیخ کا مارنا تھا کہ دلاور خان

نے دو تین طمانچے میرے مُنہ پر کس کس کے لگائے۔ حرامزادی چُپ نہین رہتی۔ ابھی چھری بھونک دونگا۔ . . . نَبَل کرتی ہے . . . . . .

پیر بخش (ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوگا) نہین بھئی نہین۔ ایسا کام نہ کرنا۔ تمھین ہمارے سر کی قسم۔ ارمان ہمین تو آ لینے دو۔

دلاور خان - اچھا جاؤ آگ لے آؤ۔

پیر بخش گیا اور تھوڑی دیر کے بعد آگ لے کے آیا۔ حقہ بھرا۔ دلاور خان کو دیا۔

دلاور خان - (ایک کش حقے کا پی کے) تو یہ کتنے تک بکجائیگی؟ اور بیچے گا کون؟ ایسا نہو کہین پکڑے جائین تو اور مشکل ہو۔

پیر بخش - اِسکا ہمارا ذمہ۔ ہم تو بیچ دینگے۔ ارے میان تمھاری باتین۔ پکڑے گا کون۔ لکھنؤ مین ایسے معاملے دن رات ہوا کرتے ہین۔ ہمارے سالے کو جانتے ہو؟۔

دلاور خان - کریم۔

پیر بخش - ہان۔ اوسکی روٹی اِسی پر ہے۔ بیسیون لڑکے لڑکیان پکڑ لے گیا۔ لکھنؤ مین جا کے دام کھرے کر لیے۔

دلاور خان - آج کل کہان ہے۔

پیر بخش - کہان ہے! لکھنؤ مین ہوگا۔ گومتی اُس پار اوسکی سسرال ہے۔ وہین ہوگا۔

دلاور خان - بھلا اِس کا لڑکی کتنے کو بکتے ہین؟

پیر بخش - جیسی صورت ہوئی۔

دلاور خان - بھلا یہ کتنے کو بک جائیگی۔

پیر بخش - سو ڈیڑھ سو۔ جیسی تمھاری تقدیر ہوئی۔

دلاور خان - بھائی کی باتین۔ سو ڈیڑھ سو۔ اِسکی صورت ہی کیا ہے۔ سو بھی ملین تو بہت ہے۔

پیر بخش - اچھا اِس سے کیا ہے۔ لے تو چلو۔ مار ڈالنے سے کیا فائدہ۔

اسکے بعد دلاور خان نے پیر بخش کے کان مین کچھ جھُک کے کہا جسکو مین نے نہین سنا۔ پیر بخش نے جواب دیا۔ وہ تو ہم سمجھے ہی تھے۔ تم کیا ایسے بیوقوف ہو! رات بھر گاڑی چلا کی۔ میری جان سانسے مین تھی۔ موت آنکھون کے سامنے

پھر رہی تھی۔ رفت سلب ہو گئی تھی۔ بدن سُن ہو گیا تھا۔ آپ نے سُنا ہو گا کہ نیند سولی پر بھی آتی ہے۔ تھوڑی دیر مین آنکھ لگ گئی۔ ترس خدا کرکے پیر بخش نے بیلون کا کمل اوڑھا دیا۔ رات کو کئی مرتبہ چونک چونک پڑی۔ آنکھ کھل جاتی تھی۔ مگر ڈر کے مارے چپکی پڑی تھی۔ آخر ایک مرتبہ ڈرتے ڈرتے مُنہ پر سے کملی سرکا کے جو دیکھا معلوم ہوا مین گاڑی مین اکیلی ہون۔ پردے سے جھانک کے دیکھا۔ سامنے کچھ کچے مکان ہین۔ ایک بنئے کی دوکان ہے۔ دلاور خان اور پیر بخش دونون کچھ خرید رہے ہین۔ بیل سامنے برگد کے درخت کے نیچے بھوسہ کھا رہے ہین۔ دو تین گنوار الاؤ کے پاس بیٹھے ہوئے تاپ رہے ہین۔ ایک چلم پی رہا ہے۔ اتنی دیر مین پیر بخش نے گاڑی کے پاس آ کے تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے مجکو دیئے۔ مین رات بھر کی بھوکی تھی۔ کھانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لوٹا پانی لا کے دیا۔ مین نے تھوڑا سا پیا۔ پھر چپکی ہو کے پڑ رہی۔

بڑی دیر تک گاڑی یہان ٹھہری رہی۔ پھر پیر بخش نے بیل جوتے۔ دلاور خان حقہ بھر کے میرے پاس آ بیٹھا۔ گاڑی روانہ ہوی۔ آج دن کو مجھپر زیادہ سختی نہین ہوئی نہ دلاور خان کی چھری نکلی نہ مجھپر گھونسے پڑے نہ گھُرکیان۔ دلاور خان اور پیر بخش دونون جگہہ جگہہ پر حقے بھر بھر کے پیتے تھے۔ باتین ہوتی جاتی تھین۔ جب باتین کرتے کرتے تھک گئے۔ کچھ گانے لگے۔ ایک گاتا ہے۔ دوسرا چپکا سن رہا ہے۔ سُن کیا رہا ہے۔ سوچ رہا ہے کہ اب کیا بات نکالون۔ پھر کوئی بات نکل آئی۔ اس گفتگو مین اکثر ایسا بھی ہوا کہ آپس مین گالی گلوج ہونے لگی۔ آستینین چڑھگئین۔ کمرین کسی جانے لگین۔ ایک گاڑی پر سے کودا پڑتا ہے۔ دوسرا اوہین گلا گھونٹنے کو تیار ہے۔ پھر کسی بات پر دونون ڈھیلے پڑ گئے۔ بات رفت گذشت ہوئی۔ پھر ملاپ ہوا۔ دوستی کی باتین ہونے لگین۔ گویا کبھی لڑے ہی نہ تھے۔

ایک۔ ہمارے تمھارے لڑائی ہی کیا۔ بات کی بات تھی۔

دوسرا۔ بات ہی کیا تھی۔

پہلا۔ اچھا تو پھر اوس بات کو جانے دو۔

دوسرا۔ جانے دو۔

دے پھڑکنے کی اجازت صیّاد
شبِ اوّل ہے گرفتاری کی

گرفتاری کی شبِ اوّل کا حال تو آپ سُن چکے۔ ہائے! وہ بے بسی مرتے دم تک نہ بھولون گی۔ مجھے خود حیرت ہے کہ مین کیونکر زندہ بچی۔ ہَے ہَے۔ کیا سخت جان تھی کہ دم نہ نکلا۔ دلاور خان بندے! دنیا مین تو خیر تو اپنی سزا کو پہونچا۔ مگر کیا اس سے میرے دل کو تسکین ہوئی۔ مُوے کی بوٹیان کاٹ کاٹ کے چیل کوّون کو کھلاتی تو بھی مجھے آہ نہ آتی۔ یقین ہے کہ قبر مین نکیرین صبح و شام جہنم کے گُندے پڑتے ہونگے اور قیامت کے دن خدا چاہے تو اِس سے بدتر درجہ ہو گا۔

ہائے میرے ماں باپ کا کیا حال ہوا ہو گا۔ کیسے تیری جان کو کلپتے ہونگے۔

بس مرزا صاحب اِتنی آج کہی باقی کل کہون گی۔ اب میرا دل ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ جی چاہتا ہے خوب چیخین مار مار کے روؤن۔

. . . .

آپ میری آوارگی کی سرگذشت سُنکے کیا کیجیے گا۔ بہتر ہے کہ یہین تک رہنے دیجیے۔ مین تو یہ کہتی ہون کاش دلاور خان مجکو مار ہی ڈالتا تو اچھا تھا۔ مُٹھی بھر خاک سے میری آبرو ڈھک جاتی۔ میرے ماں باپ کی عزت کو دھبّہ نہ لگتا۔ یہ دین و دنیا کی روسیاہی تو نہ ہوتی۔

ہان مین نے اپنی ماں کو ایک بار پھر دیکھا تھا۔ اِسکو بھی ایک زمانہ ہوا۔ اب خدا جانے جیتی ہین یا مر گئین۔ سنا ہے کہ چھوٹے بھائی کے ایک لڑکا ہے ماشاءاللہ! چودہ پندرہ برس کا۔ دو لڑکیان ہین۔ میرا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اِن سب کو دیکھون۔ کچھ ایسا دور بھی نہین مُوے ایک روپیہ مین تو آدمی فیض آباد پہونچ سکتا ہے۔ مگر کیا کرون مجبور ہون۔ اوس زمانے مین جب ریل نہ تھی فیض آباد سے لکھنؤ چار دن کا راستہ تھا۔ مگر دلاور خان اِس خوف سے کہ کہین میرا باپ پیچھا نہ کرے نہین معلوم کن ٹیڑھے راستون سے لایا کہ کوئی آٹھ دن مین لکھنؤ پہونچی۔ مجھ نگوڑی کو کیا خبر تھی کہ لکھنؤ کہان ہے۔ مگر دلاور خان اور پیر بخش کی باتون سے مین اِتنا سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ مجھے وہین لیے جاتے ہین۔

لکھنؤ کا نام مین گھر مین سنا کرتی تھی۔ کیونکہ میرے ناما ہین کسی محل کی ڈیوڑھی پر سپاہیون مین نوکر تھے۔ گھر مین اُنکا ذکر ہوا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ فیض آباد گئے بھی تھے۔ میرے لیے بہت سی مٹھائی اور کھلونے لے گئے تھے۔ مین اُنھین اچھی طرح پہچانتی تھی۔

لکھنؤ مین گومتی اوسپار کریم کی سُسرال مین مجھے لاکر اوتارا۔ چھوٹا سا کچا مکان۔ کریم کی ساس۔ موئی مُردے شوئی سی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے گھر مین لیگئی۔ ایک کوٹھری مین بند کردیا۔ صبح ہوتے لکھنؤ پہونچی تھی۔ دوپہر تک بند رہی۔ پھر کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ ایک جوان سی عورت (کریم کی جورو) تین چپاتیان اور ایک مٹی کے پیالے مین چمچہ بھر ماش کی دال۔ اور ایک بدھنی پانی کی میرے آگے رکھ کے چلی گئی۔ مجھے اوس وقت وہ بھی نعمت ہوگئی۔ آٹھ دن ہوگئے تھے گھر کا پکا کھانا نصیب نہوا تھا۔ راستے مین چبینے اور ستوون کے سوا کچھ ملا ہی نتھا۔ کوئی آدھی بدھنی بھر پانی پی گئی۔ اسکے بعد زمین پہ پاؤن پھیلا کے سو رہی۔ خدا جانے کتنی دیر سوئی۔ کیونکہ اوس اندھیری کوٹھری مین دن رات کی تمیز تو ہو ہی نہ سکتی تھی۔ اِس درمیان مین کئی مرتبہ آنکھ کھلی۔ چارون طرف اندھیرا۔ کوئی آس نہ پاس۔ پھر اوڑھنی سے مُنہ ڈھانکے پڑ رہی۔ پھر نیند آگئی۔

تیسری چوتھی مرتبہ جو آنکھ کھلی تو پھر نیند نہ آئی۔ پڑی جاگتی رہی۔ اتنے مین کریم کی ساس ڈائن کی شکل بکتی بڑبڑاتی اندر آئی۔ مین اوٹھ بیٹھی۔ لونڈیہ کتنا سوتی ہے۔ رات کو چیختے چیختے گلا پڑگیا۔ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے اوٹھایا۔ سانس ہی نملی۔ مین تو سمجھی تھی سانپ سونگھ گیا۔ اے لو وہ تو پھر اوٹھ بیٹھی۔ مین چپکے سُنا کی۔ جب خوب بک جھک چکی تو پوچھنے لگی ——— "پیالہ کہان ہے" مین نے اوٹھا دیا۔ وہ لیکر باہر نکلی۔ کوٹھری کا دروازہ پھر بند ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کریم کی جورو آئی۔ اوسی کوٹھری مین ایک چھوٹی سی کھڑکی لگی تھی۔ اوسے کھول دیا۔ مجھکو باہر نکالا۔ ایک ڈوٹا سا کھنڈر پڑا تھا۔ یہان آکے آسمان دیکھنا نصیب ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اوسی کال کوٹھری مین بند کردیگئی۔ آج ارہر کی دال اور جوار کا دلیہ کھانے کو ملا۔

اِس طرح دو دن گذرے تیسرے دن ایک اور لڑکی مجھسے سن مین دو ایک برس بڑی اِسی کوٹھری مین لا کے بند کی گئی۔ کریم خدا جانے کہان سے پھُسلا کے لے آیا تھا۔ بیچاری کیسی پھپھک پھپھک کر روتی تھی۔ مجھکو اسکا آنا غنیمت ہوگیا۔ جب وہ رو دھو چکی تو چپکے

چپکے باتین ہوا کین۔ کسی بنئے کی لڑکی تھی۔ رام دئی نام تھا۔ سیتا پور کے پاس کوئی گاؤن تھا وہان کی رہنی والی تھی۔

اندھیرے مین تو اوسکی شکل دکھائی ندی جب حسب معمول دوسرے دن کھڑکی کھولی گئی تو اوسنے مجھکو دیکھا۔ مین نے اوسے دیکھا۔ گوری گوری تھی بہت خوبصورت۔ ناک۔ نقشہ۔ ڈیل ذرا چھریرا تھا۔

چوتھے دن اِس کال کوٹھری سے اوسکی رہائی ہوئی۔ مین وہین رہی پھر تنہائی نصیب ہوئی۔ دو ڈیڑھ دن اکیلی وہین رہی۔ تیسرے دن رات کے وقت دلاور خان اور پیر بخش نے مجھے آکے نکالا۔ اپنے ساتھ لے کے چلے۔ چاندنی رات تھی۔ پہلے ایک میدان سا ملا۔ پھر ایک بازار مین سے ہوکے گذرے۔ پھر ایک پُل پر آئے۔ دریا لہرین مار رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مین کانپی جاتی تھی۔ تھوڑی دور کے بعد پھر ایک بازار ملا۔ اُس سے نکل کے ایک تنگ گلی مین بہت دور تک چلنا پڑا۔ پاؤن تھک گئے۔ اِسکے بعد ایک اور بازار مین آئے۔ یہان بڑی بھیڑین تھین۔ راستہ مشکل سے ملتا تھا۔ اب ایک مکان کے دروازے پر پہونچے۔

مرزا رسوا صاحب آپ سمجھے یہ کون سا بازار تھا! یہ وہ بازار تھا جہان میری عزت فروشی کی دوکان تھی۔ یعنے چوک۔ اور یہ وہ مکان تھا جہان سے ذلت۔ عزت۔ بدنامی نیکنامی۔ زردروئی۔ سُرخروئی۔ جو کچھ دنیا مین مجھے ملنا تھا۔ ملا۔ یعنے خانم جان کا مکان۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تھوڑی دور پر زینہ تھا۔ زینے پر سے چڑھ کے اوپر گئی۔ مکان کے صحن مین سے ہو کے صدر دالان کے دہنی طرف ایک وسیع کمرے مین خانم جان کے پاس گئی۔

خانم صاحب کو آپ نے دیکھا ہوگا۔ اوس زمانے مین اوسکا سِن قریب پچاس برس کے تھا۔ کیا شاندار بڑھیا تھی۔ رنگ تو سانولا تھا۔ مگر ایسی بھاری بھرکم۔ جامہ زیب عورت دیکھی نہ سنی۔ بالون کے آگے کی لٹین بالکل سفید تھین۔ مگر اونکے چہرے پر بھلی معلوم ہوتی تھین۔ ململ کا دوپٹہ سفید کیسا باریک چُنا ہوا۔ کہ شاید و باید۔ اودے مشروع کا پاجامہ۔ بڑے بڑے پائنچے۔ ہاتھون مین موٹے موٹے سونے کے کڑے۔ کلائیون مین پھنسے ہوے۔ کانون مین سادی دو دو انتیان۔ لاکھ لاکھ بناؤ دیتی تھین

بسم اللہ کی رنگت آنکھ ناک۔ نقشہ ہو بہو اونھین کا سا تھا۔ مگر وہ نمک کہان۔ اسکی صورت خانم کی مجھے آج تک یاد ہے۔ پلنگڑی سے لگی ہوی قالین پر بیٹھی ہین۔ کنول روشن ہے۔ بڑا سا نقشی پاندان آگے کھلا ہوا رکھا ہے۔ پیچوان پی رہی ہین۔ سامنے ایک سانولی سی لڑکی (بسم اللہ جان) ناچ رہی ہے۔ ہمارے جانے کے بعد ناچ موقوف ہوا۔ سب لوگ کمرے سے چلے گئے۔ معاملہ تو پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔

خانم جان۔ یہی چھوکری ہے۔؟

دلاور خان۔ "جی ہان"

مجھے پاس بُلایا۔ چمکار کے بٹھایا۔ ماتھا اوٹھا کے صورت دیکھی۔

خانم جان۔ اَچھا پھر جو ہمنے کہدیا ہے وہ موجود ہے۔ اور وہ دوسری چھوکری کیا ہوئی۔؟

پیر بخش۔ اوسکا تو معاملہ ہو گیا۔

خانم۔ کتنے پر۔

پیر بخش۔ دو سو پر۔

خانم جان۔ اَچھا خیر۔ کہان ہوا۔

پیر بخش۔ "ایک بیگمصاحبہ نے اپنے صاحبزادے کے واسطے مول لیا ہے۔"

خانم جان۔ صورت شکل کی اچھی ہے۔ اسقدر ہم بھی دے نکلتے۔ مگر تمنے جلدی کی۔

پیر بخش۔ مین کیا کرون۔ مین نے تو بہت سمجھایا۔ میرے سالے نے نہ مانا۔

دلاور خان۔ صورت تو اسکی بھی اچھی ہے آگے آپ کی پسند۔

خانم صاحب۔ خیر آدمی کا بچہ ہے۔

دلاور خان۔ اَچھا جو کچھ ہے آپ کے سامنے حاضر ہے۔

خانم صاحب۔ "اَچھا تمھاری ہی ضد سہی" یہ کہہ کے حسینی کو آواز دی۔

حسینی ایک سانولی سی گدبدی اوھیڑ عورت سامنے آ کھڑی ہوئی۔

خانم جان۔ حسینی۔

حسینی۔ خانم صاحب۔

خانم جان۔ صندوقچہ لاؤ۔

حسینی گئی صندوقچہ لے آئی۔ خانم صاحب نے صندوقچہ کھولا۔ بہت سے روپیے گن کے دلاور خان کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ (بعد ازان معلوم ہوا کہ سوا سو روپیے تھے)۔ انہین سے کچھ روپیے پیر بخش نے گن کے اپنے رومال مین باندھے (سُنا ہے کہ پچاس روپیے) باقی دلاور خان مُردے نے اپنے ڈب مین رکھے۔ دونون سلام کر کرکے رخصت ہوے۔

اب کمرے مین خانم صاحب ہین۔ بوا حسینی ہین اور مین ہون۔

خانم صاحب۔ (حسینی سے)۔ حسینی یہ چھوکری اِتنے دامون کچھ مہنگی تو نہین معلوم ہوتی۔

حسینی۔ مہنگی۔ مین کہتی ہون سستی۔

خانم صاحب۔ سستی بھی نہین ہے۔ خیر ہوگا۔ صورت تو بھولی بھولی ہے۔ خدا جانے کسکی لڑکی ہے۔ ہائے مان باپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ خدا جانے کہان سے مُوے پکڑ لاتے ہین۔ ذرا بھی خوفِ خدا نہین۔ بوا حسینی۔ ہم لوگ بالکل بے قصور ہین۔ عذاب ثواب انہین مُوؤن کی گردن پر ہوتا ہے۔ ہمسے کیا۔ آخر یہان نہ بکتی کہین اور بکتی۔

حسینی۔ خانم صاحب یہان پھر اچھی رہیگی۔ آپ نے سنا نہین۔ بیویون مین لونڈیون کی کیا گتین ہوتی ہین۔

خانم صاحب۔ سنا کیون نہین۔ اَے ابھی اوسدن کا ذکر ہے۔ سنا تھا سلطان جہان بیگم نے اپنی لونڈی کو کہین میان سے بات کرتے دیکھ لیا تھا۔ سیخون سے داغ داغ کے مار ڈالا۔

حسینی۔ دنیا مین جو چاہین کر لین۔ قیامت کے دن ایسی بیویون کا مُنہ کالا ہوگا۔

خانم صاحب۔ مُنہ کالا ہوگا۔ جہنم کے گُندے پڑینگے۔

حسینی۔ خوب ہوگا۔ موئیون کی یہی سزا ہے۔ اسکے بعد بوا حسینی نے بڑی منت سے کہا۔ "بیوی۔ یہ چھوکری تو مجھے دیدیجیے۔ مین پالون۔ مال آپ کا ہے۔ خدمت مین کرونگی۔"

خانم صاحب۔ تمھین پالو۔

ابتک بوا حسینی کھڑی ہوی تھین۔ اِس گفتگو کے بعد میرے پاس بیٹھ گئین مجھسے باتین کرنے لگین۔

حسینی۔ بچی تو کہان سے آئی ہے۔

مین ۔(رو کے) بنگلے سے۔

حسینی (خانم سے) بنگلہ کہان ہے؟۔

خانم ۔ اے بچی کیا ننھی ہو۔؟ فیض آباد کو بنگلہ بھی کہتے ہین۔

حسینی ۔(مجھ سے) تمھارے ابّا کا کیا نام ہے؟۔

مین ۔ جمعدار۔

خانم ۔ تم بھی غضب کرتی ہو۔ بھلا وہ نام کیا جانے۔ ابھی بچہ ہے۔

حسینی ۔ اچھّا تمھارا نام کیا ہے۔

مین ۔ امیرن۔

خانم صاحب ۔ بھئی یہ نام تو ہمین پسند نہین۔ ہم تو امراؤ کہکے پکارینگے۔

حسینی ۔ سنا بچی امراؤ کے نام پر تم بولنا۔ جب بیوی کہین گی امراؤ۔ تم کہنا "جی"۔

اوسدن سے امراؤ میرا نام ہوگیا۔ تھوڑے دنون کے بعد جب مین رنڈیون کے سلک شمار مین آئی۔ لوگ امراؤ جان کہنے لگے۔ خانم صاحبہ مرتے دم تک امراؤ کہا کین۔ بوا حسینی امراؤ صاحب کہتی تھین۔

اسکے بعد بوا حسینی مجھے اپنی کوٹھری مین لیگئین۔ اچھّا اچھّا کھانا کھلایا۔ مٹھائیان کھلائین۔ مُنہ ہاتھہ دُھلایا۔ اپنے پاس سُلا رکھا۔

آج رات کو مین نے مان باپ کو خواب مین دیکھا۔ جیسے ابّا نوکری پر سے آئے ہین۔ مٹھائی کا دونہ ہاتھہ مین ہے۔ چھوٹا بھائی سامنے کھیل رہا ہے۔ اوسکو مٹھائی کی ڈلیان نکال کے دین۔ مجھے پوچھ رہے ہین۔ جیسے مین دوسرے دالان مین ہون۔ امّان باورچیخانے مین ہین۔ اتنے مین ابّا کو جو دیکھا دوڑ کے لپٹ گئی۔ رو رو کے اپنا حال کہہ رہی ہون۔ خواب مین اتنا روئی۔ اتنا روئی کہ ہچکیان بندھ گئین۔ بوا حسینی نے ہشیار کیا۔ آنکھہ جو کھُلی کیا دیکھتی ہون نہ وہ گھر ہے نہ دالان۔ ابّا ہین نہ امّان۔ بوا حسینی کی گود مین پڑی رو رہی ہون۔ بوا حسینی آنسو پوچھہ رہی ہین۔ چراغ روشن تھا مین نے دیکھا کہ بوا حسینی کے آنسو بھی برابر جاری ہین۔

واقعی بوا حسینی بڑی نیکذات عورت تھی۔ اوسنے مجھپر وہ شفقت کی کہ چندہی روز مین

مین اپنے مان باپ کو بھول گئی۔ اور بھولتی نہ تو کرتی کیا اول تو مجبوری دوسرے نئے سامان۔ نئے ڈھنگ۔ نئے رنگ۔ اچھے سے اچھّا کھانے کو۔ کھانے وہ جنکے ذائقے سے بھی مین آگاہ نہ تھی۔ کپڑے وہ جو مین نے کبھی خواب مین بھی نہ دیکھے تھے۔ تین لڑکیان۔ بسم اللہ جان۔ خورشید جان۔ امیر جان۔ ساتھہ کھیلنے کو۔ دن رات ناچ گانا۔ جلسے۔ تماشے۔ میلے۔ باغون کی سیر۔ وہ کون سا ایسا عیش کا سامان تھا جو مہیّا نہ تھا۔

مرزا صاحب آپ کہین گے کہ مین بڑے کڑے دل کی تھی کہ بہت ہی جلد اپنے مان باپ کو بھول کر کھیل کود مین پڑ گئی۔ اگرچہ میرا سن بہت کم تھا مگر خانم کے مکان مین آتے کے ساتھہ ہی میرے دل کو آگاہی سی ہوگئی کہ اب مجھے عمر یہین بسر کرنا ہے۔ جیسے نئی دولھن اپنی سسرال جاکے سمجھہ لیتی ہے کہ مین یہان ایک دو دن کے لئے نہین۔ بلکہ مرنے اور بھرنے کے لیے آئی ہون۔ ٹھیک وہی میرا حال تھا۔ راستے مین اون موے ڈکیتون کے ہاتھہ سے وہ ایذا اوٹھائی تھی کہ خانم کا مکان میرے لیے بہشت تھا۔ مان باپ کے ملنے کو مین بالکل ناممکن سمجھہ چکی تھی۔ اور جو چیز ناممکن سمجھہ لیجاتی ہے اوسکی آرزو باقی نہین رہتی۔ اگرچہ فیض آباد لکھنؤ سے صرف چالیس کوس ہے۔ مگر اوس زمانے مین مجھے بے انتہا دور معلوم ہوتا تھا۔ بچپن کی سمجھہ مین اور اب مین بڑا فرق ہوتا ہے۔

اِک حال مین انسان کی بسر ہو نہین سکتی

اب رنگ طبیعت کا بدل جائے تو اچھّا

مرزا رسوا صاحب۔ خانم کا مکان تو آپ کو یاد ہوگا؟ کس قدر وسیع تھا۔ کتنے کمرے تھے۔ اِن سب مین رنڈیان (خانم کی نوچیان) رہتی تھین۔ بسم اللہ (خانم کی لڑکی) خورشید میری ہم سنین تھین۔ اِنکی ابھی رنڈیون مین گنتی نہ تھی۔ اِن کے علاوہ دس گیارہ ایسی تھین۔ جو الگ الگ کمرون مین رہتی تھین۔ ہر ایک کا عملہ جدا تھا۔ ہر ایک کا دربار علیحدہ ہوتا تھا۔ ایک سے ایک خوبصورت تھی۔ سب گہنے پاتے سے آراستہ ہر وقت بنی ٹھنی۔ تولوان جوڑے پہنے۔ سادے سادے کپڑے جو ہم لوگ روزمرّہ پہنے رہتی تھی۔ وہ اور رنڈیون کو عید بقرعید مین نہین نصیب ہوتے۔ خانم کا مکان کیا تھا ایک ستان تھا۔

جس کمرے مین جاتکلو-سوائے ہنسی مذاق-گانے-بجانے کے کوئی اور چرچا تھا-اگرچہ مین کم سن تھی-مگر پھر بھی عورت ذات بڑی ہوشیار-ہوتی ہے-اپنے مطلب کی سب سمجھتی تھی-بسم اللہ-خورشید کو گاتے ناچتے دیکھ کے میرے دل مین خود بخود ایک امنگ سی پیدا ہوئی-بجائے خود گنگنانے اور تھرکنے لگی-اوسی عرصے مین میری بھی تعلیم شروع ہوگئی-میری طبیعت فنِ موسیقی سے بہت ہی مناسب پائی گئی-آواز بھی پکے گانے کے لائق تھی-سرگم صاف ہونے کے بعد اوستاد نے آستائی شروع کرادی-اوستادجی بہت ہی اصول سے تعلیم دیتے تھے-ہر ایک راگ کا سر بورہ زبانی یاد کرایا جاتا تھا-اور وہی گلے سے نکلواتے تھے-مجال نہ تھی کوئی سُر کومل سے اَت کومل-شدہ سے اشدہ یا تیور سے تیور تر ہو جائے-اور میری بھی حجتین کرنے کی عادت تھی-پہلے تو اوستادجی (خدا کرے اونکی روح نہ شرمندہ ہو) ٹال دیا کرتے تھے ایکدن خانم صاحب کے سامنے مین رام کلی گا رہی تھی-دھیوت شدہ لگا گئی-اوستاد جی نے ٹوکا-خانم صاحب نے پھر اوسی کو کہوایا-مین نے پھر اوسی طرح کہا-اوستادجی پھر نہ خبر ہوے-خانم صاحب نے میری طرف گھور کے دیکھا-مین اوستادجی کا منہ دیکھنے لگی-اوںھون نے سر جھکا لیا-پھر تو خانم نے اونکو آڑے ہاتھون لیا-

خانم-بھلا اوستادجی یہ کیا تھا-رام کلی مین اوچار دھیوت سے ہے اور وہی سُر ٹھیک نہین-مین آپ سے پوچھتی ہون-دھیوت کومل ہے یا شدہ-

اوستادجی-کومل-

خانم-اور چھوکری نے کیا کہا تھا!-

اوستادجی-شدہ-

خانم-پھر آپ نے ٹوکا کیون نہین-

اوستادجی-کچھ مجھے خیال نہین رہا-

خانم-واہ خیال کیون نہین رہا-اسی لئیے مین نے دوبارا کہوایا-پھر بھی آپ منہ مین گھنگھنیاں بھرے بیٹھے رہے-آپ اسی طرح چھوکریون کو تعلیم دیتے ہین-ابھی کسی سمجھدار کے سامنے اسی طرح گاتی تو وہ کیا میرے جنم مین تھوکتا-

اوستادجی اوسوقت تو بہت ہی خفیف ہوے-چُپ ہو رہے-مگر دل مین بات

لیے رہے-اوستادجی اپنے کو نانک سمجھتے تھے-اور تھے بھی ایسے ہی-اوسدن خانم کا ٹوکنا اونکو بہت ناگوار ہوا-

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مین سوہا گا رہی ہون-خانم بھی موجود ہین-مینے اوستاد جی سے پوچھا-گندھار اسمین کومل ہے یا اَت کومل-

اوستادجی-اَت کومل-

خانم-خانصاحب ماشاءاللہ-یہ میرے سامنے-

اوستادجی-کیون-

خانم-اور پھر آپ مجھی سے پوچھتے ہین کیون-سوہا مین گندھار اَت کومل ہے یا بھلا آپ تو کہئیے-

اوستادجی-کہنے لگے-گندھار کومل لگا گئے-

خانم-بس آپ ہی قائل ہو جیئے-خود آپ کومل کہین اور چھوکری کو اَت کومل بتائین-یا تو آپ چھوکری کو بہکاتے ہین-یا مجھے کستے ہین-خانصاحب مین کچھ عطائی نہین-خاک چاٹ کے کہتی ہون-گلے سے چاہے نہ ادا ہو-مگر اِن کانون نے کیا نہین سنا-مین بھی ایسے ویسے گھرانے کی شاگرد نہین ہون-میان غلام رسول کو آپ جانتے ہون گے-اِن باتون سے کیا فائدہ-اگر بتانا ہو تو دل سے بتائیے نہین تو معاف کیجئیے-مین اور کوئی بندوبست کر لون گی-چھوکریون کو غارت نہ کیجئیے-

اوستادجی-بہت خوب-

یہ کہہ کے اوٹھ گئے-کئی دن نہین آئے-خانم خود تعلیم دینے لگین-چندروز کے بعد خلیفہ جی بیچ مین پڑے-قسما قسمی ہو کے ملاپ ہو گیا-اوسدن سے اوستادجی ٹھیک ٹھیک بتانے لگے-بتاتے نہ تو کرتے کیا-وہ خانم کو اتنا نہ سمجھتے تھے-مجھے عمر بھر حیرت رہی کہ خانم زیادہ جانتی ہین یا اوستادجی-کیونکہ بہت سی باتین جو خانم سے معلوم ہوئین اوستادجی اونکو نہ بتا سکے تھے-یا جان بوجھ کے نہ بتاتے تھے-لاکھ قسمی قسما ہو چکی تھی-مگر پھر بھی یہ لوگ گر کی باتین نہین بتاتے-مجھے کچھ ایسا شوق ہو گیا تھا کہ جہان کسی بات مین شک ہوا-یا مین سمجھی کہ اوستادجی ٹالتے ہین-اوستادجی کے جانے کے بعد خانم صاحب سے پوچھ لیتی تھی-وہ بھی میرے اِس شوق سے بہت

ہی خوش ہوتی تھین - بسم اللہ کو لعنتیان دیا کرتی تھین - بسم اللہ پر بہت محنت ہوئی - مگر ٹپہ - ٹھمری - کے سوا کچھ منہ آیا - اسپر بھی لَے سے ہاتون ہین - خورشید کی آواز اچھی نہ تھی - صورت پری کی - اور گلا ایسا - جیسے پھٹا بانس - ہان ناچنے مین اچھی تھی - اور یہی اوسنے سیکھا بھی تھا - اوسکا مجرا صرف ناچ کا ہوتا تھا - یون گانے کو ایک آدھ چیز سیدھی سادی گا بھی دیتی تھین کہ گانے کا نام ہو جاے -

خانم کی نوچیون مین بیگا جان گانے مین فرد تھین - مگر صورت وہ کہ رات کو دیکھو تو ڈر جاؤ - سیاہ - جیسے اولٹا توا - اوسپر چیچک کے داغ - پاؤ بھر قیمہ بھر دو تو سما جاے - لال لال آنکھین - بھدّی ناک - بیچ مین سے پچکی ہوی - موٹے موٹے ہونٹھ - بڑے بڑے دانت - فربہ انتہا سے زیادہ - اوسپر ٹھنگنا قد - بونی ہتھنی کی لوگ پھبتی کہتے تھے - مگر قیامت کا گلا تھا - معلومات بہت اچھی تھی - مورچھنا اونھین کے گلے سے نکلتے سُنا - مین جب اونکے کمرے مین جا نکلتی - مارے فرمایشون کے دق کر دیتی تھی -

مین - باجی - ہان ذرا سرگم تو کہنا -
بیگا - سنو - سَ رِ گَ مَ پَ دَہ نِ -
مین - یہ مین نہین مانتی - سُرتیان الگ کر کرکے بتاؤ -
بیگا - لڑکی تو تو بہت ستاتی ہے - اپنے اوستاد جی سے نہین پوچھتی -
مین - اللہ باجی تمھین بتا دو -
بیگا - س - ر - گ - م - پ - دہ - نی - دیکھہ بائیس ہوئین -
۴ ۳ ۲ ۴ ۴ ۳ ۲
مین - (شرارت سے) اوہی - مین نے نہین گنین - پھر کہو -
بیگا - جا - اب نہین کہتی -
مین - واہ - مین تو کہوا کے چھوڑون گی -
بیگا - پھر وہی کہدیا - لے اب نہ ستا -
مین - ہان - ابھی گنین - نکہا دین دو ہین نہ ؟ -
بیگا - ہان دو -
مین - تو ٹھیک بائیس ہوئین - اچّھا - لے اب تینون گرام کہدو -

بیگا - لے اب ٹہلیئے - کل آیے گا -
مین - اچّھا - طنبورہ اوٹھا لاؤن - کچھ گاؤ -
بیگا - کیا گاؤن ؟
مین - دھنا سری -
بیگا - کیا گاؤن - آستائی - دُھرپد - ترانہ ؟
مین - اللہ باجی دُھرپد گاؤ -
بیگا - لے سُن -

تن کی تپت تب ہی مٹے - جب پیارے کو درشت بھر دیکھون گی -
جب درشن پاؤنگی اونکو تب ہی جی جنم اپنا لیکھون گی -
اشٹ جام دھیان موہے واکو رہت ہے رے نجانون کب درشن ہونگی
جو کو ہو پربھو پیارے سے ملادے واکے پاین مین سیس ٹیکون گی -

خانم جان کی نوچیون کو صرف ناچ گانے کی تعلیم نہین دیجاتی تھی - بلکہ لکھنے پڑھنے کے لیئے مکتب بھی تھا - مولویصاحب نوکر تھے - حسب دستور مین بھی مکتب مین بھیجی گئی - مولویصاحب کا نورانی چہرہ - سفید کتروان داڑھی - صوفیانہ لباس - ہاتھ مین عمدہ عمدہ فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیان - خاکِ پاک کی تسبیح - اوسمین سجدہ گاہ بندھی ہوئی - ہرونی کی جریب - چاندی کی شام - بہت ہی نفیس ڈیڑھ خمہ حقہ - افیون کی ڈبیہ - پیالی غرضکہ جملہ تبرکات آج تک نظر مین ہین - کیا ستھرا مذاق تھا - وضعدار بھی ایسے کہ کسی زمانے مین بوا حسینی سے حسب اتفاق کچھ رسم ہو گیا تھا - آج تک اوسے نباہے جاتے تھے - بوا حسینی بھی اونھین دین دنیا کا خوہر سمجھتی تھین - بڑھیا بڈھون مین اس مزے کی باتین ہوتی تھین کہ جوانون کو حوصلہ ہوتا تھا - مکان کہین زیدپور کی طرف تھا - گھر پر خدا کا دیا گاؤن - گرانون - مکان - بیوی - جوان - جوان لڑکے - لڑکیان سب کچھ موجود تھا - مگر خود جب سے لکھنؤ مین تحصیل علم کے لیئے تشریف لاۓ - یہین رہے - شاید ہی دو چار مرتبہ گئے ہونگے - اکثر عزیز ملنے کو یہین چلے آتے تھے - گھر سے کبھی کبھی کچھ روپیہ بھی آیا کرتا تھا - دس روپے خانم صاحب دیتی تھین - یہ سب بوا حسینی کو ملتا تھا

کھانے۔ پینے۔ حقہ۔ افیون۔ کی تاک بوا حسینی لیتی تھین۔ جو بلدار بھی بوا حسینی تھین۔ کپڑا بوا حسینی بنوا دیتی تھین۔ خانم صاحب بھی مولویصاحب کو بہت مانتی تھین۔ بلکہ مولویصاحب کی وجہ سے بوا حسینی کی عزت کرتی تھین۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میری پرورش بوا حسینی نے اپنے ذمے لی تھی۔ اِسلیئے مجھپر مولوی صاحب کی توجہ خاص تھی۔ یہ تو مین اپنی زبان سے نہین کہہ سکتی کہ مجھے کیا سمجھتے تھے۔ پاس ادب مانع ہے۔ اور لڑکیون سے زیادہ مجھپر تاکید تھی۔ مجھ ایسی کندہ ناتراش کو اونھون نے آدمی بنایا۔ یہ اونھین کی جوتیون کا صدقہ ہے کہ جس امیر رئیس کی محفل مین گئی حیثیت سے زیادہ میری عزت ہوئی۔ اونھین کی بدولت آپ ایسے لائق فائق صاحبون کے جلسون مین مُنہ کھولنے کی جراءت ہوی۔ شاہی درbارون مین شرکت کا فخر حاصل کیا۔ اعلےٰ درجے کی بیگماتکے محل مین گذر ہوا۔

مولویصاحب نے بہت ہی شفقت سے مجھے پڑھایا تھا۔ الف بے ختم ہونے کے بعد کریما۔ مامقیمان۔ محمود نامہ۔ صرف روان پڑھاکے۔ آمدنامہ یاد کروا دیا۔ اِسکے بعد گلستان شروع کرا دی۔ دو سطرین پڑھاتے تھے۔ سبق حفظ کرایا جاتا تھا خصوصاً اشعار۔ لفظ لفظ کے معنے۔ فقرے فقرے کی ترکیب نوکِ زبان تھی۔ لکھنے پڑھنے پر بھی محنت لی۔ اِملا درست کرایا گیا۔ خط لکھوائے گئے۔ گلستان کے بعد اور کتابین فارسی کی پانی ہو گئی تھین۔ سبق اِسطرح ہوتا تھا۔ جیسے آموختہ پڑھایا جاتا ہے۔ عربی کی صرف نحو اور دو ایک رسالے منطق کے پڑھے۔ سات آٹھ برس مولویصاحب کے پاس پڑھتی رہی۔ شاعری کے شوق کی ابتدا اور انتہا سے آپ خود واقف ہین اوسکے بیان کی کوئی ضرورت نہین۔

ہم نہین اونمین جو پڑھ لیتے ہین طوطے کی طرح
مکتبِ عشق و وفا تجربہ آموز بھی تھا

مکتب مین مجھ سمیت تین لڑکیان تھین۔ اور ایک لڑکا تھا۔ گوہر مرزا۔ حد کا شریر۔ اور بدذات۔ سب لڑکیون کو چھیڑا کرتا تھا۔ کسی کا مُنہ چڑھا دیا۔ کسی کے چٹکی لے لی۔

اوسکی چوٹی پکڑ کے کھینچ لی۔ اوسکے کان اینٹھ دیئے۔ دو لڑکیون کی چوٹی ایک مین جکڑ دی۔ کہین قلم کی نوک توڑ ڈالی۔ کہین کتاب پر دوات اولٹ دی۔ غرضکہ اوسکے مارے ناک مین دم تھا۔ لڑکیان بھی خوب ہی دھپیاتی تھین۔ اور مولویصاحب بھی قرار واقعی سزا دیتے تھے۔ مگر وہ اپنی آنی سے بانی سے نہ چوکتا تھا۔ سب سے بڑھ کے میری گت بناتا تھا۔ کیونکہ مین سب مین دُبلی اور بگلی سی تھی۔ اور مولویصاحب کے دباؤ مین بھی رہتی تھی۔ مین نے بھی مولویصاحب سے کہہ کہہ کے اکثر مار پڑوائی۔ مگر بے غیرت کسی طرح باز نہ آیا۔ آخر مین ہی چُلیان کھاتے کھاتے عاجز آ گئی۔ میری فریاد پر مولویصاحب اوسکو بہت ہی بیدردی سے سزا دیتے تھے کہ خود مجھے ترس آ جاتا تھا۔

گوہر مرزا کے اِس مکتب مین آنے کا سبب بھی بوا حسینی تھین۔

نواب سلطان علیخان ایک بڑے عالیخاندان رئیس تھے۔ توپ دروازے مین رہتے تھے۔ اون سے اور بنّو ڈومنی سے رسم تھا۔ اونھین سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اگرچہ بنّو سے اور نوابصاحب سے اب ترک ملاقات ہوے مدت گذر گئی تھی۔ مگر دس روپے ماہ بماہ لڑکے کی پرورش کے لیئے دیے جاتے تھے۔ اور بیگمصاحب سے چوری چھپے کبھی کبھی بُلا کے دیکھ بھی لیا کرتے تھے۔ بنّو قاضی کے باغ کی رہنے والی تھی۔ وہین بوا حسینی کے بھائی کا گھر تھا۔ کھڑکی درمیان تھی۔ گوہر مرزا بچپنے ہی سے ذاتِ شریف تھے۔ تمام محلے کا ناک مین دم کر رکھا تھا۔ کسی کے گھر مین ڈھیلا پھینک دیا۔ کسی لڑکے کی کنکیّا چھین لی۔ کسی کی مرغی کی ٹانگین توڑ دین۔ کسی لڑکے سے چرکوؤن کا پنجرا دیکھنے کو مانگا اوسنے دے دیا۔ آپ نے کھڑکی کی تیلی کھولدی سب چرکوے پھُر سے اوڑ گئے۔ غرضکہ طرح طرح کے آزار دیتے تھے۔ آخر مان نے عاجز ہو کر محلے کی مسجد مین ایک مولوی صاحب کے پاس بٹھا دیا۔ یہان بھی آپنے اپنے ہتکنڈے نچھوڑے۔ تمام ہم مکتب لڑکون کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اوسکے کرتے مین مینڈک چھوڑ دیا۔ اوسکی ٹوپی پھاڑ ڈالی۔ ایک لڑکے کی جوتی اوٹھا کے کنوئین مین ڈالدی۔ ایکدن مولویصاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت نے اونکا نیا چڑھوان جوتا حوض مین تیرا دیا۔ خود بیٹھے سیر دیکھ رہے ہین۔ اتنے مین کہین مولوی صاحب سر پر پہونچ گئے۔ اب تو گوہر مرزا کی خوب ہی مرمت ہوئی۔ مولویصاحب نے مارے طمانچون کے مُنہ لال کر دیا۔ اور کان پکڑے ہوئے بنّو کے گھر پر آئے۔ دروازے پر سے پکار کے کہا۔ "لو صاحب اپنا لڑکا لو ہم اب نہ پڑھائین گے۔" یہ کہکے مولویصاحب

تو اودھر گئے۔ گوہر مرزا مظلوم صورت بنائے روتا ہوا گھر مین آیا۔ اوسوقت اتفاق سے بوا حسینی بنّو سے بیٹھی باتین کر رہی تھین۔ لڑکے کا جو یہ حال دیکھا۔ آپ کو بہت ہی ترس آیا۔ لڑکے کے کرتوتون سے تو آگاہ نتھین۔ مولویصاحب کو بُرا بھلا کہنے لگین۔

بوا حسینی۔ "اَئے بنّے۔ مولوی کا ہے کو مُوا قصائی ہے۔ لڑکے کا مُنہ مارے طمانچون کے سُجا دیا۔ اَے لو۔ کان بھی تو لہو لہان کر دیئے۔ نابی بی ایسے مولوی سے کوئی تو نَج پڑھوائے۔ آخر ہمارے مولویصاحب بھی تو پڑھاتے ہاین۔ کیسا چمکار کے دلار سے پڑھاتے ہاین۔" بنّو نے چھوٹتے ہی کہا۔ "پھر بوا حسینی اِسکو بلا سے اپنے مولوی صاحب ہی کے پاس لیجاؤ۔

بوا حسینی۔ میرے تو جاؤن۔ مگر دور بہت ہے۔"

بنّو۔ تمھارے بھائی کے ساتھ صبح کو بھجوا دیا کرونگی۔ شام کو بُلوا لیا کرونگی۔

بوا حسینی۔ اچھا۔ تو بھجوا دیا کرو۔

مولوی صاحب سے کچھ پوچھنا نہ تھا۔ اِسلیئے کہ بوا حسینی کو اپنی حُسنِ خدمت پر پُورا بھروسا تھا جانتی تھین کہ مولویصاحب انکار تو کرینگے نہین۔

دوسرے دن علی بخش (بوا حسینی کے بھائی کا نام تھا) گوہر مرزا کو ساتھ لیئے مٹھائی کا خوان سر پر رکھے بوا حسینی کے پاس پھونچے۔ بوا حسینی نے خوشی خوشی مٹھائی تقسیم کی۔ لڑکے کو مولوی صاحب کے پاس بٹھا دیا۔

گوہر مرزا سب سے زیادہ مجھی کو ستاتا تھا۔ دن رات داد بیداد کا غُل رہتا تھا۔ مولویصاحب نے اوسکو بہت بہت مارا۔ مگر اوسنے مجھے ستانا نہ چھوڑا۔ اِسی طرح کئی برس گذر گئے۔ آخر میری اوسکے صلح ہوگئی۔ یا یون کہیے کہ مین اوسکے ستانے کی خوگر ہوگئی۔

گوہر مرزا کے اور میرے سن مین کچھ ہی فرق ہوگا۔ شاید وہ مجھسے دو ایک سال بڑا ہو جسن زمانے کا حال لکھ رہی ہون۔ میرا سن کوئی تیرہ برس کا ہوگا۔ اور گوہر مرزا کو چودھوان پندرھوان سال تھا۔

گوہر مرزا کے ستانے سے اب مجکو مزا آنے لگا تھا۔ اوسکی آواز بہت اچھی تھی۔ ڈومنی کا لڑکا تھا۔ قدرتی لے دار۔ بتانے مین مشاق۔ بوٹی بوٹی پھڑکتی تھی۔ اِدھر مین گئے۔ سُر سے آگاہ۔ جب مولوی صاحب مکتب مین ہوتے تھے۔ خوب جلسا ہوتا تھا۔ کبھی مین گانے لگی وہ بتانے لگا

کبھی وہ گا رہا ہے مین تال دے رہی ہون۔ گوہر مرزا کی آواز پر اور رنڈیان بھی فریفتہ تھین۔ ہر ایک کمرے مین بلایا جاتا تھا۔ اوسکے ساتھ میرا جانا بھی ایک ضروری بات تھی کیونکہ بغیر میری اوسکی سنگت کے لطف نہ آتا تھا۔

سب سے زیادہ امیرجان اوسکے گانے پر غش تھین۔ مرزا صاحب آپ کو امیرجان یاد ہونگی

رسوا۔ یاد ہاین۔ کہے جاؤ۔

امیرجان کا وہ زمانہ جب وہ مفتخر الدولہ بہادر کی ملازم تھین۔ اللہ رے جوبن کے ٹھاٹھ وہ اوٹھتی ہوئی جوانی۔

کُھلتی کُھلتی وہ چمپئی رنگت ؎
بھُولی بھُولی وہ موہنی صورت ؎
بانکی بانکی آدائین ہوشربا
ترچھی ترچھی نگاہاین قہرِ خدا
بوٹا سا قد۔ چھریرا بدن۔ نازک ہاتھ پاؤن۔

رسوا۔ اب تو مین نے جب اونکو دیکھا ہے۔ انگلی پر نچانے کے لائق تھین۔ ایسی بُری صورت ہوگئی تھی کہ دیکھا نہین جاتا تھا۔

امراؤ۔ کہان دیکھا تھا۔

رسوا۔ اونھین کے گھر مین دیکھا تھا۔ جنکے کمرے کے سامنے ایک شاہ صاحب گیروے کپڑے پہنے ہزار دانے کی تسبیح ہاتھ مین لیئے کھڑے رہتے تھے۔ اودھر سے جو نکلتا تھا اونکو سلام کر لیتے تھے۔ کبھی کسی سے سوال نہین کرتے تھے۔

امراؤ۔ سمجھ گئی۔ وہ شاہ صاحب اونکے عاشقون مین تھے۔

رسوا۔ جی ہان۔ کیا مین نہین جانتا۔

امراؤ۔ اچھا تو اب وہین رہتی ہاین۔

رسوا۔ اونکی مصاحبت مین ہین۔

امراؤ۔ اور اونکا حال کیا ہے۔

رسوا۔ وہ ایک حکیمصاحب پر مرتی ہاین۔

امراؤ۔ کون حکیم صاحب؟"

رسوا- آپ نہین جانتین- نام بھی بتا دونگا تو آپ نہ سمجھین گی- پھر کیا فائدہ-

امراؤ- خیر- کچھ تو پتا دیجیے- مین سمجھ جاؤنگی-

رسوا- وہ نخاس-------

امراؤ- خوب جانتی ہون- یہی امیرجان اوس زمانے مین ایسی تھین کہ لوگ اِن کو ایک نظر دیکھنے کی آرزو کرتے تھے- مزاج مین وہ تمکنت تھی کہ ایسے ویسون کا ذکر تو کیا ہے اچھے اچھون کی دعا نہین قبول ہوتی تھی- ٹھاٹھ بھی ایسے ہی تھے- چار چار مہریان ساتھ ایک گردگردی لیے ہے- ایک کے ہاتھ مین پنکھیا ہے- ایک لٹیا لیے- ایک کے پاس خاصدان ہے- خدمتگار وردیان پہنے سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے ہین-

امیرجان گوہرمرزا کے گانے پر غش تھین- خود گانا وانا جانتی نہین تھین- مگر گانا سُننے کا بڑا شوق تھا-

گوہرمرزا بچپنے ہی سے رنڈیون کا کھلونا تھا- ہر ایک اوس پر دم دیتی تھی- صورت شکل بھی پیار کرنے کے قابل تھی- رنگ تو کسی قدر سانولا تھا- مگر ناک نقشہ قیامت کا پایا تھا اوس پر نمک اور جامہ زیبی- شوخی- شرارت- کوئی بات ———

رسوا- کیون نہ ہو- کس ماں کا بیٹا تھا-

امراؤ- آہاہ- تو کیا آپنے تو کو بھی دیکھا تھا-

رسوا- (مسکرا کے) "جی ہان- آپ یہی قیاس کرتے مجھے-

امراؤ- مرزا صاحب آپ کے مذاق بھی کیا درپردہ ہوتے ہین-

رسوا- خیر- آپ نے تو پردہ فاش کر دیا-

امراؤ- تو اَچھا- اب تھوڑی دیر مذاق ہی رہے- میری سرگذشت کو آگ لگائیے

رسوا- مذاق کے لیے شب بھر باقی ہے- آپ اپنا قصّہ کہیے-

امراؤ- دیکھیے دوسری ہوی- اچھا سُنیے-

صبح سے دس گیارہ بجے تک تو مولوی صاحب کے پاس سے کسیکی مجال تھی کہ دم بھر کو کہین کھِسک جاے- اِسکے بعد مولوی صاحب خاصہ کھانے جاتے تھے- اوسوقت تک ہمکو فرصت ملتی تھی- پھر ایک ایک کمرہ ہے اور ہم ہین- آج امیرجان کے پاس کل جعفری کے کمرے مین- پرسون بتّن کے ہان- پھر جہان جاؤ- خاطر- مدارات- میوہ-

مٹھائیان- حقہ- پان-

رسوا- آپ بچپنے ہی سے حقہ پیتی ہین-

امراؤ- جی ہان گوہرمرزا کی دیکھا دیکھی مجھے بھی ہوس ہوئی تھی- تمتو تیہ پیتی تھی پھر تو نگوڑی لت ہو گئی-

رسوا- گوہرمرزا صاحب تو چنڈو بھی پیتے تھے- عجب نہین آپنے اِسمین بھی اونکی ہوس کی ہو-

امراؤ- خدا نے اِس سے تو آجتک بچایا- مگر ہان افیون کی قسم نہین کھاتی- وہ بھی اب شروع کی ہے- کربلاے معلےٰ سے آنے کے بعد- نزلے کی شدت ہوی- آئے دن نزکام رہتا تھا- حکیمصاحب نے کہا- افیون کھاؤ- کھانے لگی-

رسوا- اور وہ چیز نزلے کی روکنے والی-

امراؤ- اب اوسکا ذکر نہ کیجیے-

رسوا- تو کیا تائب ہو گئین-

امراؤ- مدت سے-

رسوا- واقعی کمبخت کیا بُری چیز ہے- اپنا تو یہ حال ہے-

بعد توبہ کے بھی ہے دل مین یہ حسرت باقی +
دے کے قسمین کوئی اِک جام پلا دے ہمکو +

اُمراؤ- ہائے کیا شعر کہا ہے- مرزا صاحب قسمین دلانے کو تو مین موجود ہون- پینے نہ پینے کا آپ کو اختیار ہے-

رسوا- آپ بھی شغل کیجیے گا ؟

امراؤ- توبہ !-

رسوا- توبہ !-

ابر بھی ہے ہوائے سرد بھی ہے
پھر وہ یادش بخیر یاد آئی

امراؤ- لے بس اب طبیعت کو روکیے- جمائیان آنے لگین- لِللہ اِس ذکر کو جانے دیجیے-

رسوا- جانے دیجیے-

امراؤ- مذاق سے بھی معاف رکھیۓ-

اب نہ ہم مُنہ لگائینگے اوسکو
یاد آئی تو خیر یاد آئی ؎

رسوا- واللہ- امراؤ جان کیا شعر کہا ہے-

امراؤ- تسلیم-

دیکھکر مشہدِ آدا اونکو ؎
لالہ و گل کی سیر یاد آئی،

رسوا- ماشاءاللہ- طبیعت زورون پہ ہے- کیون نہو- عالمِ شباب کے ذکر کی یہ تاثیر

امراؤ- جی نہین- شراب کے ذکر کی یہ تاثیر ہے-

زاہدو آج ہمکو پھر وہ شۓ ؎
جس سے ہے تمکو بیَر یاد آئی ؎

رسوا- اہاہا- کیا قافیہ نکالا ہے- اور کہا بھی خوب-

کعبے سے پھر کے ہم ہوۓ گمراہ
پھر وہی راہِ دَیر یاد آئی ؎

امراؤ- اے کیا کہنا- یہ "کعبے سے پھر کے" کیا خوب کہا-
مرزا صاحب اِسے مطلع نہ کر دیجیے-

پھر کے کعبے سے سیر یاد آئی
پھر ہمین راہِ دَیر یاد آئی ؎

رسوا- خاصہ-

امراؤ- روشِ وحش و طیر یاد آئی
دشتِ وحشت کی سیر یاد آئی

رسوا- یہ بھی مطلع بُرا نہین ہے-

امراؤ- یہ شعر ملاحظہ ہو-

ہمکو بنتِ العنب سے شکوہ ہے
کیون ہمین اوس بغیر یاد آئی

رسوا- مین تو کہتا ہون کہ طبیعت آج جودت پر ہے- اچھا یہ شعر سن لیجیے- اور پھر اپنا قصہ دوہرانا شروع کیجیے-

ہوا بھی ابر بھی گلزار بھی شراب بھی ہو
یہ سب تو ہو مگر اگلا سا وہ شباب بھی ہو

اُمراؤ- واہ مرزا صاحب آپ نے تو دل ہی مردہ کر دیا- خیر- آمدم بر سرِ مطلب-
اسی طرح سے کئی برس میری زندگی کے خانم کے مکان پر گذرے- اِس درمیان مین کوئی ایسا واقعہ نہین گذرا جس کا بیان ضروری ہو-
ہان خوب یاد آیا- بسم اللہ کی مِسّی بڑے دھوم دھام سے ہوئی- میری آنکھون کے دیکھتے شاہی سے لیکر اب تک پھر وہ ویسی مسی نہین ہوئی- دلارام کی بارہ دری اس جلسے کے لیے سجی گئی تھی- اندر سے باہر تک روشنی تھی- شہر کی رنڈیان- ڈوم- ڈھاڑی- کشمیری- بھانڈ- سب تو تھے ہی- دُور دُور سے ڈیرہ دار طوائفین بُلائی گئی تھین- بڑے نامی گوّیے دلی تک سے آئے تھے- سات دن رات گانے بجانے کی صحبت رہی- خانم نے جیسا دل کھول کے حِصّے تقسیم کیے ہین اوسکا آج تک شہرہ ہے- بسم اللہ- خانم کی اکلوتی لڑکی تھی جو کچھ ہوتا کم تھا- نواب چھبن صاحب نے اپنی دادی نواب عمدۃ الخاقان بیگم کا ورثہ پایا تھا- بہت ہی کمسن نواب زادہ تھا- خانم نے خدا جانے کن ترکیبون سے کَپّا مارا- بیچارہ پھنس ہی تو گیا- پچیس تیس ہزار روپیہ نواب صاحب کے اِس جلسے مین خرچ ہوے- اِسکے بعد بسم اللہ نواب صاحب کی ملازم ہوئین- دم ہوش چاہتے تھے-
مرزا رسوا صاحب جو باتین آپ مجھسے پوچھتے ہین اونکا میری زبان سے نکلنا سخت مشکل ہے یہ سچ ہے کہ رنڈیان بہت بیباک ہوتی ہین- مگر اِس بیباکی کا ایک زمانہ خاص ہوتا ہے- سن کا تقاضا بھی کوئی چیز ہے- جوشِ جوانی کی وجہ سے جو باتین اپنی حد سے گذر جاتی ہین سن سے اوترکر اونمین کمی ضرور ہونا چاہیے- تاکہ اعتدال قائم رہے- آخر رنڈیان عورت ذات ہین- اِن باتون کے پوچھنے سے آپ کو کیا فائدہ؟

رسوا- کچھ تو فائدہ ہے جو مین اصرار کر کے پوچھتا ہون- اگر آپ خواندہ نہوتین تو آپ کے یہ سب عذر قابل سماعت ہوتے- پڑھے لکھون کو ایسی بیجا شرم نہین چاہیے-

امراؤ- اوہی! تو کیا پڑھنے لکھنے سے آنکھون کا پانی ڈھل جاتا ہے- یہ آپ نے خوب کہی-

رسوا- اچھا اچھا تو آپ ایسے فضول باتون سے میرا وقت نہ ضائع کیجیے۔

امراؤ- کہین کسی اخبار مین نہ چھپوا دیجیے گا۔

رسوا- اور آپ کیا سمجھی ہین ---؟

امراؤ- ہائے فضیحت! توبہ کیجیے- مجھے بھی آپ اپنی طرح رسوا کرینگے۔

رسوا- خیر اگر میرے ساتھ آپ رسوا ہونگی تو کوئی ایسی قباحت نہین ہے۔

رسوا سے کیون ملے ہو محبت جتا کے تم
چھوڑونگا اب نہ مین تمھین رسوا کیے بغیر

امراؤ- نوج- آپ سے کوئی محبت کرے۔

زاہد سے گفتگو ہو کہ ناصح سے بحث ہو
بنتی نہین ہے ذکر کسی کا کیے بغیر

رسوا- کسکا شعر ہے!

امراؤ- یہ آپ مجھسے کیون پوچھا کرتے ہین۔

رسوا- ہان سمجھا- تو یہ کہیے آپ نے بھی یہ غزل سنی ہے۔

امراؤ- جاتے ہین جان بیچ کے بازار عشق مین
ہم آئینگے نہ حسن کا سودا کیے بغیر

رسوا- اور وہ شعر یاد ہے۔ "تقاضا کیے بغیر"

امراؤ- وعدہ ہو یا کہ قول وہ ایسے ہین ناد ہند
ملتا نہین کچھ اون سے تقاضا کیے بغیر

رسوا- اور کوئی شعر یاد ہے۔

امراؤ- اور تو کوئی یاد نہین آتا۔

رسوا- یہ تو بہت بڑی غزل تھی- دیکھنا کہین نقل پڑی ہو تو مجھے دکھانا۔

امراؤ- اونھین سے نہ منگوا لو۔

رسوا- خود جا کے لکھ لاؤن تو ممکن ہے۔ وہ تو ہرگز نہ لکھین گے۔

امراؤ- یہ بھی کوئی بات ہے!۔

رسوا- جی ہان- آپ کو نہین معلوم- مسودے کے سوا غزل صاف کرنے تک کی قسم ہے

امراؤ- اچھا- ایکدن ہم آپ دونون چلین- ہان ایک شعر اور یاد آیا۔

ہر چند اسمین آپ ہی بدنام کیون نہون
باز آئینگے نہ وہ مرا چرچا کیے بغیر

اور سنیے۔

غیرون کو ہے ستم کے تقاضے کا حوصلہ
چھوڑینگے یہ نہ عشق کو رسوا کیے بغیر

رسوا- میری بھی غزل اسی طرح مین تھی- مگر خدا جانے کیا ہوئی- صرف وہ مقطع یاد رہگیا تھا

امراؤ- مقطع پھر سنایے- کیا خوب کہا ہے۔

رسوا سے کیون ملے ہو محبت جتا کے تم
چھوڑونگا اب نہ مین تمھین رسوا کیے بغیر

امراؤ- واقعی خوب کہا ہے مگر اسمین آپ کے تخلص نے خاص لطف دیا۔

رسوا- تخلص کا ذکر نہ کیجیے- ایک عنایت فرما کی عنایت سے شہر مین اب کئی رسوا موجود ہین۔ لوگ خواہ مخواہ اپنے اچھے خاصے تخلص چھوڑکے رسوا ہوئے جاتے ہین-- وہ تو کہیے میرا نام نہین جانتے نہین تو کیا عجب ہے لوگ نام بھی بدل ڈالین- مگر مین تو خوش ہون اسلیے کہ انگریزی رسم کے موافق باپ بیٹون کا نام ایک ہی ہوتا ہے- یہ سب میرے روحانی فرزند ہین- جس قدر نسل ترقی کریگی میرا نام روشن ہوگا۔

رسوا- لے اب ٹالیے نہ- جو کچھ مین نے پوچھا ہے وہ تو کہنا ہی پڑے گا۔

امراؤ- کیا زبردستی ہے- کیا بے شرمی کی باتین آپ پوچھتے ہین ؟!"

رسوا- بیاہ براتون مین گالیان گانے سے زیادہ بے شرمی نہو گی۔

امراؤ- آپ کے لکھنؤ مین تو رنڈیان گالیان نہین گاتین- ڈومنیان البتہ گاتی ہین- وہ بھی عورتون مین- دیہات مین رنڈیون کو گانا پڑتی ہین مردون مین- واقعی مرزا صاحب شہر ہو یا دیہات- یہ رسم تو کچھ اچھا نہین ہے۔

رسوا- آپ کے کہنے سے اچھا نہین ہے ہمنے اپنی ان آنکھون سے دیکھا ہے اور ان کانون سے سنا ہے اچھے اچھے شریف مرد آدمی عورتون مین گھس کے شوقیہ گالیان

سنتے ہین۔ مان بہنین ٹپی جارہی ہین۔ اور یہ خوش ہین کہ آنکھین کھلی جاتی ہین۔ آج خدا نے یہ دن دکھایا۔ کاش خدا یہ دن نہ دکھاتا!۔ اسکے علاوہ برات کی رات بھر اور صبح کی جو بیہودگیان باعصمت بہوبیٹیون مین ہوتی ہین۔ اونکا ذکر بھی فحش سے خالی نہین۔ چوتھی کی شام کو جو دھینگا مشتی اکثر نامحرم مرد اور بے باک عورتون مین ہوتی ہے اوسکا ذکر ہی کیا۔ خیر اِن باتون کو رہنے دیجیے۔ اپنی بیتی کہیے۔ ہم کوئی مُصلحِ قوم نہین جو اِن باتون پر نکتہ چینی کرین۔

امراؤ۔ آپ نہ مانیے گا۔ لے سنیے۔

جب سے بسم اللہ کی مِسّی ہوی اور خورشید جان اور امیر جان کے کارخانے دیکھے میرے دل مین ایک خاص قسم کی اُمنگ پیدا ہوی۔ مینے دیکھا کہ ایک خاص رسم ہے جس سے مین بالکل ناواقف تھی۔ کے ادا ہونے کے بعد بسم اللہ سے بسم اللہ جان اور خورشید سے خورشید جان ہوگئین۔ بے باکی کی سند حاصل ہوگئی۔ آزادی کا خلعت مِل گیا۔ اب یہ لوگ مجھسے علٰحدہ سے ہوگئے۔ مین اونکی نگاہون مین حقیر سی معلوم ہوتی تھی۔ وہ مردون کے ساتھ بے تکلف ہنسی مذاق کرنے لگی تھین۔ اونکے کمرے جدا جدا سجا دیے گئے تھے۔ نواڑ سے پلنگ دوڑیون سے کسے ہوئے۔ فرش پر ستھری چاندنی کھنچی ہوی۔ بڑے بڑے نقشی پاندان مغابہ۔ حسن دان۔ خاصدان۔ اوگالدان۔ اپنے اپنے قرینون سے رکھے ہوے۔ دیوارون پر جلتی آئینے۔ عمدہ عمدہ تصویرین۔ چھت مین چھت گیریان لگی ہوئین۔ جسکے درمیان ایک مختصر سا جھاڑ۔ اِدھر اودھر عمدہ ہانڈیان۔ سرِشام سے دو کنول روشن ہو جاتے ہین۔ دو دو مہریان۔ دو دو خدمتگار۔ ہاتھ باندھے کھڑے ہین۔ خوبصورت۔ نوجوان رئیس زادے ہر وقت دل بہلانے کو حاضر۔ چاندی کی گڑگڑی مُنہ سے لگی ہوئی ہے۔ سامنے پاندان کھلا ہوا ہے۔ ایک ایک کو پان لگا کے دیتی جاتی ہین۔ چہلین ہوتی جاتی ہین۔ اوٹھتی ہین تو لوگ بسم اللہ کہتے ہین۔ چلتی ہین تو لوگ آنکھین بچھائے دیتے ہین۔ ہین کہ کسی کی پرواہی نہین کرتین۔ جو ہے اونھین کے حکم کا تابع ہے۔ حکومت بھی وہ کہ زمین آسمان ٹلجائے اِنکا کہنا نہ ٹلے۔ فرمائشون کا تو ذکر ہی کیا۔ بن مانگے لوگ کلیجے نکال نکال کے دئے دیتے ہین۔ کوئی دل ہتیلی پر رکھے ہوے ہے۔ کوئی جان قربان کرتا ہے یہان کسی کی نذر ہی نہین قبول ہوتی۔ کوئی بات نظر مین نہین سماتی۔ بے پروائی یہ کہ

کوئی جان بھی دے دے تو اِن کے نزدیک کوئی مال نہین۔ غرور ایسا کہ ہفت اقلیم کی سلطنت اِنکی ٹھوکر پر ہے۔ ناز وہ جو کسی سے اوٹھایا نجائے۔ مگر اوٹھانے والے اوٹھاتے ہین۔ انداز وہ جو مار ہی ڈالے۔ مگر مرنے والے مری جاتے ہین۔ اِدھر اِسکو رولا دیا۔ اودھر اوسے ہنسا دیا۔ کسی کے کلیجے مین چٹکی لے لی۔ کسی کا دل تلوون سے مل ڈالا۔ بات بات مین روٹھی جاتی ہین۔ لوگ منا رہے ہین۔ کوئی ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ کوئی منت کر رہا ہے۔ قول کیا اور مُکر گئین۔ قسم کھائی اور بھول گئین۔ محفل بھر مین سبکی نگاہ اِنکی طرف ہے۔ یہ آنکھ اوٹھا کے بھی نہین دیکھتین۔ پھر جدھر دیکھ لیا اودھر سب دیکھنے لگے۔ جس پر اِنکی نگاہ پڑتی ہے اوس پر ہزارون نگاہین پڑتی ہین۔ رشک کے مارے لوگ جلے جاتے ہین۔ یہ اور جان جان کے جلا رہی ہین۔ اور لطف یہ کہ دل مین کچھ بھی نہین وہ بھی ہیچ یہ بھی ہیچ ہے۔ فقط بناوٹ۔ اگر وہ بیچارہ اس فریب مین آگیا پھر کیا تھا پہلے بظاہر خود مرنے لگین ؎ آج کل اونکو بہت ہے مری خاطر منظور + یا مری یا مرے دشمن کی قضا آئی ہے + مرین ان کے دشمن۔ آخر اوسی کو مار ڈالا۔ اب جا کے کلیجے مین ٹھنڈک پڑی۔ اوس غریب کے گھر مین رونا پیٹنا پڑا ہے۔ یہ میٹھی یارون کے ساتھ قہقہے لگا رہی ہین۔

مرزا صاحب اِن سب باتون کو آپ مجھسے بہتر جانتے ہین۔ اور بیان کر سکتے ہین۔ مگر یہ کرشمے دیکھ دیکھ کے میرے دل پر جو گذرتی تھی اوسکو مین ہی خوب جانتی ہون۔ عورت کو عورت سے جو رشک ہوتا ہے اوسکی کچھ انتہا نہین ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ اگرچہ مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ سب کے چاہنے والے مجھی کو چاہین۔ اور سب کے مرنے والے مجھی پر مرین۔ نہ کسی کی طرف آنکھ اوٹھا کے دیکھین نہ کسی پر جان دین۔ مگر میری طرف کوئی آنکھ اوٹھا کے بھی نہ دیکھتا تھا۔ بوا حسینی کی کوٹھری جسکے در و دیوار سے لیکر چھت تک دھوین سے سیاہ تھی۔ اِسکے ایک طرف جھلنگا پلنگ پڑا ہوا تھا اوس پر ہم اور بوا حسینی دونون رات کو پڑ رہتے تھے۔ ایک طرف اِس کوٹھری مین چولھا بنا ہوا تھا اِسکے پاس دو گھڑے رکھے ہوے تھے۔ یہین دو بدقلعی سی پتیلیان لگن۔ توا۔ رکابیان۔ پیالے۔ اِدھر اودھر پڑے رہتے تھے۔ ایک کونے مین آٹے کی ٹکی رکھی رہتی تھی۔ اوسکے اوپر دو تین دالین۔ نمک مصالحہ۔ ہانڈیان اِسی کے پاس

جلانے کی لکڑیان۔ موختے۔ مصالحہ پیسنے کی سل بٹہ۔ خلاصہ یہ کہ تمام گرگری خانہ یہین تھا۔ چولھے کے اوپر دیوار مین دو کیلیان لگی تھین۔ کھانا پکاتے وقت اوسپر چراغ رکھ دیا جاتا تھا۔ اور ایک چکٹا ہوا چھوٹا سا ڈیوٹ پلنگ کے پاس دھرا رہتا تھا۔ کھانا پکانے کے بعد وہی چراغ اسپر رکھ دیا جاتا تھا۔ چراغ مین پتلی سُوت سی بتی پڑی ہے۔ ہوا اندھا جل رہا ہے۔ لاکھ اوکساؤ۔ لَو اونچی نہین ہوتی۔ اِس کوٹھری کی آرایشون مین دو چھینکے بھی تھے۔ انہین سے ایک مین پیاز رہتی تھی۔ اور دوسرے مین سالن۔ دال کی پتیلی۔ چپاتیان مولویصاحب کے واسطے ڈھانک کے رکھدی جاتی تھین۔ پیاز والا چھینکا تو چولھے کے قریب تھا اور یہ دوسرا میرے سینے پر تھا۔ جسکے بوجھ سے کھانا گویا میرے سینے پر دھرا رہتا تھا۔ اگر پلنگ پر اچانک اوٹھ کھڑی ہوئی تو سالن کی پتیلی کھٹ سے سر مین لگی۔ صبح سے دس گیارہ بجے تک مولویصاحب کی قمچیان۔ اور شام سے نو بجے تک اوستادجی کی جھڑکیان اور سارنگی کے گزون کی مار۔ یہ ہمارا خلاص پیار تھا۔ یہ سب کچھ تھا مگر مین اپنے کرتوتون سے باز نہ آتی تھی۔

اوّل اوّل تو مجھے آئینہ دیکھنے کا شوق ہوا۔ اب میرا سن چودہ برس کا تھا۔ اِدھر بوا حسینی کوٹھری سے ٹلین اودھر مین نے اونکی پٹاری سے آئینہ نکالا۔ اپنی صورت دیکھنے لگی۔ اپنا ناک نقشہ۔ اور رنڈیون سے ملاتی تھی۔ مجھے اپنے چہرے بھر مین کوئی چیز بُری نہ معلوم ہوتی تھی بلکہ اورون سے اپنے کو بہتر سمجھتی تھی (اگرچہ درحقیقت ایسا نہ تھا)۔

رسوا۔ تو کیا آپ کی صورت کسی سے بُری تھی۔ آپ سیکڑون مین اچھی ہو۔ اوسوقت تو اور بھی جوبن ہوگا۔

امراؤ۔ تسلیم۔ خیر۔ اب اِس تعریف کو رہنے دیجیے۔ بالکل بے محل اور بے موقع ہے۔ معاف کیجیے گا۔ مگر ہان اوسوقت میرا ایسا ہی خیال تھا۔ اور یہ خیال میری جان کے لیے آفت تھا۔ مین دل ہی دل مین کہتی تھی ہائے مجھ مین کیا بُرائی ہے جو کوئی میری طرف توجہ نہین کرتا۔

رسوا۔ یہ تو ممکن نہین کہ کسی کو آپ کی طرف توجہ نہو۔ نگاہین ضرور پڑتی ہونگی۔ مگر بات یہ تھی کہ آپ کی مِسّی نہین ہوئی تھی۔ خانم سے لوگ ڈرتے تھے اِسلیے آپ سے کوئی نہ بولتا ہوگا۔

امراؤ۔ شاید یہی ہو۔ مگر مجھے اتنی تمیز کہان تھی۔ میری تو وہ مثل تھی۔ "بی دولتی اپنے جیسے مین آپ ہی کھولتی"۔ اپنی ہمجولیون کو دیکھ دیکھ کے کُھکی جاتی تھی۔ کھانا پینا حرام تھا۔ راتون کی نیند اوڑ گئی تھی۔

اوسی زمانے مین پھر کنگھی چوٹی کا شوق ہوا۔ کنگھی کرتے وقت اور بھی صدمہ ہوتا تھا۔ اِسلیے کہ کوئی چوٹی کا گوندھنے والا نہ تھا۔ جب بسم اللہ کی چوٹی نواب چھبّن صاحب اپنے ہاتھ سے گوندھتے تھے۔ میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔ یہان کون تھا۔ وہی بوا حسینی۔ وہ بھی جب اونھین فرصت ہوئی۔ نہین تو دن دن بھر بال کُھلے ہین۔ سر جھاڑ۔ مُنہ پہاڑ۔ پھر رہی ہون۔ آخر مین نے اپنے ہاتھ سے چوٹی گوندھنا سیکھا۔ اور تو سب رنڈیان دن بھر مین تین تین جوڑے بدلتی تھین۔ یہان وہی آٹھوین دن۔ پوشاک بھی بھاری نہ تھی۔ وہ لوگ کارچوبی جوڑے پہنتے تھے۔ یہان وہی گلبدن کا پاجامہ۔ ململ کا دوپٹہ۔ بڑی بڑائی ہوئی لچکے کی تیلی دے دی گئی۔

اِسپر بھی کپڑے بدل کے میرا جی چاہتا تھا مردون مین جا کے بیٹھون۔ کبھی بسم اللہ کے کمرے مین چلی گئی۔ کبھی امیرجان کے پاس۔ مگر جہان جاتی تھی کسی نہ کسی بہانے سے اوٹھا دیجاتی تھی۔ اِن لوگون کو میرا بیٹھنا ناگوار تھا۔ سب کو اپنی اپنی مزیداریون کا خیال تھا۔ مجھے کون بیٹھنے دیتا تھا۔

اور نہ بیٹھنے دینے کا ایک اور بھی سبب تھا کہ اون دنون میری طبیعت مین کسی قدر شرارت سما گئی تھی۔ جہان بیٹھتی کسی کو ٹھینگا دکھا دیا۔ کسی کا مُنہ چڑھا دیا۔ کسی کے چٹکی لے لی۔ ہر طرح مردون سے لگاوٹ کرتی تھی۔ اِس وجہ سے لوگ میرے بیٹھنے کے روادار نہ تھے۔

مرزا صاحب آپ سمجھ سکتے ہین کہ گوہر مرزا ایسے وقت اور اِس حالت مین مجھے کس قدر غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ اِسلیے کہ وہ مجھسے پیار کی باتین کرتا تھا۔ مین اوسکو چھیڑتی تھی وہ مجھکو چھیڑتا تھا۔ مین اوسی کو اپنا چاہنے والا سمجھتی تھی۔ اور وہ بھی اون دنون مجھکو چاہتا تھا۔ جب صبح کو مکتب مین آتا۔ کہین دو نارنگیان جیب مین پڑی ہین۔ مجھے چُپکے سے دیدین۔ کسی دن حلوا سوہن کی ٹکیہ لیتا آیا۔ مجھکو کھلا دی۔ ایکدن نہین معلوم کہان سے ایک روپیہ لایا تھا۔ وہ بھی مجھے حوالے کردیا۔ ہزارون روپے مینے

اپنی زندگی مین اپنے ہاتھ سے اوٹھائے ہون گے مگر اوس ایک روپے کے پانے کی خوشی کبھی نہ بھولون گی۔ اسکے پہلے مجھے پیسے تو بہت ملے تھے۔ مگر روپیہ کبھی نہ ملا تھا۔ وہ روپیہ بہت دن تک مین نے جگو رکھا۔ اسلیے کہ اوسکے صرف کی کوئی ضرورت مجھے نہ تھی۔ اور اگر تھی بھی تو یہ خیال تھا کہ اگر اسے صرف کرتی ہون تو لوگ پوچھین گے کہان سے ملا۔ تو کیا بتاؤنگی۔ رازداری کی سمجھ مجھے بھی آگئی تھی۔ اور یہ سمجھ بغیر سن تمیز کو پہونچے نہین آتی۔ بیشک مین سن تمیز کو پہونچ چکی تھی۔

ایک شاطر چور دل میرا اُچرا کر لے گیا
پاسبان کمبخت سب سوتے کے سوتے رہگئے

برسات کے دن ہین آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ پانی تل دھار اور پر دھار برس رہا ہے۔ بجلی چمک رہی ہے۔ بادل گرج رہا ہے۔ مین بوا حسینی کی کوٹھری مین اکیلی پڑی ہون۔ بوا حسینی خانم صاحب کے ساتھ حیدری کے گھر گئی ہوئی ہین۔ چراغ گل ہو گیا ہے۔ اندھیری وہ کہ ہاتھ کو ہاتھ نہین سوجھتا۔

اور کمرون مین جشن ہو رہے ہین کہین سے گانے کی آواز آرہی ہے کہین قہقہے اوڑ رہے ہین۔ ایک مین ہون کہ اس اندھیری کوٹھری مین اپنی تنہائی پر رو رہی ہون۔ کوئی آس پاس نہین ہے۔ دل پر جو گذر رہی ہے دل ہی جانتا ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے مارے ڈر کے دولائی سے مُنہ ڈھانپ لیتی ہون۔ جب گرج کی آواز آتی ہے کانون مین اونگلیان دے لیتی ہون۔ اسی عالم مین آنکھ لگ گئی۔ اتنے مین یہ معلوم ہوا۔ جیسے کسی نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میری گھگھی بندہ گئی۔ مُنہ سے آواز تک نہ نکلی۔ آخر بیہوش ہو گئی۔ . . . .

- - - - - - - - - - - - - - -

صبح کو چور کی ڈھونڈھیا ہوئی۔ وہ کہان ملتا ہے۔ خانم مُنہ تھوتھائے بیٹھی ہین۔ بوا حسینی بڑبڑاتی پھرتی ہین۔ مین ٹھگ ماری سی چپکی بیٹھی ہون۔ سب پوچھ پوچھ کے تھک گئے مگر مجھے کچھ معلوم ہو تو بتاؤن۔

رسوا۔ یہ نہین کہتین کہ اگر معلوم بھی ہو تو کیون بتاؤن؟۔

امراؤ۔ خیر اب حاشیے نہ چڑھائیے۔ سنتے جائیے۔

خانم کی اوس دن کی مایوسی اور بوا حسینی کا اوداس چہرہ اب جب مجھے یاد آتا ہے بےاختیار ہنسی آتی ہے۔

رسوا۔ کیون نہ ہنسی آئے۔ اونکی تو ساری امیدین خاک مین مل گئین۔ اور آپ کا مذاق ہو گیا۔

امراؤ۔ امیدین خاک مین مل گئین! خانم کو آپ نہین جانتے۔ ایک ہی گھاگھ تھین اس معاملے کو اسطرح دبا دیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اور القیام کی وہ تدبیرین کین کہ شاید و باید۔ اب کسی آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کی تلاش ہوئی۔ آخر ایک ہدہد پھنس ہی گیا۔ اون دنون ملک آئین سے ایک صدر الصدور کے صاحبزادے طالبعلمی کے لیے لکھنؤ مین تشریف لائے ہوئے تھے۔ گھر سے خوش۔ والد مرحوم ان کے رشوت۔ نذرانہ کے روپے سے ایک بہت بڑا علاقہ انکے صرف بیجا کے لیئے خرید کر کے چھوڑ گئے تھے۔ چند روز یہان آکر اچھے رہے۔ پھر جو لکھنؤ کی ہوا لگی۔ علم تماشبینی مین طاق اور فن بے غیرتی مین مشاق ہو گئے۔ اسم شریف راشد علی تھا۔ راشد تخلص کرتے۔ لکھنؤ کے کسی اوستاد نے مرشد بنا دیا۔ اس تخلص پر آپ کو بہت ہی فخر تھا۔

وطن سے جو ملازم ہمراہ آئے تھے وہ سب رکھن میان کہتے تھے۔ لکھنؤ والون نے اونکو راجہ کا لقب دیا۔ مگر اس نام اور القاب مین کسی قدر دہاتیت تھی۔ اور آپ لکھنؤ کی وضع طرح پر مرتے تھے۔ اسلیے تھوڑے ہی دنون مین نواب صاحب بن گئے۔ جب گھر سے آئے تھے تو خاصی داڑھی مُنہ پر تھی۔ لکھنؤ کی ہوا لگتے ہی پہلے کتروا ن ہوئی پھر خشخاشی۔ اور تھوڑے دنون کے بعد بالکل صفایا ہو گیا۔ داڑھی مُنڈنے سے چھوٹا سا چہرہ کیسا بدنما نکل آیا۔ مگر آپ اوسے خوبصورتی سمجھتے تھے۔ سیاہ رنگت۔ چیچک کے داغ۔ بھدی سی ناک۔ چھوٹی چھوٹی آنکھین۔ گال پچکے ہوے۔ تنگ پیشانی۔ کوتاہ گردن ٹھگنا سا قد۔ غرضکہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ مگر آپ اپنے کو یوسف ثانی سمجھتے تھے۔ پہرون آئینہ سامنے رہتا تھا۔ مونچھین اس قدر مروڑی گئین کہ آخر چوہیا کی دُم ہو گئین۔ بال بڑھائے گئے۔ گھونگھر بنایا گیا۔ نکے دار ٹوپی سر پر رکھی گئی۔ اونچی چولی کا انگرکھا ڈاٹا۔ بڑے پائنچون کا پاجامہ پہنا گیا۔ یہ سب ٹھاٹھ رنڈیون کی دربارداری کے لیے کیا گیا تھا۔

اول تو خود ہی طبیعت بہت رسا تھی۔ دوسرے لائق احباب کی وساطت۔ چند ہی روز کے بعد اونچے اونچے کمرون پر رسائی ہوگئی۔ رسائی کیسی بے تکلفی بڑھ گئی۔ چھٹن جان سے مادر پدر ہوتا ہے۔ بگن ٹھپین لگاتی ہین۔ حسنا نے جوتا کھینچ مارا۔ آپ ہین کہ ٹھٹھی ہنس رہے ہین۔ یہ سب کچھ تھا مگر نائکاؤن کا بڑا ادب کرتے۔ جس رنڈی سے ایک شب کے لیئے بھی واسطہ ہوگیا تھا اوسکی نائکہ کو مجمع عام مین امّان جان کہنا اور جھک کے تسلیم کرنا عین سعادتمندی تھی۔ اسمین ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ یارون پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ آپ یہان مشرف ہو چکے ہین۔

سرِ شام سے دو تین گھڑی رات گئے تک خانم صاحب کا دربار کرتے تھے۔ اونکی ہر ایک نوچی کی خدمت مین نیاز تھا۔ علم موسیقی مین بھی آپ کو کمال تھا۔ ٹھمریان خود تصنیف فرماتے۔ خود ہی دھن بنا کے گاتے تھے۔ خود ہی بھاؤ بتاتے جاتے تھے۔ اور تو جو کچھ تھا وہ تھا منہ سے طبلہ خوب بجاتے تھے۔ یارون نے خوب ہی بنا لیا تھا۔ آپ کے اشعار پر لوگون نے اتنی تعریف کی کہ آپ کو فخر ناسخ و آتش بنا دیا۔ مشاعرون مین ڈوریا لیگئے۔ آپ سے غزل پڑھوائی۔ تمام مشاعرہ چونک گیا۔ ریختی گویون سے پہلے آپ کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ ہنستے ہنستے لوگون کے پیٹ مین بل پڑ جاتے تھے۔ لوگ بناتے تھے۔ آپ خوش ہوتے تھے۔ جھک جھک کے تسلیمین کرتے تھے۔

وطن سے بے غل و غش روپیہ چلا آتا تھا۔ انکی والدہ بیچاری اس خیال سے کہ لڑکا پڑھنے گیا ہے۔ مولوی بن کے آئے گا۔ جو یہ لکھ بھیجتے تھے بھیج دیتی تھین۔ لکھنؤ کے بیگڑے۔ خوش پوشاک۔ عیش پسند۔ مفت خورے۔ آپ کے ہمراہ رہتے تھے۔ انھین لوگون کے کہنے سُننے سے کچھ خیال پیدا ہوا۔ اس خیال نے ترقی کرتے کرتے اشتیاق تک نوبت پہونچائی آخر کو عشق اور اسکے بعد جنون ہوگیا ادھر خانم نے کھنچاؤ کیا۔ خانم کا یہ کہنا "نا صاحب ابھی وہ کم سن ہے"۔ اور انکی التجا۔ منّت و زاری۔ بیقراری۔ آج تک مجھے یاد ہے۔ آخر دعا۔ تعویذ کی تاثیر اور غمخوارون کی دوا دوش سے پانچہزار روپے پر توڑ ہوا۔ اس روپے کے لینے کے لیے آپ کو چند روز کے لیئے وطن جانا پڑا۔ مان سے چھپا کے دو گاؤن آپ نے رہن کر دیئے۔ مبلغ پچیس ہزار روپیہ لے کے لکھنؤ آئے۔ پانچ توڑے گن دیے۔

روپیہ عین المال دیوان جی کی معرفت خانم کے خزانۂ عامرہ مین داخل ہوا۔ بوا حسینی نے پاؤن پھیلائے۔ پانسو نذر نیاز کے نام سے یہ لے مرین۔ خلاصہ یہ کہ مین آپ کے سر منڈھی گئی۔ چھ مہینے تک آپ اور لکھنؤ مین رہے۔ سو روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ فرش فروش کا ذکر نہین۔ جو کچھ خفیہ مجھے دیا وہ بوا حسینی کے پاس رہتا تھا۔ خانم کو اسکی خبر نہ تھی۔

اب مین گویا آزاد ہوگئی۔ دو مہریان۔ دو خدمتگار۔ میرے لیئے خاص ملازم ہوئے۔ پھاٹک کے پاس والا کمرہ میرے رہنے کے لیئے بچ دیا گیا۔ دو چار مرد آدمی شریف زادے نواب زادے میرے پاس بھی آ کے بیٹھنے لگے۔

گلچین اول گوہر مرزا مجھسے ہر زمانے مین برابر ملتا رہا۔ خانم اور بوا حسینی اوسکی صورت سے جلتی تھین۔ مجھے محبت تھی اسلیئے کوئی روک نہین سکتا تھا۔ ادھر گوہر مرزا کے والد نے انتقال کیا۔ جو آمدنی وہان سے تھی وہ بند ہوگئی۔ بگو بڑھیا ہو چکی تھین۔ کوئی پوچھتا نہ تھا۔ اسلیئے گوہر مرزا کی صرف کی خبر گیری میرے ہی ذمّے تھی۔

سب رنڈیون کا قاعدہ ہے ایک نہ ایک کو اپنا بنا رکھتی ہین۔ ایسے شخص سے بہت فائدے ہوتے ہین۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی نہ ہوا۔ اوسی سے دل بہلایا۔ سودے سلف کا آرام رہتا ہے۔ آدمی سے منگاؤ تو کچھ نہ کچھ کھا جائے گا۔ یہ مارے خیر خواہی کے اچھی سی اچھی چیز شہر بھر سے ڈھونڈھ کے لاتے ہین۔ بیمار پڑو تو حد سے زیادہ خدمت کرتے ہین۔ طرح طرح کی آرام دیتے ہین۔ رات بھر پاؤن دباتے ہین۔ صبح کو دوا بنا کے پلاتے ہین۔ حکیم صاحب سے حال کہنے جاتے ہین۔ دوست آشناؤن مین تعریفین کرتے رہتے ہین۔ چرکٹ پھنسا کے لاتے ہین۔ جہان کہین شادی بیاہ ہوا۔ ناچ کا انتظام اپنے ذمّے لے کے مجرے مین انھین کو لیجاتے ہین۔ محفل مین بیٹھکر اہلِ محفل کو متوجہ کرتے ہین۔ وہ ناچ رہی ہے۔ یہ تال دیتے جاتے ہین۔ ہر سم پر آہ کہتے ہین۔ ہر تال پر واہ وا کرتے ہین۔ وہ بھاؤ بتا رہی ہین یہ شرح کرتے جاتے ہین۔ انھین کی وجہ سے اچھے سے اچھا کھانے کو ملتا ہے۔ خاطر مدارات اور رنڈیون سے زیادہ ہوتی ہے۔ انعام اکرام سوا ملتا ہے۔ اگر کسی امیر رئیس سے ملاقات ہوگئی۔ انھین کی بدولت اوسکو لطف رقابت حاصل ہوتا ہے۔ اودھر وہ چاہتے ہین کہ رنڈی ہمکو چاہنے لگے۔ ادھر رنڈی جان جان کے انکا کلمہ بھر رہی ہے۔ کبھی یہ فقرہ ہے "صاحب مین اونکی پابند ہون نہین معلوم

آپ سے کیونکر ملتی ہون ؟ آب اونکے آنے کا وقت ہے۔ مجھے جانے دیجیے۔ وہ تو ہمیشہ کے ہین۔ آپ اِسطرح کیا نباہیے گا۔

تماشبین اِن سے دبتے رہتے ہین۔ اگر کسی سے کچھ تکرار ہوئی یہ حمایت کو مستعد۔ شہر کے بانکے ترچھون سے ملاقات ہے۔ بات کی بات مین پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو سکتے ہین۔ تماشبین ایک طرف خود نائکہ پر دباؤ رہتا ہے۔ ہر وقت یہ خوف لگا رہتا ہے رنڈی انکو پیار کرتی ہے۔ کہین ایسا نہو اِنکے ساتھ نکل کے گھر جا بیٹھے۔

امیر جان کاظم علی پر مرتی تھین۔ برسون اپنے پاس سے روپیہ دیا۔ ایک مرتبہ پانسو کے کپڑے اوتار کے دیدیئے اور صبح کو غل مچایا کوئی اوتار کے لے گیا۔ ایک دفعہ جھالے کی ایک فرد گیارہ سو کے جوڑ کی دیدی۔ اور کہدیا کہ عیشباغ کے میلے مین کان سے گرگئی۔ اِسیطرح ہزارون روپے کا سلوک کیا۔ گھر بھر کی روٹیان امیر جان کی بدولت تھین۔

خورشید پیارے صاحب پر جان دیتی تھین۔ بسم اللہ کے کوئی آشنا نہ تھا طبیعت مین سِفلہ پن تھا۔ کسی پر بند نہ تھین۔

اورون کا ذکر کیا۔ خانم صاحب پچاس پچپن برس کے سن مین میر اولاد علی پر جان دیتی تھین۔ میر صاحب کا سن اٹھارہ اونیس برس کا تھا۔ صورت دار جوان تھے۔ کسرتی بدن تھا۔ اچھی اچھیون کی نگاہ پڑتی تھی۔ خانم کا رعب غالب تھا۔ کیا مجال کوئی بات کر سکے۔ بیچارے غریب آدمی تھے۔ نانِ شبینہ کو محتاج۔ خانم کی بدولت سارا کنبہ پرورش پاتا تھا۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ لگا کے شادی کر دی۔ مگر برات کی رات کے سوا میر صاحب کو کبھی شب کو گھر مین سونا نصیب نہین ہوا۔ دن رات یہین رہتے تھے۔ گھڑی دو گھڑی کو گھر بھی ہو آتے تھے۔

ایک اور مرزا صاحب کوئی ستر برس کا سن۔ کمر جھکی ہوئی۔ نہ مُنہ مین دانت۔ نہ پیٹ مین آنت۔ خانم صاحب کے قدیم آشناؤن مین تھے۔ اب اِن سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مگر گھر والون کی طرح رہتے تھے۔ صبح شام کھانا خانم کے ساتھ کھاتے تھے۔ کپڑا خانم بنا دیتی تھین۔ افیم۔ گنا۔ ریوڑیان اِن سب اخراجات کا بار خانم کے سر تھا۔ ایکدن ہم لوگ خانم صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہین۔ خورشید جان غمزدہ صورت بنائے بیٹھی ہین

کیون! پیارے صاحب کی شادی ہوتی ہے۔ اِنپر غم سوار ہے۔ خانم نے براہ نہمایش کہا۔ ”جاؤ چھوکریو نہین معلوم اِس زمانے کی محبتین کِس قسم کی ہین۔ جیسی رنڈیان ویسے ہی اونکے آشنا۔ ایک ہمارا زمانہ تھا۔ دیکھو (مرزا صاحب کی طرف اشارہ کرکے) ایک یہی مرد آدمی بیٹھے ہین۔ جوانی مین مجھسے آشنائی ہوئی۔ مان باپون نے شادی ٹھہرائی۔ آپ مانجھے کا جوڑا پہن کے مجھے دکھانے آئے۔ مین نے مانجھے کے جوڑے کے پُرزے پُرزے کر دیئے۔ ہاتھ پکڑ کے بیٹھ گئی کہ مین تو نہ جانے دونگی۔ اِسکو چالیس برس کا زمانہ گذرا۔ آج تک تو گھر نہین گئے۔ کہو ہے کوئی ایسا تمہارا بھی! سب نے سر جھکا لیا۔

یون تو بسم اللہ کی بِسّی مین مین پہلی پہل ناچی گائی تھی۔ مگر پہلا مجرا میرا نواب شجاعت علیخان کے لڑکے کی شادی مین ہوا تھا۔ وہ محفل بھی یادگار تھی۔ نواب کی بارہ دری کِس شان سے سجی گئی تھی۔ بیش قیمت شیشہ آلات کی روشنی سے رات کو دن ہو گیا تھا۔ صاف ستھرا فرش۔ ایرانی قالین۔ زربفت کے مسند تکیے۔ سامنے رنگ رنگ کی مردنگون کی قطار روشن۔

عطر اور پھولون کی خوشبو سے تمام بارہ دری بسی ہوئی تھی۔ دھوان دھار حقون کی خوشبو۔ گلوریون کی مہک سے دماغ معطر تھے۔ میرا سِن کوئی چودہ برس کا ہوگا۔ اُس زمانے مین برودے سے ایک بائی جی آئی ہوئی تھین۔ تمام شہر مین اونکے گانے کی دھوم تھی۔ بڑے بڑے گویّے کان پکڑتے تھے۔ معلومات ایسی کہ پوتھیان گویا نوکِ زبان تھین۔ گلا وہ کہ چار محلے اودھر آواز جائے۔ مگر واہ خانم صاحب واقعی کیا رنگ محفل دیکھتی تھین۔ اون کے بعد مجکو کھڑا کر دیا۔ مجھے تو کیا تمیز تھی مگر سمجھدار لوگ حیران تھے کہ خانم کرتی کیا ہین۔ بھلا بائی جی کے سامنے اِس چھوکری کا کیا رنگ جمے گا۔ پہلے گت شروع ہوئی۔ اِسمین محفل کچھ میری طرف مخاطب ہوئی۔ میری بھی اوٹھتی جوانی تھی۔ صورت اچھی نہ تھی۔ مگر اوسوقت کی پھرتی۔ چالاکی۔ الھّڑ پن۔

کچھ نہ پوچھو شباب کا عالم ؏ کیا کہون کچھ عجب زمانہ تھا

گت تھوڑی ہی دیر ناچی ہونگی کہ خانم نے یہ غزل شروع کرادی۔

آج اس بزم میں وہ جلوہ نما ہوتا ہے
دیکھیے دیکھیے اِک آن میں کیا ہوتا ہے

اِس غزل کے شروع کرتے کے ساتھ ہی محفل تہ و بالا ہو گئی۔ اسکے بعد دوسرا مطلع اک ذرا میں نے بنا کے جو گایا۔ اہل محفل جھومنے لگے۔

نالہ کرتا ہے تو سرگرم جفا ہوتا ہے
درد تھمتا ہے تو بیدرد خفا ہوتا ہے

اور اس شعر نے تو قیامت ہی برپا کر دی۔

پھر نظر چھپتی ہے آنکھ جھکی جاتی ہے
دیکھیے دیکھیے پھر تیر خطا ہوتا ہے

اِس شعر پر یہ حال تھا کہ جس سے نظر ملا کے گایا۔ نظر نہ اوٹھا سکا۔

بُت پرستی میں نہوگا کوئی مجھسا بدنام
جھینپتا ہوں جو کہیں ذکرِ خدا ہوتا ہے

ذرا اس شعر کو سُنیے اور قیاس کیجیے۔ عاشق مزاجوں پر اسکا کیا اثر ہوا ہوگا۔

عشق میں حسرتِ دل کا تو نکلنا کیسا
دم نکلنے میں بھی کمبخت مزا ہوتا ہے

پھر اسکے بعد یہ شعر۔

حالِ دل اُن سے نہ کہنا تھا ہمیں چوک گئے
اب کوئی بات بنائیں بھی تو کیا ہوتا ہے

تمام محفل وجد کے عالم میں تھی۔ ہر شخص محظوظ تھا۔ ہر لفظ پر واہ وا! ہر سم پر آ! ایک ایک شعر آٹھ آٹھ دس دس مرتبہ گوایا گیا۔ پھر بھی سیری نہیں ہوتی تھی۔ اسی غزل پر میرا مجرا موقوف ہوا۔ دوسرے مجرے میں پھر یہی غزل گوائی گئی۔

مرزا رسوا۔ وہ خیر محفل کا جو حال ہوا ہو۔ از برائے خدا اور جس قدر شعر اِس غزل کے یاد ہوں۔ سنا دیجیے۔ یہ کسکی غزل ہے؟

اُمراؤ۔ ادہی کیا آپ نہیں جانتے؟

رسوا۔ میں سمجھا۔

امراؤ۔ اور شعر سنیے۔

تا لبِ گور بھی پہنچ جاتے ہیں مرنے والے
وہ بھی اوسوقت کہ جب شوق رسا ہوتا ہے

رسوا۔ سبحان اللہ۔

امراؤ۔ واقعی قلم توڑ دیا ہے۔

آہ میں کچھ بھی اثر ہو تو شرر بار کہوں
ورنہ شعلہ بھی حقیقت میں ہوا ہوتا ہے

رسوا۔ یہ بھی خوب کہا ہے۔

امراؤ۔ اور یہ شعر

کس قدر معتقدِ حسنِ مکافات ہوں میں
دل میں خوش ہوتا ہوں جب رنج سوا ہوتا ہے

رسوا۔ یہ فلسفہ ہے۔ اسے وہی خوب سمجھتے ہیں۔

امراؤ۔ اور سُنیے۔

شوقِ اظہار اگر ہے تو مرے دل کو نہ توڑ
اسی آئینے میں تو جلوہ نما ہوتا ہے

رسوا۔ یہ تصوف ہے۔ ہم دنیا کے لوگ ہیں۔ ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں۔ مگر "شوقِ اظہار" یہ لفظیں کیونکر ملجایا کرتی ہیں۔

امراؤ۔ مقطع سُنیے۔

ہجر میں نالہ و فریاد سے باز آ ....
ایسی باتوں سے وہ بیدرد خفا ہوتا ہے

رسوا۔ مطلع سے مقطع نکال لیا ہے۔ مقطع کہنے کی فرصت نہ ملی ہوگی۔

امراؤ۔ فرصت اونھیں کب ملتی ہے؟

پہلے مجرے کے دوسرے دن شام کو بوا حسینی میرے کمرے مین آئین۔ ایک خدمتگار اونکے ساتھ تھا۔

بوا حسینی۔ دیکھو امراؤ صاحب یہ کیا کہتا ہے۔

اتنا کہہ کے بوا حسینی کمرے کے باہر چلی گئین۔

خدمتگار (سلام کرکے) مجھے نواب سلطان صاحب نے بھیجا ہے جو کل شب کو محفل مین زرد مندیل سر پر رکھے دولھا کے دہنی طرف بیٹھے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ مین کسی وقت آپ کے پاس آنا چاہتا ہون۔ بشرطیکہ جس وقت مین آؤن اوسوقت اور کوئی نہ ہو۔ اور اوس غزل کی نقل مانگی ہے جو آپ نے کل گائی تھی۔

مین۔ نوابصاحب سے میری تسلیمات کہنا۔ اور کہنا کہ شام کو جب چاہیے تشریف لائیے۔ تخلیہ ہو جائے گا۔ غزل کے لیے کل دن کو کسی وقت آنا۔ لکھدونگی۔

دوسرے دن پہر دن چڑھے خدمتگار آیا۔ مین کمرے مین اکیلی بیٹھی تھی غزل کی نقل مین نے کر رکھی تھی اوسکے حوالے کی۔ اوسنے پانچ اشرفیان کمر سے نکال کے مجھے دین۔ اور کہا کہ نوابصاحب نے کہا ہے کہ آپ کے لائق تو نہین۔ مگر خیر پان کھانے کے لئے میری طرف سے قبول کیجیے۔ آج شب کو چراغ جلے کے بعد مین ضرور آؤنگا۔ خدمتگار سلام کرکے رخصت ہوا۔ اوسکے جانے کے بعد پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ بوا حسینی کو بلا کے یہ اشرفیان دیدون۔ وہ خانم کے حوالے کرین۔ پھر ایک دفعہ اشرفیون کی طرف جو دیکھا۔ چمکتی چمکتی نئے گھن کی اشرفیان۔ بھلا میرے دل سے کب نکلتی تھین۔ اوسوقت صندوقچہ وندوقچہ تو میرے پاس نتھا۔ پلنگ کے پائے کے نیچے دبا دین۔

مرزا رسوا صاحب۔ میرے نزدیک ہر عورت کی زندگی مین ایک وہ زمانہ آتا ہے جب وہ چاہتی ہے کہ اوسے کوئی چاہے۔" یہ نہ سمجھیے گا کہ یہ خواہش چندروزہ ہوتی ہے۔ بلکہ عنفوان شباب سے اسکی ابتدا ہوتی ہے اور سن کے ساتھ ہی اسکا نشو و نما ہوتا رہتا ہے۔ جس قدر سن بڑھتا ہے اوسی قدر یہ خواہش بڑھتی رہتی ہے۔

گو ہر مرزا بیشک میرا چاہنے والا موجود تھا۔ مگر اوسکی چاہت اور قسم کی تھی۔ اوسکی چاہت مین ایک بات کی کمی تھی۔ جسے میرا دل ڈھونڈھتا تھا۔ مردانہ ہمت کو اوسکی طینت مین لگاؤ نہ تھا۔ مان کا ڈومنی پنا اوسکے خمیر مین داخل تھا۔ وہ جو کچھ پاتا تھا مجھسے چھین جھپٹ کے لے لیتا تھا۔ خود ایک روپے کے سوا جسکا ذکر کر چکی ہون۔ کبھی نہین دیا۔ اب میرا دل ایسا عاشق ڈھونڈھتا تھا۔ جو میری نازبرداری کرے۔ روپیہ خرچے۔ کھلائے۔ پلائے۔ نواب سلطان صاحب (نوابصاحب کا یہی نام آدمی نے بتایا تھا) صورت شکل کے اچھے تھے۔ اون کے چہرے پر اس قسم کا مردانہ رعب تھا۔ جسپر عورت ہزار دل سے فریفتہ ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہین کہ عورت کو صرف خوشامد اور اظہار عشق پسند ہے۔ بیشک پسند ہے مگر شرط یہ ہے کہ اوسمین ذرا بھی کمینہ پن نہ ہو۔ جو لوگ رنڈیون کا گہنا تاکتے ہوے آتے ہین۔ جنکے ہر کنائے سے یہ مدّعا نکلتا ہے کہ ہمین چاہو۔ خدا کے لیے چاہو۔ چاہو اور ہمارے گھر پڑ جاؤ۔ جو کچھ تمھارے پاس ہے ہمین دیدو۔ اور ہمارے گھر کی ماماگیری کرو۔ روٹیان پکا پکا کے کھلاؤ۔ اور ہماری اور ہمارے بال بچون کی جوتیان سیدھی کرو۔ ہر شخص کا حسن حضرت یوسفؑ کا معجزہ نہین ہے کہ ہر ایک عورت اوسپر جان دینے لگے۔

مرد عورت سے اور عورت مرد سے محبت کرتے ہین۔ مگر اس محبت مین اکثر اغراض ذاتی کا بھی لحاظ رہتا ہے۔ بے غرض محبت جیسے لیلیٰ مجنون۔ شیرین فرہاد۔ یہ صرف قصے کہانیون مین سُنی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہین کہ ایکطرفہ محبت نہین ہوتی۔ ہمنے اسے بھی آنکھون سے دیکھا ہے۔ مگر اوسکو خلل دماغ سمجھنا چاہیے۔ پھر کیا ضرور ہے کہ مرد و عورت دونون دیوانے ہون۔

دوسرے دن شب کو نوابصاحب تشریف لائے۔ بوا حسینی سے معمولی گفتگو کے بعد تعین اخراجات ہوکر کمرے مین تخلیہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نوابصاحب نے ملازم نہین رکھا صرف یہ طے ہوا ہے کہ کبھی رات کو گھڑی دو گھڑی کے لئے آیا کرینگے۔ نوابصاحب بہت ہی کم سخن۔ بھولے آدمی تھے۔ سن اٹھارہ اونیس برس کا تھا۔ بسم اللہ کے گنبد مین پرورش پائی تھی۔ مان باپ کے دباؤ مین تھے۔ دنیا کے چھل فریب سے بالکل آگاہ نہ تھے۔ اظہار تعشق خدمتگار کی زبانی ہو چکا تھا۔ ورنہ نوابصاحب کو اِین

بھی کسی قدر مشکل ہوتی۔ مگر مین نے تھوڑی دیر مین بے تکلف بنا لیا۔ بہت سی لگاوٹ کی باتین کین۔ بالکل عاشق زار بنگئی۔ ہمین کچھ سچ تھا کچھ جھوٹ۔ سچ تو اسلیئے تھا کہ نوابصاحب کی صورت ایسی نہ تھی کہ ایک عورت خواہ وہ کیسی ہی سخت دل کی ہو اونپر مائل نہ ہو جاے۔ گوری گوری رنگت۔ جیسے گلاب کا پھول۔ ستوان ناک۔ پتلے پتلے ہونٹ۔ خوبصورت تبتیسی۔ گھونگھر والے بال۔ کتابی چہرہ۔ اونچا ماتھا۔ بڑی بڑی آنکھین۔ بھرے بھرے بازو۔ مچھلیان پڑی ہوئین۔ چوڑی کلائیان۔ بلند بالا۔ کثرتی بدن۔ خدا نے سر سے لے کے پاؤن تک تمام بدن نور کے سانچے مین ڈھالا تھا۔ اوسپر بھولی بھولی باتین۔ بات بات مین عاشقانہ شعر جنمین سے اکثر اونھین کی تصنیف تھے۔ شعر پڑھنے مین ہواؤ ٹوٹا ہوا تھا۔ خاندانی شاعر تھے۔ مشاعرون مین اپنے والد کے ساتھ غزل پڑھتے تھے۔ شاعرون کو کیسا ہی عاشقانہ شعر ہو کسی کے سامنے پڑھتے ہوے جھجھک نہین ہوتی۔ خرد بزرگ کے سامنے اور بزرگ خرد کے سامنے چاہے اور قسم کی گفتگو نہ کر سکتے ہون۔ مگر شعر پڑھنے مین تکلف نہین ہوتا۔ شعر بھی ایسے کہ اگر نثر مین اونکا مطلب ادا کیا جاے تو منہ سے کہتے نہ بنے۔ غرضکہ اوس شب کو بڑے مزے کی صحبت تھی۔

نواب - آپکی اداؤن نے تو مجھے ایسا فریفتہ کر لیا کہ بغیر آپ کے دیکھے مجھے چین ہی نہین آ سکتا۔

مین - یہ سب آپ کی قدردانی ہے۔ ورنہ مین کیا اور میری حقیقت کیا۔ ایاز قدر خود بشناس ـــ من آنم کہ من دانم۔

نواب - اوہو! آپ تو خواندہ معلوم ہوتی ہین۔

مین - جی ہان۔ کچھ تُشد بُد پڑھا تو ہے۔

نواب - اور لکھنا بھی جانتی ہو۔؟

مین - جی ہان لکھ بھی لیتی ہون۔

نواب - تو وہ غزل آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے؟

مین - مسکرا کے چپ ہو رہی۔

نواب واللہ۔ کیا پیارا خط ہے۔ اس بات سے تو بہت ہی جی خوش ہوا۔

خدمتگارون سے دل کا حال کہتے نہین بنتا۔ اب زبانِ قلم سے گفتگو ہوا کرے گی ہم تو ایسا چاہتے ہی تھے۔ جہان تک ہو کسی ایسے معاملے مین غیر کی وساطت نہو۔

نہ غیرون کی وساطت ہو نہ یارون کی شماتت ہو
جو ہین آپس کی باتین رازدار اُون کے ہمین تم ہون

مین - یہ آپ ہی کا شعر ہے؟

نواب - جی نہین والد مرحوم نے فرمایا تھا۔

مین - کیا خوب فرمایا ہے۔

نواب - ماشاءاللہ۔ آپ کو شعر شاعری کا بھی مذاق ہے۔

اچھی صورت جو خدا دے تو یہ اوصاف بھی دے
حُسن تقریر بھی ہو خوبیِ تحریر بھی ہو

مین - کسکا شعر ہے۔

نواب - اونھین کا۔

مین - کیا خوب فرمایا ہے۔

نواب - جی ہان وہ ایسا ہی فرماتے تھے۔ مگر واللہ۔ آپکی شان کے لائق ہے۔

مین -
یہ فقط آپ کی عنایت ہے
ورنہ مین کیا مری حقیقت کیا

نواب - واہ! کیا صاف صاف شعر ہے!

مین - تسلیم۔ **نواب** - یہ کہیئے آپ شعر بھی کہتی ہین۔

مین - جی نہین! آپ ایسے قدردانون سے کہوا لیتی ہون۔

اس بات پر نوابصاحب پہلے تو ذرا چین بجبین ہوے۔ پھر مجھے مسکراتے ہوئے دیکھ کے ہنس پڑے۔

نواب - خوب کہی۔ جی ہان اکثر رنڈیون کا یہ وطیرہ ہے کہ یارون سے شعر کہوا کے اپنے نام سے پڑھا کرتی ہین۔

مین - آپ رنڈیون کو کہیے کیا مرد ایسا نہین کرتے۔

نواب - واللہ سچ ہے۔ والد کے دوستون مین اکثر ایسے صاحب ہین۔ جنھون نے

کبھی ایک مصرعہ نہین کہا اور ہر مشاعرے مین غزل پڑھنے کو مستعد- اکثر تو والد ہی کہدیا کرتے تھے- کبھی ایسا ہوتا تھا کہ میری غزل مین شعر زائد ہوے چھانٹ دیئے- مین کہتا ہون اسمین لطف ہی کیا ہے- والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ بہتے حضرت اوستاد کے بنائے ہوئے شعر دیوان سے نکال ڈالے- جھوٹی تعریفون سے دل کو کیا خوشی ہوتی ہوگی؟

مین- خدا جانے! یہ بھی ایک ہوس ہے- اور بُری ہوس-

نواب- اچھا تو اِس غزل کا اور کوئی شعر یاد ہو تو پڑھیے-

مین- فرض ہے ضبط نالہ و فریاد ؎
جس سے ناخوش ہو تم وہ عادت کیا!

نواب- کیا شعر کہا ہے- پھر پڑھیئے- واللہ کیا نئی بات کہی ہے-

مین- (شعر دوبارہ پڑھکے)- تسلیم- آپ قدردانی کرتے ہین-

نواب- شعر ہی اچھا ہے- اور کوئی شعر پڑھیئے-

مین- اِس طرح مین میری غزل نہین- یہ دو شعر ابھی کہے ہین-

نواب- یہ اور طرّہ ہوا- فی البدیہ اور ایسے شعر- اچھّا اور کسی غزل کے شعر پڑھیئے-

مین- اب آپ ارشاد کیجیے- اسلیئے مین نے سبقت کی تھی-

نواب- مین پڑھے دیتا ہون مگر آپ کو غزل پڑھنا ہوگی-

اتنے مین کمرے کا دروازہ دھڑاک سے کھلا- اور ایک صاحب پچاس پچپن کا برس کا سن- سیاہ رنگت- کھِڑبِڑی داڑھی- ترچھی پگڑی باندھے- کمر بندھی ہوئی- کٹار لگی ہوئی کمرے کے اندر گھس آئے- اور آتے ہی نہایت ہی بے تکلفی سے میرا زانو دبا کے بیٹھ گئے- نوابصاحب نے میری طرف دیکھا- مین نے سر جھکا لیا- کاٹو تو بدن مین لہو نہین- کہان تو نواب سے یہ اقرار تھا کہ بالکل تخلیہ ہوگا- کمرے مین کوئی نہ ہوگا- کیس مزے کی گفتگو- کیسا ستھرا مذاق تھا- کیا راز و نیاز ہو رہا تھا- کہان یہ بلائے مہیب نازل ہوئی- سنگ آمد و سخت آمد-

اِن صاحب نے بیٹھتے ہی نواب کی طرف گھور گھور کے دیکھنا شروع کیا- جیسے کوئی اپنے باپ کے قاتل کو دیکھتا ہو- گھڑی گھڑی کٹار پر ہاتھ جاتا تھا- مین تو دل مین سہمی جاتی تھی- یا الٰہی یہ کیا آفت ناگہانی ہے- دیکھیے کیا ہوتا ہے- نواب اپنی طرف

کھنچے ہوئے بیٹھے ہین- تیوریان چڑھی ہوئی ہین-

ہائے کیا مزے کی صحبت تھی- اِس کمبخت نے کیسا مزے مین خلل ڈالا- نواب ابھی غزل پڑھنے کو تھے اوسکے بعد مین کچھ کہتی- نواب تعریفین کرتے کیا دل کو خوش ہوتا- آج ہی تو ایک ایسا قدردان ملا تھا- جسے مدتون سے میرا دل ڈھونڈھتا تھا- اور آج ہی اس آفت کا سامنا ہوا- خدا اِس موے کو جلدی یہان سے اوٹھائے- یہ خیالات میرے دل مین تھے اور وہ خونخوار صورت آنکھون کے سامنے تھی جسکی طرف دیکھنے سے میرا دل لرزا جاتا تھا- یہ تو میری جان کو گویا دلا درخان ہو گیا- بار بار یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ یہ کٹار جو اسکی کمر مین ہے یا میرے کلیجے کے پار ہوگئی یا خدانخواستہ نواب کو کچھ گزند پہونچائے گی- دل ہی دل مین کوستی تھی- خدا غارت کرے موا کہان سے اسوقت آگیا-

آخر مجھے اور تو کچھ نہ بن پڑا بوا حسینی کو آواز دی- اونھون نے آکے جو یہ ماجرا دیکھا سمجھہ گئین- بوا حسینی کی باتون سے معلوم ہوا کہ وہ ان صاحب کو کچھ جانتی بھی تھین-

بوا حسینی- خانصاحب مجھے کچھ آپ سے عرض کرنا ہے اِدھر تشریف لائیے-

خانصاحب- جو کچھ کہنا ہے یہین سے کہو- ہم لوگ کہین بیٹھ کے اوٹھتے ہین-

بوا حسینی- تو خانصاحب کوئی زبردستی ہے-

خانصاحب- اسمین زبردستی کیا- رنڈی کے مکان پر کسی . . . . . کا اجارہ نہین- اور اگر زبردستی ہے تو زبردستی ہی سہی- ہم تو نہین اوٹھنے کے- دیکھین تو ہمین کون . . . . . اوٹھا دیتا ہے-

بوا حسینی- اجارہ کیون نہین- جو زر خرچ کرے گا رنڈی اوسی کی ہے- پھر اور کوئی اوسوقت نہین آسکتا-

خانصاحب- تو کیا زر خرچ کرنے کو ہم نابر ہین-

بوا حسینی- اچھّا اسوقت اسکا کوئی موقع نہین- اور کسی وقت تشریف لائیےگا-

خانصاحب- عورت کچھ واہی ہوئی ہے- کہدیا ہم نہین اوٹھین گے-

مین نے دیکھا کہ نواب کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو گیا- مگر ابھی تک چپکے بیٹھے ہین- کچھ منھ سے نہین بولتے-

بوا حسینی۔ بیٹی اچھا تو ادھر اوٹھ کے چلی آ۔ نوابصاحب آپکے آرام کا وقت ہے۔ کوٹھے پر تشریف لیجایئے۔

مین نے اوٹھنے کا ارادہ کیا۔ اوس نگوڑے مارے نے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب کیا کرون!

نواب۔ خانصاحب رنڈی کا ہاتھ چھوڑ دیجیے اسی مین خیریت ہے۔ آپ بہت کچھ زیادتیان کر چکے ہین۔ مین خاموش بیٹھا رہا۔ صرف اس خیال سے کہ رنڈی کے مکان پر تہتک عزت کرنا اچھا نہین۔ مگر اب ۔۔۔۔۔۔

خانصاحب۔ مگر اب تم کیا کر سکتے ہو۔ دیکھین تو کون . . . . رنڈی کا ہاتھ چھڑوا لیتا ہے۔

مین (زور سے ہاتھ جھٹک کے) اچھا تو ہاتھ چھوڑ دیجیے۔ مین کہین جاتی نہین۔ (واقعی مین نواب کو چھوڑ کے ہرگز نہ جاتی)۔

خانصاحب نے ہاتھ چھوڑ دیا۔

نواب۔ مین کہے جاتا ہون کہ ذرا زبان سنبھال کے گفتگو کیجیے معلوم ہوتا ہے آپ نے شریفون کی صحبت نہین اوٹھائی۔

خانصاحب۔ خیر تم نے تو شریفون کی صحبت اٹھائی ہے جو کچھ تم سے ہو سکے کر لو۔

نواب۔ یہ تو معلوم ہوا کہ آپ لڑنے پر آمادہ ہین۔ مگر رنڈی کا مکان کوئی اکھاڑا نہین ہے۔ نہ میدان۔ بہتر ہے کہ اسکو اور کسی وقت پر موقوف رکھیے اور آپ تشریف لیجایئے۔ نہین تو ۔۔۔۔۔

خانصاحب۔ نہین تو تم مجھے گھول کے پی جاؤگے۔ تشریف لیجایئے کی خوب کہی۔ تمھین کیون نہین چلے جاتے۔

نواب۔ خانصاحب۔ جناب ایشر کی قسم مین بہت طرح دیتا ہون۔ اسلیے کہ مجھے کسی قدر اپنی عزت کا خیال ہے۔ والدین۔ عزیز۔ دوست احباب جو سنےگا نام رکھیگا۔ ورنہ آپ کو ابھی ان گستاخیون کا مزا چکھا دیتا۔ پھر مین آپ سے کہتا ہون کہ بے فائدہ حجت نہ کیجیے۔ تشریف لیجایئے۔

خانصاحب۔ رنڈی کے گھر پر تو آتے ہو۔ اور امان جان سے ڈرتے ہو۔

گستاخیان کیسی۔ مین کوئی تمھارے باپ کا نوکر ہون۔ تم اپنے گھر کے رئیس زادے ہو تو ہوا کرو۔ رنڈی کے مکان پر تم بھی بیٹھے ہو۔ ہم بھی بیٹھے ہین۔ جب ہمارا جی چاہے گا جایئن گے۔ تم خود بیکار حجت کرتے ہو۔ کسی کو اوٹھا دیتے دیکھا نہین۔

نواب۔ اوٹھا دینا تو کوئی مشکل نہین۔ خدمتگارون کو آواز دیتا ہون تو آپ کی گردن مین ہاتھ دے کے ابھی نکال دیتے ہین۔

خانصاحب۔ خدمتگارون کے بل پر نہ بھولنا۔ یہ کٹار بھی دیکھا ہے؟

نواب۔ ایسے بہت سے کٹار دیکھے ہین۔ جو وقت پر کام آئے وہ کٹار ہے آپکی کٹار میان سے نکلتی رہیگی۔ یہان تو ابھی آپ کی گردن ناپ دیجایگی۔ پھر دیکھا جائے گا۔

خانصاحب۔ بے اب تمھین گھر کو جاؤ اماّن جان یاد کرتی ہونگی۔

مین دیکھ رہی تھی کہ نواب کا چہرہ بالکل متغیر ہو گیا ہے۔ مارے غصے کے تھر تھر کانپ رہے ہین۔ مگر واہ ری شرافت اوس پاجی نے کس قدر سخت سست کہا مگر یہ آپ ہی آپ کر کے بات کر رہے ہین۔ اس سے مجھے پہلے تو یہ خیال ہوا کہ نواب ڈر گئے۔ مگر یہ خیال میرا غلط نکلا۔ واقعی نواب کو اپنی عزت کا خیال تھا۔ اسی لیے طرح دے رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ حتی الامکان سہولت سے رفع دفع ہو جائے مگر اوس پاجی کی بدزبانی بڑھتی جاتی تھی جس قدر نواب طرح دیتے تھے وہ اور شیر ہوتا جاتا تھا۔ آخر نواب نے کہا۔

نواب۔ اچھا اوٹھیے خانصاحب ہم آپ دونون یہان سے چلے چلین عیش باغ مین چل کے ہمارے آپکے دو دو ہاتھ ہو جایئن۔

خانصاحب۔ (قہقہہ مار کے) صاحبزادے ابھی تم خود منہ چومنے کے لائق ہو۔ اور مردون سے خانہ جنگی کرنے کا حوصلہ۔ کہین کوئی چرکا کھا جاؤگے تو اماّن جان روتی پھرینگی۔

نواب۔ مردود اب تیری بدزبانیان حد کو پہونچ گئی ہین۔ دیکھ اب تجھے تیری گستاخی کی سزا دیتا ہون۔

یہ کہتے ہی کہتے نواب نے دوہائی کے اندر سے ہاتھ نکالا۔ ہاتھ مین تنچہ تھا

دن سے داغ دیا۔ خانصاحب دھم سے گر پڑے۔ میں سن سے ہوگئی۔ فرش پر خون ہی خون نظر آتا تھا۔ بوا حسینی جہاں کھڑی تھیں۔ کھڑی رہگئیں۔ تنچے کی آواز سنکے خانم صاحب۔ مرزا صاحب۔ میر صاحب۔ خورشید جان۔ امیر جان۔ بسم اللہ جان۔ خدمتگار۔ مہریاں ۔ غرض سب دوڑے آئے۔ میرے کمرے میں بھیڑ ہوگئی۔ سب اپنی اپنی کہنے لگے۔ اتنے میں۔

شمشیر خان (ایک ادھیڑ سا آدمی نوابصاحب کا ملازم) نے لپک کے نواب کے ہاتھ سے تنچہ لے لیا۔ اور کہا۔ لے اب حضور گھر تشریف لیجائیں۔ میں سمجھ لونگا۔

نواب۔ میں نہیں جاتا۔ اب جو کچھ ہوا ہوا۔ اور جو کچھ ہونا ہوگا ہو جائے گا۔

شمشیر خان۔ (کمر سے چھری نکال کے) جناب امیر علیہ السلام کی قسم۔ ابھی اپنے کلیجے میں مار لونگا۔ نہیں تو برائے خدا آپ چلے جائیے۔ آپ کا یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں ہے۔

اتنے میں لوگوں نے دیکھا۔ خانصاحب کے گولی کہاں لگی۔ معلوم ہوا کہ جان کی خیریت ہے۔ بازو میں گولی لگی تھی اوسپار ہوگئی۔

شمشیر خان۔ میں عرض کرتا ہوں کہ حضور تشریف لیجائیں۔ اس مردود کا ہوا ہی کیا ہے۔ آپ کیوں بدنام ہوتے ہیں۔

بارے نوابصاحب بھی کچھ سمجھ کے اوٹھے۔ ایک آدمی ہمارے یہاں سے ساتھ کیا گیا۔ گھر تشریف لے گئے۔ خانم نے اوسی وقت مرزا علی رضا بیگ کو بلوا بھیجا کہ وہ چوک ہی میں تھے۔ فوراً چلے آئے۔ خانم نے علحدہ لیجا کر نہیں معلوم کیا کان میں پھونکا۔ وہاں سے آئے تو یہ کہتے ہوئے آئے

مرزا۔ ہوگا۔ ٹھیک دو مردود کو کمرے کے نیچے۔ سمجھ لیا جائے گا۔

خیر۔ خانصاحب کو کمرے کے نیچے تو نہیں پھینکا۔ بازو پر پٹی باندھی۔ ڈولی منگوائی گئی خانصاحب کو بھی کسی قدر ہوش آگیا تھا۔ مکان کا پتہ پوچھا۔ معلوم ہوا۔ مرغ خانے میں رہتے ہیں۔ ڈولی پر بٹھا کے ان کے گھر بھجوا دیا۔ کہاروں کو سمجھا دیا تھا۔ مکان کے قریب کہیں پٹاو تا مکے چلے آنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سلطان صاحب کئی دن تک نہیں آئے نہ اونکا آدمی آیا۔ مجھے اون سے محبت سی ہوگئی تھی یقین تھا کہ وہ اب نہ آئینگے۔ اور وہ آدمی ایسا تھا بھی۔ وضعدار آدمی تھے۔ پہلے ہی جب وہ آئے تھے آدمی کی زبانی پیشتر بہت تاکید کہلانے کے لیے کر دی تھی۔ بوا حسینی نے اقرار کر لیا تھا کہ کوئی نہ آنے پائے گا۔ مگر اتنی چوک ہوگئی کہ دروازے پر کسی کو بٹھا نہ دیا۔ خانصاحب از غیبی ڈھیلا خدا جانے کہاں سے آن پڑے۔ سارا کھیل بگڑ گیا۔ اتفاق سے پانچ چار دن کے بعد میرا ایک برات میں مجرا آگیا تھا۔ وہاں نواب سلطان صاحب بھی تشریف رکھتے تھے میرا پہلا مجرا نو بجے رات کو شروع ہوا تھا۔ محفل میں بات کرنا کیسا اشارے کنائے کا بھی موقع نہ تھا۔ ایک لڑکا گورا گورا کوئی نو دس برس کا سن۔ بھاری کپڑے پہنے سلطان صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ کسی ضرورت سے اوٹھا۔ میرا مجرا ہو چکا تھا۔ علحدہ کمرے میں پیشواز اوتار رہی تھی میں نے اوسے اشارے سے بلا لیا۔ پاس بٹھایا۔ ایک پان لگا کے دیا۔ پوچھا۔

میں۔ سلطان صاحب کو جانتے ہو۔

لڑکا۔ کون سلطان صاحب!

میں۔ وہ جو دولھا کے برابر تمھارے پاس بیٹھے تھے۔

لڑکا۔ (تیوری چڑھا کے) واہ! وہ تو ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ اونھیں ذرا سلطان صاحب نہ کہنا۔

میں۔ اچھا تو ہم تمھیں کچھ دیں اونھیں دے دو گے؟

لڑکا۔ کہیں وہ ہم پر خفا ہوں

میں۔ خفا نہیں ہونگے۔

لڑکا۔ اور دو گی کیا۔ پان؟

میں۔ پان نہیں پان تو اونکے خاصدان میں ہونگے۔ اے لو یہ کاغذ دے دینا۔ ایک پرچہ کاغذ کا کمرے میں فرش پر پڑا تھا۔ میں نے اوس پر کوئلے سے یہ شعر لکھ دیا۔

مدتوں سے ہم ہیں محروم عتاب
بزم میں آج اونکو چھیڑا چاہیے

اور سمجھا دیا کہ یہ کاغذ اوٹھا کے بچا کے سامنے رکھدینا اونکو معلوم بھی نہوگا۔ لڑکے نے ایسا ہی کیا۔ مین کمرے کے پٹ کی آڑ سے جھانک رہی تھی۔ سلطان صاحب نے وہ کاغذ اوٹھا یا پڑھا۔ پہلے تو چہرے پر کچھ فکر کے آثار ظاہر ہوے۔ پھر تھوڑی دیر تک غور سے پرچے کو دیکھتے رہے۔ اوسکے بعد مسکرا کے جیب مین رکھ لیا شمشیر خان کو اشارے سے بلایا۔ اوسکے کان مین کچھ چپکے سے کہا۔ کوئی گھنٹے بھر کے بعد شمشیر خان ہمارے کمرے مین آیا۔

شمشیر خان۔ نوابصاحب نے کہا ہے اوس پرچے کا جواب ہم گھر پر جا کے لکھ بھیجینگے۔

دوسرا مجرا صبح کو ہوا تھا اوسوقت سلطان صاحب محفل مین نہ تھے۔ اونکے بغیر محفل مجھے سونی معلوم ہوتی تھی۔ گانے مین دل نہ لگتا تھا۔ آخر جون توں مجرا ختم ہوا۔ مین گھر پر آئی۔ اوسدن دن بھر شمشیر خان کا انتظار رہا۔ بارے چراغ جلنے کے بعد وہ آیا۔ نوابصاحب کا رقعہ دیا۔ مضمون یہ تھا۔

"تمھارے شعر نے اوس آگ کو جو میرے دل مین دبی ہوئی تھی کرید کر بھڑکا دیا۔ واقعی مجھے تم سے محبت ہے۔ مگر پاسِ وضع سے مجبور ہون۔ تمھارے مکان پر اب ہرگز نہ آؤنگا۔ میرے ایک بے تکلف دوست نواز گنج مین رہتے ہین۔ کل مین تمھین وہان بلوا بھیجونگا بشرط فرصت چلی آنا۔ یہی ایک صورت ملنے کی ہے وہ بھی نو دس بجے رات تک۔

شبِ وصال کی کوتاہیون کا شکوا کیا
یہان تو ایک نظر دیکھنے کے لالے ہین

سلطان صاحب اوس دن سے کبھی خانم کے مکان پر نہین آئے۔ ہفتے مین دو تین مرتبہ نواز گنج مین نواب بنّے صاحب کے مکان پر بلوا بھیجتے تھے۔ عجب لطف کی صحبت رہتی تھی۔ کبھی شعر و سخن کا چرچا ہوا۔ کبھی نواب بنّے صاحب طبلہ بجانے لگے مین گانے لگی۔ سلطان صاحب خود بھی گاتے تھے۔ تال سم سے تو کچھ ایسے واقف نہ تھے مگر اپنی غزل آپ خوب گا لیتے تھے۔ یہ شعر

کچھ اِسطرح سے نظر بازیون کی مشق رہی + مین اونکو اور وہ میری نظر کو دیکھتے ہین

جب یاد آتا ہے اوس جلسے کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔ گرمیون کے دن شب مہتاب کا عالم۔ صحن باغ مین گھٹنون گھٹنون کے چوکے پر سفید چاندنی کا فرش ہے گاؤ تکئے لگے ہوے۔ سامان عیش و نشاط مہیا۔ باغ مین طرح طرح کے پھول کھلے ہوے۔ بیلے چنبیلی کی مہک سے دماغ معطر خوشبودار گلوریان۔ بسے ہوے حقے۔ نکھلے کا جلسہ۔ آپس کی چہلین۔ بے تکلفی کی باتین۔ ایسے ہی جلسون مین بیٹھکر دنیا و مافیہا کا تو ذکر کیا۔ انسان خدا کو بھی بھول جاتا ہے۔ اور اِسی کی سزا ہے کہ ایسے جلسے بہت ہی جلد برہم ہو جاتے ہین۔ اور اونکا افسوس مرتے دم تک رہتا ہے بلکہ شاید مرنے کے بعد بھی۔

لذّتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ
خلد مین بھی یہ بلا یاد آئی

واقعی سلطان صاحب کو مجھسے اور مجھے اون سے محبت تھی۔ دونون کے مذاق کچھ ایسے ملتے ہوے تھے کہ اگر عمر بھر کا ساتھ ہوتا تو کبھی ملال نہوتا۔ سلطان صاحب کو شعر و سخن کا شوق تھا۔ اور مجھے بھی بچپن سے اسکی لت ہے۔ سلطان صاحب سے جیسا میرا دل ملا اور کسی سے نہین ملا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اِسی سبب سے مجھے محبت کرتے تھے۔ بات بات مین وہ شعر پڑھتے تھے۔ مین جواب دیتی تھی۔ مگر افسوس فلک تفرقہ انداز نے وہ جلسہ بہت ہی جلد برہم کر دیا۔

دل یہ کہتا ہے فراقِ ماہ و انجم دیکھکر
ہائے کیا کیا صحبتین راتون کی برہم ہو گئین

رسوا۔ اچھا وہ تو سب کچھ ہوا۔ آپ کے قدم کی برکت سے ایسے ایسے بہت سے جلسے برہم ہو گئے ہونگے۔

امراؤ۔ واہ مرزا صاحب تو کیا میرے دشمن منحوس ہین۔ یہ آپ نے خوب کہی۔

رسوا۔ یہ تو مین نہین کہہ سکتا۔ مگر سلامتی سے جہان آپ تشریف لیگئین صفائی ہو گئی۔

امراؤ۔ اب جو چاہے کہیئے۔ اگر ایسا جانتی کہ آپ یہ کہین گے تو اپنی روداد ہرگز نہ بیان کرتی۔ خیر اب تو قصور ہوا۔

رسوا۔ قصور ابھی تو آپنے زندگی بھر مین ایک کام کیا جس سے آپکا نام دنیا مین رہجائے گا۔

خواہ نیکنامی کے ساتھ۔ خواہ بدنامی۔ کے ساتھ اِسکا مین ذمہ نہین کرتا۔ اب اس بات کو یہین تک رہنے دیجیے۔ ذرا اوس غزل کے دو تین شعر اور یاد ہون تو پڑھ دیجیے۔

امراؤ۔ آپ بھی آدمی کو خوب بناتے ہین۔

رسوا۔ خیر بگاڑنا تو نہین۔ اچھا اب شعر پڑھیے۔

امراؤ۔ اچھا۔ سُنیے۔ ایک مطلع اور دو شعر اور یاد ہین۔ مطلع۔

دردِ دل کی لذتین صرفِ شبِ غم ہوگئین
طولِ فرقت سے بہت بیتابیان کم ہوگئین

وہ جو بیٹھے سوگ مین زلفِ رسا کھولے ہوے
حسرتین میری شریکِ بزمِ ماتم ہوگئین

ہمنشین دیکھی نحوست داستانِ ہجر کی
صحبتین جمنے نہ پائی تھین کہ برہم ہوگئین

اسی زمانے مین نواب جعفر علیخان صاحب کی ملازم ہوئی۔ سن شریف کوئی ستر برس کے قریب تھا۔ مُنہ مین ایک دانت نہ تھا۔ پشت خم ہوگئی تھی۔ سر مین ایک بال سیاہ نہ تھا۔ مگر اب تک اپنے کو پیار کرنے کے لائق سمجھتے تھے۔ ہاے وہ اُنکا چکنی کا انگرکھا اور گلبدن کا پاجامہ۔ لال نیفہ۔ مصالح دار ٹوپی۔ کاکلین بنے ہوئی۔ عمر بھر نہ بھولین گی۔

آپ کہیے گا کہ اِس عمر اور ایسی حالت مین رنڈی نوکر رکھنا کیا ضرور تھا۔ سُنیے مرزا صاحب اوس زمانے کا فیشن یہی تھا۔ کوئی امیر رئیس ایسا بھی ہوگا جسکے پاس رنڈی نہ ہو۔ نوابصاحب کی سرکار مین جہان اور سامان شان و شوکت کے تھے۔ وہان سلامتی منانے کے لیے جلوسون مین ایک رنڈی کا بھی اسم تھا۔ پچھتر روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ دو گھنٹے کے لیے مصاحبت کرکے چلی آتی تھی۔ اور تکلف سُنیے نواب بوڑھے ہوگئے تھے۔ مگر کیا مجال نو بجے کے بعد دیوانخانے مین بیٹھ سکین۔ اگر کسی دن اتفاق سے دیر

ہوگئی۔ کھلائی آکے زبردستی اوٹھا لیجاتی تھی۔ نوابصاحب کی والدہ زندہ تھین اُنسے اوسی طرح ڈرتے تھے۔ جس طرح پانچ برس کا بچہ ڈرتا ہو۔ بیوی سے بھی انتہا کی محبت تھی۔ بچپن مین شادی ہوئی تھی۔ مگر سوائے عشرۂ محرم اور شبون کے کسی دن علٰحدہ سونے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔

آپ تو ہنستے ہون گے مگر میرے دل سے پوچھیے۔ بیشک پیار کرنے کے قابل تھے۔ اِس بڑھاپے مین جس وقت سوز پڑھتے تھے۔ دل لوٹ جاتا تھا۔

فنِ موسیقی مین اونکو کمال تھا۔ کیا مجال کوئی اونکے سامنے گا سکے۔ اچھے اچھے گویّون کو ٹوک دیا۔ سوزخوانی مین یکتا تھے۔ سندی سوز میر علی صاحب کے اونکو پہونچے ہوے تھے۔ اونکی ملازمت سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ سیکڑون سوز یاد ہوگئے۔ دُور دُور میری شہرت ہوگئی۔

خانم کی تعزیہ داری تمام شہر کی رنڈیون سے بڑھ چڑھ کے تھی۔ امام باڑے مین علم۔ پٹکے۔ شیشہ آلات۔ جو شے تھی۔ نادر تھی۔ عشرۂ محرم مین دس دن تک روز مجلس ہوتی تھی۔ عاشورے کے دن سیکڑون محتاج مومنین کی فاقہ کشی کی جاتی تھی۔ چہلم تک ہر جمعرات کو مجلس ہوتی تھی۔

میری سوزخوانی مشہور تھی۔ ایسی ترکیبین اور کسی کو کب یاد تھین۔ بڑے بڑے سوزخوان میرے سامنے مُنہ نہ کھول سکتے تھے۔ اِسی سوزخوانی کی بدولت نواب ملکہ کشور کے محل تک میری رسائی ہوئی۔ جہان پناہ نے خود میری نوحہ خوانی کی تعریف کی۔ سرکار شاہی سے مجکو بہت کچھ ہر محرم مین عطا ہوتا تھا۔ مرثیہ خوانون مین میرا اسم تھا۔ شب کو اپنے امام باڑے مین ماتم کرکے مجھے درِ دولت پر حاضر ہونا پڑتا تھا۔ کوئی دو بجے شب کو وہان سے آتی تھی۔

جس زمانے مین بسم اللہ کی مسّی ہوئی تھی نواب چھبن صاحب کے چچا کربلاے معلّٰی گئے ہوئے تھے۔ بسم اللہ کی مسّی کو کوئی چھ مہینے گذرے ہون گے کہ وہ کربلا سے تشریف لائے۔ اونکی لڑکی کی نواب کے ساتھ منگنی ہوچکی تھی۔ اوٹھون نے آنے کے ساتھ ہی شادی کا زور دیا۔ نوابصاحب بسم اللہ جان پر مرتے تھے۔ اِدھر

بسم اللہ نے گھر مین بیٹھ جانے کا فقرہ دے رکھا تھا۔ صاف انکار کر دیا۔ مگر انکار جاتا کب تھا۔ شاہی زمانہ اونکی اوڑکی پر کالی چڑھ چکی تھی وہ کب مانتے تھے۔

ایک شب کو نواب کے مکان پر جلسہ ہے۔ مصاحبین جمع ہین۔ بسم اللہ نواب کے پہلو مین بیٹھی ہین۔ اوس رات کو بسم اللہ کے ساتھ مین بھی چلی گئی تھی۔ سامنے بیٹھی گا رہی ہون۔ نوابصاحب طنبورہ چھیڑ رہے ہین۔ نواب کے ایک مصاحب خاص دلبر حسین طبلہ بجا رہے ہین۔ اتنے مین ایک خبردار نے خبر دی کہ بڑے نوابصاحب (نوابصاحب کے چچا) تشریف لائے ہین۔ نوابصاحب یہ سمجھے کہ آئے ہین تو اندر محل مین بیگم صاحب (نوابصاحب کی والدہ) کے پاس جائینگے ہم سب کو بھی یہی خیال تھا۔ مگر وہ ذرا نا دیوانخانے مین گھسے چلے آئے۔ آ کے جو دیکھا تو یہ جلسہ ہے۔ آگ بگولہ ہو گئے۔ خیر ادبکے آنے کے ساتھ ہی گانا تو موقوف ہوا۔ نوابصاحب اوٹھ کھڑے ہوے۔

بڑے نوابصاحب۔ خیر اب تعظیم تکریم کو رہنے دیجئے۔ مجھے ایک امر ضروری عرض کرنا تھا۔ ورنہ آپ کے عیش مین خلل انداز ہوتا۔

نواب۔ ارشاد۔

بڑے نواب۔ آپ بچے ہین۔ آپ کو معلوم نہین۔ میرے چھوٹے بھائی نواب احمد علیخان مرحوم نے والدہ مرحومہ کے سامنے انتقال کیا تھا۔ اس وجہ سے آپ محجوب الارث ہین۔ کوئی حق آپ کا اوس جائداد مین نہین ہے۔ جسپر آپ قابض اور متصرف ہین۔ بیشک والدہ مرحومہ نے آپ کو بیٹا کیا تھا۔ اور مرتے وقت آپ کے نام وصیت بھی کر گئی ہین۔ مگر وہ کوئی چیز نہین۔ صرف ایک ثلث جائداد بنا براین وصیت نامہ کے آپ کو مل سکتی ہے۔ مگر لوگون کے کہنے سننے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ثلث سے زیادہ صرف کر چکے ہین۔ خیر ثلث کا مجکو دعوی نہین اور زیادہ کی نسبت آپ سے باز پرس بیجا ہوگی۔ اسلیئے کہ آپ میرے خون جگر ہین۔

اسکے بعد بڑے نوابصاحب آبدیدہ ہو گئے۔ مگر پھر ضبط کر کے آپ اس جائداد پر مدت العمر قابض و متصرف رہتے۔ میری ذاتی جائداد میرے خرچ کے لیئے کفایت کرتی ہے۔ اور اوس جائداد کے بھی آپ ہی وارث ہوتے۔ مگر آپ کی بدوضعی نے مجکو مجبور کیا

کہ آپ کو اس جائداد موروثی سے بیدخل کر دون۔ بزرگون کی نیک کمائی حرامکاری مین لٹانے کے لیئے نہین ہے۔ منصف الدولہ کے آدمی میرے ہمراہ ہین۔ اسی وقت تمام گھر کا تعلیقہ ہوگا۔ آپ فوراً مع ارباب نشاط یہان سے تشریف لیجائیے۔

نواب۔ تو اس جائداد مین میرا کوئی حق نہین۔

بڑے نواب۔ جی نہین — **نواب۔** اچھا ایک ثلث پانے کا مستحق ہون

بڑے نواب۔ وہ آپ لیچکے۔ اور اگر آپ کو کچھ دعوی ہے تو دار دولت پر تشریف لیجائیے۔ میرے نزدیک آپ کا ایک حبہ نہین ہے۔

نواب۔ تو اچھا اماّن جان کو مین اپنے ساتھ لیتا جاؤن گا۔

بڑے نواب۔ وہ آپ سے دست بردار ہوتی ہین۔ وہ میرے ساتھ کربلا جائینگی۔

نواب۔ اچھا تو مین کہان جاؤن۔؟

بڑے نواب۔ یہ مین کیا جانون۔ یہ اپنے مصاحبین اور ملازمین اور معشوقہ و معشوقون سے دریافت کیجئے۔

نواب۔ اچھا تو میرے کپڑے اسباب وغیرہ تو دے دیجئے۔

بڑے نواب۔ اس مکان مین آپ کا کوئی اسباب نہین ہے۔ نہ آپ کے ذاتی بنوائے ہوئے کپڑے ہین۔

اسکے بعد منصف الدولہ کے آدمی دیوانخانے مین چلے آئے۔ نوابصاحب کو مع مصاحبین و ارباب نشاط گھر سے باہر کیا۔

ہم لوگون نے گھر سے نکلتے ہی ڈولیان کرایہ کین۔ چوک کا راستہ لیا۔ مصاحبین اور نوابصاحب خدا جانے کہان گئے۔

سنا ہے کہ مصاحبین ایک ایک کر کے راستہ ہی سے رخصت ہو گئے۔ نواب کے والدہ کا ایک قدیم ملازم مخدوم بخش جسکو نوابصاحب نے بیکار سمجھکر نوکری سے برطرف کر دیا تھا راستے مین ملا۔ اوسنے حال دریافت کیا۔ انکی بیکسی پر ترس کھا کے اپنے گھر لے آیا۔

نوابصاحب کے گھر سے آنے کے بعد شب کو بسم اللہ کے گھر مین جلسہ ہے۔ کا میان حسنو نوابصاحب کے خاص کارکن۔ مصاحب۔ دوست۔ جان نثار۔ جہان نواب

پسینا گرے وہان اپنا خون گرانے والے تشریف رکھتے ہین۔ یہ آج ہی کچھ نہین آئے ہین پہلے بھی نواب کے چوری چھپے آیا کرتے تھے۔ مگر آج کھلے خزانے بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھے ہین۔ اسوقت آپ بسم اللہ جان پر گویا بے شرکت احدے و بے مزاحمت غیرے قابض و متصرف ہین۔ نوکری کی گفتگو ہو رہی ہے۔

حسنو۔ دیکھو بسم اللہ جان۔ نواب سے تو اب کوئی امید نہ رکھو۔ مین جو کچھ کہو۔ وہ دیدیا کرون۔ غریب آدمی ہون۔ زیادہ تو میری اوقات نہین۔ جو نواب صاحب دیتے تھے اوسکا نصف بھی مجھے ممکن نہین۔ مگر ہان کسی نہ کسی طرح آپ کو خوش رکھونگا۔

بسم اللہ۔ غریب آدمی ہو۔ یہ نہین کہتے کہ نواب کی دولت کاٹ کاٹ کے گھر مین بھرلی۔ اور پھر ہم سے غریبی بیان ہوتی ہے۔ ایسے غریبون کو تاؤ تو نومن چربی سے کم نہ نکلے۔

میر حسنو۔ ہین۔ ہین۔ تم تو ایسا نہ کہو۔ وہ نواب کے پاس تھا ہی کیا جو مین گھر مین بھر لیتا۔ کیا میری والدہ صاحبہ کے پاس کچھ کم تھا۔

بسم اللہ۔ آپ کی والدہ صاحبہ۔ بوا فرخندہ نواب سرفراز محل کی خاصہ والیون مین تھین نہ؟

میر حسنو۔ (جھینپ کے) وہ جو کوئی ہون۔ جب مری ہین تو کوئی چار ہزار کا تو زیور چھوڑ کے مری ہین۔

بسم اللہ۔ وہ آپ کی بیوی سے کے یار کے ساتھ نکل گئین۔ آپ کے پلے کیا پڑا۔ میرے آگے ذرا شیخی نہ بگھاریے۔ مجھے رتی رتی حال آپ کا معلوم ہے۔

حسنو۔ تو کیا والد کے پاس کچھ کم تھا۔

بسم اللہ۔ والد آپ کے نواب محسن علیخان کے چڑیمارون مین تھے۔

حسنو۔ چڑیمارون مین؟

بسم اللہ۔ اچھا وہ مرغبازون مین سہی۔

حسنو۔ مرغبازون مین تھے۔؟

بسم اللہ۔ اچھا وہ بٹیر باز سہی۔ تھا تو چڑیا کا کام۔

حسنو۔ لیجیے آپ تو مذاق کرتی ہین۔

بسم اللہ۔ مین تو کھری کہتی ہون۔ اسی سے بُری مشہور ہون۔ اور مین یہ کہتی بھی نہ تمھارے چھچھورے پن پر جی جل گیا۔ یون تم آتے تھے۔ مین نے کبھی منع نہین کیا۔ آج ہی تو نواب پر یہ واردات ہوئی۔ آج ہی آپ نے میرے منہ در منہ نوکری کا پیغام دے دیا۔ ہوش کی دوا کرو۔ تم کیا نوکر رکھوگے۔ یہی نہ ایک مہینہ۔ دو مہینہ۔ وہ تین مہینے سہی۔ بس۔

حسنو۔ چھ مہینے کی تنخواہ جمع کردون۔

بسم اللہ۔ زبان سے۔

حسنو۔ یہ لو (سونے کے جڑاؤ کڑے کی جوڑی کمر سے نکال کے) تمھارے نزدیک کتنے کا مال ہوگا۔

بسم اللہ۔ مین دیکھون۔ کڑے حسنو کے ہاتھ سے لیکے۔ اپنے ہاتھون مین پہن لیے کل چھنامل کے لڑکے کو دکھاؤن گی۔ مگر بنے اچھے ہین۔ اچھا تو اب آپ تشریف لیجائیے۔ اسوقت تو مجھے چھٹن باجی نے بلا بھیجا ہے۔ ٹھہر نہین سکتی۔ کل اسی وقت آئیے گا۔

حسنو۔ تو کڑے اوتار دیجیے۔

بسم اللہ۔ یا اللہ! کوئی چورون سے بِہوار ہے۔ مین تمھارے کڑے کچھ کھا نہ جاؤنگی اسوقت میرے ہاتھ مین سادی بٹریان پڑی ہوئی ہین۔ اماّن جان سے چھپ کے جاتی ہون اون سے کڑے مانگون گی تو کہین گی کیا کرو گی۔ اسلیئے ذرا ہاتھ مین ڈال لیئے۔ صبح کو لے جانا۔

حسنو۔ کڑے دیدیجیے۔ میرے نہین ہین۔ نہین تو کیا بات تھی۔ تمپر سے صدقے کیے تھی

بسم اللہ۔ تو کیا آپ کی اماّن کے ہین۔ اونھون نے انتقال کیا۔ پھر بھی آپکا مال ہے

حسنو۔ مین نے یونہین تمھیں دکھا دیے تھے۔ میرا مال نہین ہے۔

بسم اللہ۔ جیسے مین پہچانتی نہین۔ یہ وہی کڑے ہین جو نواب نے اوسدن میرے سامنے گروی کو دیے تھے۔

حسنو۔ لو اور سنو۔ یہ کب؟

بسم اللہ۔ یہ جب۔ کہ جس دن بہن امراؤ کے مجرے کی فرمایش ہوئی تھی۔ بہن امراؤ نے

ضد کی کہ مین تو روپے نہ لوں گی۔ نواب کے پاس خرچ نہ تھا۔ میرے سامنے صندوقچہ نکال کے کپڑے پھینک دیے تھے۔ (پھر میری طرف مخاطب ہو کے)

دیکھنا بہن امرا دیہ وہی کپڑے ہین نہ؟۔

مین۔ مجھے کیا پوچھتی ہو۔ کیا تم جھوٹ کہو گی۔؟۔

بسم اللہ۔ یہ خشکا کھایئے۔ اب یہ کپڑے آپ کو نہ دیئے جائین گے۔ یہ ہمارے نواب کے کپڑے ہین۔ ہمنے پہچانے۔ اب ہم نہ دین گے۔

حسنو۔ لو۔ اچھی کہی۔ اور وہ روپے جو ہمنے دیے ہین۔

بسم اللہ۔ روپے تم کہان سے لائے۔ وہ بھی نواب کا مال تھا۔

حسنو۔ جی سچ۔ مہاجن سے بیازوء (سودی) لاکے دیئے تھے۔

بسم اللہ۔ اچھا تو مہاجن کو بھیجدیجیے۔ ہم اوسکو روپے دیدین گے۔ آپ ٹہلیئے۔

حسنو۔ کپڑے تو مین لے کے جاؤن گا۔

بسم اللہ۔ مین تو نہ دونگی۔ حسنو۔ تو کچھ زبردستی ہے۔

بسم اللہ۔ جی ہان زبردستی ہے۔ لے اب چپکے سے کھسک جایئے نہین تو۔۔۔۔،

حسنو۔ اچھا تو رہنے دیجیے۔ کل ہی دیدیجیے گا۔

بسم اللہ۔ کل دیکھا جائے گا۔

"دیکھا جائیگا" بسم اللہ نے اس تیور سے کہا کہ میان حسنو کو چپکے سے اوٹھ کے چلے جاتے ہی بن پڑی۔

بات یہ تھی کہ نوابصاحب کے چچانے جب چھبن صاحب کے نوکرون سے حساب فہمی کی ہے اوسوقت جس قدر اسباب جس جس کی معرفت تھا اوسکو سود اور اصل کا روپیہ دے کے چھڑوا لیا۔ حسنو سے اس کپڑے کی جوڑی کے لیے جب بازپرس ہوئی تو یہ صاف مکر گیا کہ میری معرفت گروی نہین ہوے۔

اسی سے میان حسنو کی کورو چی تھی۔

بسم اللہ۔ (حسنو کے چلے جانے کے بعد مجھسے) دیکھا بہن یہ بڑا قابوچی ہے۔ نواب کا گھر اسی موذی نے تہس نہس کیا۔ مین مدت سے اس موئے کی تاک مین تھی۔ آج ہی تو داؤن پر چڑھا ہے۔ یہ کپڑے مین اسکو کب دیتی ہون۔ کہاں کیا سکتا ہے۔

چوری کا تو مال ہے۔

مین۔ ہرگز نہ دینا۔ دینا ہے تو نواب کو دیدو۔ احسان بھی ہو گا۔

بسم اللہ۔ نواب کو بھی نہ دونگی۔ بہن گیارہ سو کی جوڑی ہے۔ موئے نے سوا دو سو پر تھیا لی تھی۔ زیادہ برین نیست۔ سوا دو سو حوالے کرون گی۔ دس مین سود کے سہی

مین۔ بھلا مہاجن تمھین کیون دینے لگا۔

بسم اللہ۔ کیسا مہاجن۔ اسی نے روپے دیئے تھے۔ اور جب بڑے نواب نے پوچھا تو کیسا مکر گیا۔ اور اگر یہ کچھ زیادہ ٹرھپس کرینگے تو انکو تو الی چبوترہ دکھا دونگی

ابھی یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ نوابصاحب تشریف لائے۔ پاپیادہ۔ اکیلے۔ چہرے پر اوداسی چھائی ہوئی۔ آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے۔ نہ وہ شان نہ وہ شوکت۔ نہ وہ رعب داب نہ وہ بے تکلفی۔ چپکے آکے اک کنارے مبٹھ گئے۔ سچ کہون۔ میری تو آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ مگر مین نے اپنے کو ضبط کیا۔ مگر واہ ری بسم اللہ۔ رنڈی ہو تو ایسی ہو۔ آتے کے ساتھ ہی کپڑون کا قصہ چھیڑ دیا۔

بسم اللہ۔ نواب دیکھو یہ وہی کپڑے کی جوڑی ہے نا۔ جو تمنے اوسدن حسنو کو گروی کرنے کو دی تھی۔

نواب۔ وہی ہین۔ یہ تو مکر گیا تھا کہ میرے ہاتھون گروی نہین ہوے۔

بسم اللہ۔ کتنے پر گروی ہوے تھے۔

نواب۔ یہ تو یاد نہین۔ شاید ڈھائی سو یا سوا دو سو۔ کچھ ایسے ہی تھے۔

بسم اللہ۔ اور سود کیا تھا۔

نواب۔ سود کا حساب کس نے آجتک کیا۔ جو چیز گروی ہوئی۔ پھر اوسکے کبھی چھڑانے کی نوبت نہین آئی۔ جو سود کا حساب کیا جاتا۔

بسم اللہ۔ اچھا تو یہ کپڑے مین لے لون۔

نواب۔ لے لو۔

بسم اللہ۔ کہو تو میان حسنو کو مرزا صاحب کے پاس بھیجون۔

نواب۔ نہین۔ میرے سر کی قسم ایسا نہ کرنا۔ سید ہے۔

بسم اللہ۔ سید ہے۔ اسکے باپ کا تو پتہ نہین۔

نواب- خیر وہ تو اپنے منہ سے کہتا ہے۔

مین اپنے دل مین نواب کی ہمّت پر آفرین کرنے لگی۔ واہ ری ہمّت۔ کیا کہنا خاندانی رئیس ہین نہ۔

بسم اللہ کی بے مروّتی دیکھیے۔ نواب سے وہی چھٹن جان کے گھر جانے کا بہانہ کرکے اونکو سویرے سے رخصت کر دیا۔ خدا جانے کس سے وعدہ تھا۔

اس واقعے کے دوسرے یا تیسرے دن کا ذکر ہے۔ مین خانم صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی ہون۔ اتنے مین ایک بوڑھی سی عورت آئی۔ خانم صاحب کو جھک کے سلام کیا۔ خانم نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سامنے بیٹھ گئی۔

خانم- کہان سے آئی ہو۔

بڑھیا- کیا بتاؤن- کہان سے آئی ہون- کوئی ہے تو نہین- کیون؟-

خانم- بوا یہان کون ہے؟ مین ہون- تم ہو- اور یہ چھوکری ہے- اسکو بات سمجھنے کی تمیز نہین- کہو-

بڑھیا- مجھے نواب فخر النسا بیگم صاحب نے بھیجا ہے-

خانم- کون فخر النسا بیگم صاحب؟

بڑھیا- اے لو تم نہین جانتین- نواب چھبّن .... "

خانم- سمجھی- کہو-

بڑھیا- بیگم صاحب نے مجھے بھیجا ہے- آپ بسم اللہ جان کی مان ہین نہ-

خانم- ہان- بات کہو-

بڑھیا- بیگمصاحب نے کہا ہے کہ چھبّن صاحب میرا اکلوتا لڑکا ہے- مین بھی آپ پر دانہ ہون- اور اوسکا باپ بھی پروانہ تھا- میرے نازون کا پالا ہے- اور اوسکا چچا بھی دشمن نہین ہے- اپنی اولاد سے بڑھ کے سمجھتا ہے- اُسکے بھی ایک اکلوتی لڑکی ہے- چھبن کی منگیتر- لڑکی پر گالی چڑھ چکی ہے- چھبن نے شادی کرنے سے انکار کر دیا- اسی پر چچا کو برا معلوم ہوا- مین نے بھی دخل نہین دیا- یہ سب تنبیہ کے لیے کیا گیا ہے- تمھاری لڑکی کا عمر بھر کا گھر ہے- جو تنخواہ اوسکا دیتا تھا- اوس سے دس اوپر مجھسے لینا- مگر اتنا احسان مجھپر کرو کہ شادی پر راضی کر دو- شادی کے بعد

سب جائداد اوسی کی ہے سوا اوسکے اور ہے کون- میری اور چچا کے جان و دل کا مالک ہے- مگر اتنا خیال رکھو کہ یہ گھر تباہ نہونے پائے- اسمین تمھارا بھی بھلا ہے اور ہمارا بھی- آئندہ تمکو اختیار ہے-

خانم- بیگمصاحب کو میری طرف سے آداب تسلیمات کہنا- اور عرض کرنا کہ جو کچھ آپنے ارشاد کیا ہے خدا چاہے تو وہی ہوگا- مین آپ کی عمر بھر کی لونڈی ہون- سب مجھسے کوئی امر خلاف نہوگا- خاطر جمع رکھیے-

بڑھیا- مگر بیگم صاحب نے کہا ہے کہ چھبن کو اسکی خبر نہ ہو- بڑا ضدی لڑکا ہے- اگر کہین معلوم ہوگیا تو ہرگز نہ مانیگا-

خانم- (ماما سے) کیا مجال- (مجھسے) "دیکھ چھوکری کہین کسی سے یہ قصہ نہ لے بیٹھنا"-

مین- "جی نہین"-

اسکے بعد بڑھیا نے علحدہ لیجا کے خانم سے چپکے چپکے باتین کین- وہ مین نے نہین سنین- ماما کے رخصت کے وقت خانم کو اتنا کہتے سنا-

خانم- "میری طرف سے عرض کرنا کہ اسکی کیا ضرورت تھی- ہم لوگ تو قدیمی نمکخوار ہین"-

بڑھیا کے جانے کے بعد خانم نے بسم اللہ کو بلا بھیجا- اور کچھ ایسے دو انچھر کان مین پھونک دیے کہ اب جو نوابصاحب آئے تو وہ آؤ بھگت ہوئی کہ ملازمت کے زمانے مین بھی کبھی نہ ہوئی تھی- نوابصاحب بیٹھے ہین- بسم اللہ سے اختلاط کی باتین ہو رہی ہین- مین بھی موجود ہون کہ اتنے مین خانم صاحب خود بسم اللہ کے کمرے کے دروازے پر جاکے کھڑی ہوئین-

خانم- اے لوگو ہم بھی آوین-

بسم اللہ- (نواب سے) ذرا سرک بیٹھو- امّان آتی ہین- (خانم سے) آئیے-

خانم نے سامنے آتے ہی نواب کو تین تسلیمین کین- مین نے آج تک کے دن کے سوا خانم کو اسطرح مودب ہوکر کسی کو سلام کرتے نہ دیکھا تھا-

خانم- نواب سے- حضور کا مزاج کیسا ہے-

نواب - گردن جھکا کے - الحمد للہ -

خانم - خدا خوش رکھے - ہم لوگ تو دعا گو ہین - ہزار بڑھ جائین - مگر پھر بھی وہی ٹکے کی مالزادی آپ کے ہاتھ کے دیکھنے والی - آپ کو خدا نے رئیس کیا ہے - اسوقت ایک عرض لے کے حاضر ہوئی ہون یون تو بسم اللہ خدا رکھے سال بھر سے آپ کی خدمت مین ہین - مگر مین نے کبھی آپ کو تکلیف نہین دی - بلکہ حضور کے سلام کو بہت کم حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہوگا - اسوقت ایسی ہی ضرورت تھی جو چلی آئی -

خانم تو یہ باتین کر رہی ہین - بسم اللہ اونکا مُنہ دیکھ رہی ہین کہ یہ کہتی کیا ہین - مین کسی قدر بات کا پہلو سمجھے ہوئے تھی - نواب کی طرف دیکھ رہی ہون - نواب کا یہ حال ہے کہ چہرے سے ایک رنگ جاتا ہے اور ایک آتا ہے - نگاہین بچھی جاتی ہین مگر چُپکے بیٹھے ہین -

خانم - تو پھر عرض کرون

نواب - (بہت ہی مشکل سے) ہاں کہیے -

خانم - ذرا بوا حسینی کو بُلا لینا -

مین گئی - بوا حسینی کو بُلا لائی -

خانم - (بوا حسینی سے) "بوا ذرا وہ دوشالے کی جوڑی تو اوٹھا لانا -" وہی جو کل بکنے کو آیا ہے -

"بکنے کو آیا ہے" ان لفظون نے نواب پر وہی اثر کیا - جیسے کسی پر دفعتہً بجلی گر پڑے - مگر بہت ضبط کر کے چُپکے بیٹھے رہے - اتنے مین بوا حسینی دوشالے لے آئین کیسا پُر متن زرکار دوشالہ کہ بہت کم دیکھنے مین آتا ہے -

خانم - (نواب کو دوشالہ دکھا کے) - دیکھیے یہ دوشالہ کل بکنے کو آیا ہے - سوداگر دو ہزار کہتا ہے - پندرہ سو تک لوگون نے لگا دئے ہین - وہ نہین دیتا - میری نگاہ مین سترہ - بلکہ اٹھارہ تک مہنگا نہین ہے - اگر حضور پرورش کرین تو بھلا اس بڑھاپے مین آپ کی بدولت ایک دوشالہ تو اوڑھ لون -

نواب خاموش بیٹھے رہے - بسم اللہ کچھ بولا ہی چاہتی تھین کہ خانم نے جھڑک کے کہا

خانم - ٹھہر لڑکی - تو ہمارے بیچ مین نہ بولنا - تو تو آئے دن فرمائشین کیا کرتی ہے -

ایک فرمائش ہماری بھی سہی -

نواب پھر چُپکے بیٹھے ہین -

خانم - اوہی نواب صاحب - سخی سے سُوم بھلا - جو جلدی دے جواب - کچھ تو ارشاد کیجیئے - سکوت سے تو بندی کی تسکین نہو گی ہان ہان نہ سہی - نہین سہی - کچھ تو کہہ دیجیے - میرے دل کا ارمان تو نکل جائے -

نواب اب بھی چُپ ہین -

خانم - للہ - حضور - جواب دیجیے - یون تو میری حقیقت ہی کیا ہے - مُوی بازاری کسبی مگر آپ ہی لوگون کی عزت دی ہوی ہے - براے خدا ان چھوکریون کے سامنے تو مجھ بڑھیا کو ذلیل نہ کیجیے -

نواب - (آبدیدہ ہو کر) خانم صاحب - اس دوشالے کی کوئی اصل نہین ہے - مگر تمکو میرا حال شاید معلوم نہین - کیا بسم اللہ جان نے کچھ نہین کہا - اور ہان امراؤ جان بھی تو اوسدن تھین -

خانم - مجھسے کسی نے بھی کچھ نہین کہا - کیون خیر تو ہے ؟ -

بسم اللہ پھر کچھ بولنے کو تھین - خانم نے آنکھ کا اشارہ کیا - وہ چُپ ہو رہین - ٹال کے اِدھر اودھر دیکھنے لگین - مین پہلے ہی سے بُت بنی بیٹھی ہوئی تھی -

نواب - اب ہم اس لائق نہین رہے جو آپ کی فرمائشون کو پورا کرین -

خانم - آپ کے دشمن اِس لائق نہ رہے ہون - اور مین ایسی چھچھوری نہین جو روز فرمائشین کیا کرون - فرمائش کرین نہ کرین - بسم اللہ کرین - بھلا مین بوڑھی آڑھی میری فرمائشین کیا - اور مین کیا - یہ کہہ کے خانم نے ایک آہ سرد بھری -

خانم - ہائے تقدیر ! اب ہم اس لائق ہو گئے کہ ایسے ایسے رئیس ایک ذرا سے چیتھڑے کے لیئے ہم سے مُنہ چھپاتے ہین -

مین دیکھ رہی تھی کہ خانم کا ایک ایک فقرہ نواب کے دل پر نشتر کا کام دے رہا تھا

نواب - خانم صاحب آپ سب لائق ہین - مین سچ کہتا ہون اب مین اِس لائق نہین رہا - جو کسی کی فرمائش پوری کرون - اسکے بعد نواب نے اپنی تباہی کا مختصر حال کہا -

خانم - خیر میان اِس لائق تو آپ نہین رہے کہ ایک ادنیٰسی فرمائش پوری کرین پھر

رنڈی کے مکان پر آنا کیا فرض تھا۔ حضور کو نہیں معلوم کہ یہ بیسوائیں چار پیسے کی منت ہوتی ہیں۔ کیا آپ نے یہ مثل نہیں سُنی "رنڈی کسکی جورو . . . . " ہم لوگ مروت کریں تو کھائیں کیا؟۔ یوں آپ کے آپ کا گھر ہے۔ میں منع نہیں کرتی۔ مگر آپ کو اپنی عزت کا خود ہی خیال چاہیے۔" یہ کہہ کے خانم فوراً کمرے سے چلی گئیں"۔

نواب۔ واقعی مجھسے بڑی غلطی ہوئی۔ اب انشاء اللہ نہ آؤنگا۔

یہ کہہ کے وہ اوٹھنے کو تھے کہ بسم اللہ نے دامن پکڑ کے بٹھا لیا۔

بسم اللہ۔ اچھا تو اوس کرٹ کی جوڑی کے بارے میں کیا کہتے ہو۔؟

نواب۔ (کسی قدر ترش ہو کے) میں نہیں جانتا۔

بسم اللہ۔ اے لو۔ تم تو بالکل ہی خفا ہو گئے۔ جانے کہاں ہو۔ ٹھہرو۔

نواب۔ نہیں بسم اللہ جان۔ اب مجکو جانے دو۔ اب میرا آنا بیکار ہے۔ جب خدا ہمارے دن پھیرے گا۔ تو دیکھا جائے گا۔ اور اب کیا دن پھرینگے!۔

بسم اللہ۔ میں تو نہ جانے دونگی۔

نواب۔ تو کیا اپنی ماں سے جوتیاں کھلواؤگی؟۔

بسم اللہ۔ (مجھسے) ہاں سچ تو ہے بہن امراؤ۔ آج یہ نجوڑی بی کو ہوا کیا تھا۔ برسوں ہو گئے۔ میرے کمرے میں آکے جھانکتی تک نہیں۔ آج آئیں بھی تو قیامت برپا کر گئیں۔ بھئی اماں چاہیں خفا ہوں۔ چاہیں خوش ہوں۔ میں تو نواب سے رسم نہیں ترک کر سکتی۔ آج نہیں ہے۔ اون کے پاس نہ سہی۔ ایسی بھی کیا آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لینا۔ آخر یہی نواب ہیں۔ جنکی بدولت ہزاروں روپے اماں جان نے پائے۔ آج زمانہ اون سے پھر گیا تو کیا ہم بھی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ گھر سے نکال دیں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اب اگر اماں زیادہ تنگ کریں گی تو بہن امراؤ۔ میں سچ کہتی ہوں (نواب کا ہاتھ پکڑ کے) کسی طرف کو نکل جاؤنگی۔ لو میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

میں۔ بسم اللہ کی باتیں بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔

بسم اللہ۔ اچھا تو نواب تم رہتے کہاں ہو۔

نواب۔ کہاں بتاؤں۔

بسم اللہ۔ آخر کہیں تو

نواب۔ تحسین گنج میں مخدوم بخش کے مکان پر رہتا ہوں۔ افسوس میں نہ جانتا تھا کہ مخدوم ایسا نمکحلال آدمی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اوس سے بہت ہی شرمندہ ہوں۔

میں۔ یہ وہی مخدوم بخش نا جو آپ کے والد کے وقت سے نوکر تھا۔ جسکو آپ نے موقوف کر دیا تھا۔

نواب۔ ہاں وہی مخدوم بخش۔ کیا کہوں اوس وقت وہ کیسا کام آیا۔ خیر اگر خدا نے چاہا . . . . . " اتنا کہہ کے نواب کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر پڑے۔

اسکے بعد نواب بسم اللہ کے ہاتھ سے دامن چھڑا کے کمرے کے باہر چلے گئے۔ میرا ارادہ تھا کہ نواب سے چلتے وقت کچھ باتیں کروں گی۔ اور اسی لیے اونکے ساتھ ہی اوٹھی تھی۔ مگر وہ اسقدر جلد زینے سے اوتر گئے کہ میں کچھ کہہ نسکی۔

نواب کے تیور اوس وقت بہت بُرے تھے۔ خانم کی باتوں نے نواب کے دل پر سخت اثر کیا تھا۔ اونکی حالت بالکل مایوسی کی تھی۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب باتیں جو خانم نے آج کی ہیں وہ اوس فہمایش کی تمہید ہے جو کسی اور وقت پر موقوف رکھی گئی ہے مگر مجھے بہت ہی تشویش تھی کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہو کچھ کھا کے سو رہیں تو اور غضب ہو۔

سر شام میں اور بسم اللہ دونوں سوار ہو کے تحسین گنج گئے۔ مخدوم بخش کا مکان بڑی مشکل سے ملا۔ کہاروں نے اوسکے دروازے پر آواز دی۔ ایک چھوٹی سی لڑکی اندر سے نکلی۔ اوس سے معلوم ہوا کہ مخدوم بخش گھر پر نہیں ہیں۔ نواب کو پوچھا۔ اوسنے کہا وہ صبح سے کہیں گئے ہوئے ہیں ابھی تک نہیں آئے۔ دو گھنٹے تک انتظار کیا۔ نہ نواب صاحب آئے نہ مخدوم بخش۔ آخر مایوس ہو کر گھر چلے آئے۔

دوسرے دن صبح کو مخدوم بخش نواب کو ڈھونڈھتا ہوا آیا۔ معلوم ہوا کہ رات کو بھی اوسکے مکان پر نہیں گئے۔ شام کو اونکی والدہ کی ماما (وہی بڑھیا جو ایک دن خانم کے پاس آئی تھی) روتی پیٹتی آئی۔ اوس سے بھی یہی خبر ملی کہ نواب کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ بیگمصاحب نے روتے روتے اپنا عجیب حال کیا۔ بڑے نواب صاحب سخت متفکر ہیں۔ اس واقعے کو کئی دن گذر گئے۔ اور نواب چھبّن صاحب کا کہیں پتہ نہ ملا

اِس واقعے کے چوتھے پانچوین دن چھبن صاحب کے ہاتھ کی ایک انگوٹھی نخاس مین بکتی ہوی پکڑی گئی۔ بیچنے والے کو علی رضا بیگ کوتوال کے پاس لے گئے۔ اوسنے کہا مجھے امام بخش ساقی کے لڑکے نے بیچنے کو دی ہے۔ امام بخش ساقی کا لڑکا تو نہ ملا۔ خود امام بخش پکڑ بلایا گیا۔ پہلے تو امام بخش صاف مکر گیا کہ مین اس انگوٹھی کو نہین جانتا۔ آخر جب مرزا نے خوب ڈانٹا۔ دھمکایا۔ تو قبول دیا۔

امام بخش۔ حضور مین لبِ دریا لوہے کے پُل کے پاس حقہ پلاتا ہون۔ جو لوگ دریا نہانے جاتے ہین اون کے کپڑون کی رکھوالی کرتا ہون۔ پانچ دن کا ذکر ہے ایک شریف زادے کوئی بیس بائیس برس کی عمر ہوگی۔ گورے۔ گورے سے تھے۔ بہت خوبصورت نوجوان۔ سرِ شام پکے پُل پر نہانے آئے۔ کپڑے اوتار کے میرے پاس رکھوائے۔ مجھسے لنگی لیکے باندھی۔ خود دریا مین کود پڑے۔ تھوڑی دیر تک نہایا کیے پھر میری نظر سے اوجھل ہوگئے۔ اور سب لوگ دریا سے نہا نہا کے نکلے۔ کپڑے پہن پہن کے اپنے گھرون کو روانہ ہوگئے۔ وہ صاحب نہ آئے۔ مین یہ سمجھا کسی طرف پیرتے ہوے نکل گئے ہون گے۔ بڑی دیر ہوگئی۔ مین اس آس مین کہ اب آتے ہین۔ اب آتے ہین۔ پہر بھر رات گئے تک بیٹھا رہا۔ آخر کو مجھے یقین ہوگیا کہ ڈوب گئے اب مین دل مین یہ سوچا کہ اگر کسی کو خبر کرتا ہون تو جھگڑون مین پھنس جاؤن گا۔ کھنچا کھنچا پھرون گا۔ اس سے بہتر ہے کہ چپ ہو رہون۔ اون کے کپڑے اوٹھا کے گھر پر لے آیا۔ جیب مین سے یہ انگوٹھی نکلی۔ اور ایک اور انگوٹھی ہے اوسمین خدا جانے کیا لکھا ہے۔ مین نے مارے ڈر کے آج تک کسی کو نہین دکھائی۔ مین تو اِس انگوٹھی کو بھی نہ بیچتا۔ مگر میرا لڑکا شہدا ہوگیا ہے۔ وہ چُرا کے لے آیا۔

مرزا علی رضا بیگ نے دو سپاہی کو توالی سے ساتھ کیے۔ وہ انگوٹھی اور کپڑے اوس کے گھر سے منگوائے۔ انگوٹھی مہر کی تھی۔ مرزا علی رضا بیگ نے بڑے نوابصاحب کو اس سانحے کی خبر کی۔ کپڑے اور دونون انگوٹھیان گھر پر بھجوا دین۔ امام بخش کو سزا ہوگئی

بسم اللہ۔ ہا۔ ہا۔ آخر نواب چھبن صاحب ڈوب گئے نہ؟ مین تو سچ کہون۔

امّان جان کی گردن پر اونکا خون ہوا۔

مین۔ افسوس ہا مین تو اوسی دن دل مین کھٹک گئی تھی۔ اسی لیے اوسدن اونکے ساتھ اوٹھی تھی کہ کچھ سمجھا بجھا دون۔ مگر وہ زینے سے اوتر ہی گئے۔

بسم اللہ۔ اون کے سر پر قضا سوار تھی۔ خدا غارت کرے بڑے نواب کو۔ نہ اونکو جا بیجا دے بے حق کرتے نہ وہ اپنی جان دیتے۔

مین۔ خدا جانے مان کا کیا حال ہوا ہوگا۔

بسم اللہ۔ سنا ہے بیچاری دیوانی ہوگئی ہین۔

مین۔ جو نہ ہو۔ کم ہے۔ یہی تو ایک اللہ آمین کا لڑکا تھا۔ ایک تو بیچاری رانڈ بیوہ۔ دوسرے یہ آفت۔ اون کے سر پر ٹوٹ پڑی۔ سچ پوچھو تو اونکا گھر ہی تباہ ہوگیا۔

رسوا۔ تو نواب چھبّن صاحب کو آپنے ڈبو ہی دیا۔ اچھّا اس موقعے پر ایک بات مجھے پوچھ لینے دیجیے۔

امراؤ۔ پوچھیے۔

رسوا۔ نوابصاحب پیرنا جانتے تھے یا نہین۔

امراؤ۔ کیا معلوم۔ یہ آپ کیون پوچھتے ہین؟

رسوا۔ اِسلیے کہ مجھے میر مچھلی صاحب نے ایک نکتہ بتایا تھا کہ جو شخص پیرنا جانتا ہے وہ اپنے قصد سے نہین ڈوب سکتا۔

کچھ اونکو امتحانِ وفا سے غرض نہ تھی
اِک زار و ناتوان کے ستانے سے کام تھا

مرزا رسوا صاحب آپ کو کسی سے کبھی عشق بھی ہوا ہے!

رسوا۔ جی نہین۔ خدا نہ کرے۔ آپ کو تو سیکڑون سے عشق ہوا ہوگا۔ آپ اپنا حال کہیے۔ ایسی ہی باتین سننے کے تو ہم مشتاق ہین۔ مگر آپ کہتی ہی نہین۔

امراؤ۔ یون تو میرا رنڈی کا پیشہ ہے۔ اور یہ ہم لوگون کا چلتا ہوا فقرہ ہے۔ جب کسی کو دام مین لانا چاہتے ہین۔ اوسپر مرنے لگتے ہین۔ ہم سے زیادہ کسی کو مرنا نہین آتا۔ ٹھنڈی سانسین بھرنا۔ بات بات پر رُو دینا۔ دو دو دن کھانا نہ کھانا

کوئین مین پاؤن لٹکا کے بیٹھ جانا۔ سنکھیا کھا لینا یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ کیسا ہی سخت دل کا آدمی کیون نہو۔ ہمارے فریب مین آہی جاتا ہے۔ مگر مین آپ سے سچ کہتی ہون کہ نہ مجھے کسی کو عشق ہوا۔ اور نہ مجکو کسی سے۔ البتہ بسم اللہ جان کو عشقبازی مین بڑا ملکہ تھا۔ انسان تو انسان۔ فرشتہ اون کے جل سے نہین نکل سکتا تھا۔ ہزارون اون کے عاشق تھے۔ اور وہ ہزارون پر عاشق تھین۔ سچے عاشقون مین اِک مولوی صاحب قبلہ کا چہرہ بھی تھا۔ ایسے ویسے مولوی نہ تھے۔ عربی کی اونچی اونچی کتابون کا درس دیتے تھے۔ دُور دُور سے لوگ اون سے پڑھنے آتے تھے۔ معقولات مین اونکا مثل ونظیر نہ تھا۔ جس زمانے کا مین ذکر کرتی ہون سن شریف ستر سے کچھ ہی کم ہوگا۔ نورانی چہرہ۔ سفید داڑھی۔ سر مُنڈا ہوا۔ اوسپر عمامہ۔ عبائے شریف۔ عصائے مبارک۔ اونکی صورت دیکھکر کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ آپ ایک چھٹی ہوی۔ شوخ۔ نوجوان رنڈی پر عاشق ہین۔ اور اس طرح عاشق ہین۔

ایکدن کا واقعہ عرض کرتی ہون۔ اسمین کسی طرح کا مبالغہ نہ سمجھیے۔ بالکل صحیح ہے۔ آپ کے دوست۔۔۔۔ میر صاحب قبلہ مرحوم جنکو دلبر جان سے تعلق تھا۔ خود شاعر تھے۔ اور عمدہ اشعار پر دم دیتے تھے۔ اسی سلسلے مین حُسن پرستی کا بھی شوق تھا مگر نہایت ہی معقولیت کے ساتھ شہر کی وضعدار رنڈیون مین کون ایسی تھی جہان وہ نہ جاتے ہون۔

رسوا۔ جی ہان کہیئے۔ مین خوب جانتا ہون۔ خدا اونکے درجات عالی کرے!

امراؤ۔ وہ بھی اوس موقع پر موجود تھے۔ شاید آپ کو یاد ہو بسم اللہ جان خانم سے لڑکے کچھ دنون کے لیے اوس مکان مین جا رہی تھین۔ جو بزازے کے پچھواڑے تھا۔

رسوا۔ مین اوس مکان پر کبھی نہین گیا۔

امراؤ۔ خیر۔ مگر بسم اللہ کے دیکھنے کے لیے اور اس غرض سے بھی کہ ماں بیٹیون مین ملاپ کرا دون۔ اکثر جایا کرتی تھی۔ ایکدن قریب شام صحن مین تختون کے چوکے پر گاؤ سے لگی بیٹھی ہین۔ میر صاحب (مرحوم) اون کے قریب تشریف رکھتے ہین۔ مولوی صاحب قبلہ سامنے دو زانو مہذب بیٹھے ہوئے ہین۔ اوس وقت کی اونکی بیکسی کی

صورت مجھے کبھی نہ بھولے گی۔ زیتون کی تسبیح پر چپکے چپکے (شاید) یا حفیظ۔ یا حفیظ۔ پڑھ رہے ہین۔ مین جو گئی تو بسم اللہ نے ہاتھ پکڑ کے مجھے برابر بٹھا لیا۔ مین میر صاحب اور مولوی صاحب کو تسلیم کرکے بیٹھ گئی۔ بسم اللہ نے چپکے سے میرے کان مین کہا، تماشا دیکھو گی آ۔

مین۔ (حیران ہو کر)۔ کیا تماشا!۔

بسم اللہ۔ دیکھو۔ یہ کہہ کے مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوئین۔

مکان کے صحن مین ایک بہت پرانا نیم کا درخت تھا۔ مولویصاحب کو حکم ہوا۔ اس درخت پر چڑھ جاؤ۔

مولویصاحب کے مُنہ پر ہوائیان اوڑنے لگین۔ تھر تھر کانپنے لگے۔ مین زمین مین گڑی جاتی تھی۔ میر صاحب مُنہ پھیر کے بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب بیچارے کبھی آسمان کو دیکھتے تھے۔ کبھی بسم اللہ کی صورت کو۔ وہان ایک حکم کرکے دوسرا حکم ہوچکا اور فوراً۔ "تیسرا نادری حکم"، "چڑھ جاؤ۔ کہتی ہون"۔

اب مین نے دیکھا کہ مولویصاحب بسم اللہ کہہ کے اوٹھے۔ عبائے شریف کو تختون کے چوکے پر چھوڑا۔ نیم کی جڑ کے پاس کھڑے ہوئے۔ پھر ایک مرتبہ بسم اللہ کی طرف دیکھا۔ اوسنے اک ذرا چین بجبین ہو کے کہا۔ "ہون!"

مولویصاحب پائنچے چڑھا کے درخت پر چڑھنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر بسم اللہ کی طرف دیکھا۔ اس دیکھنے کا شاید یہ مطلب تھا کہ بس یا اور۔

بسم اللہ۔ اور۔

مولوی صاحب اور چڑھے۔ پھر انتظار کا حکم کیا۔ پھر وہی اور اسیطرح درخت کی پھننگ کے پاس پھونچ گئے۔ اب اگر اور اوپر جاتے تو شاخین اسقدر پتلی تھین کہ ضرور ہی گر پڑتے۔ اور جان بحق تسلیم ہو جاتے۔ بسم اللہ کی زبان سے اور نکلنے ہی کو تھا کہ مین قدمون پر گر پڑی۔ میر صاحب نے نہایت منت کے ساتھ سفارش کی بارے حکم ہوا اوتر آؤ۔ مولوی صاحب چڑھنے کو تو چڑھ گئے تھے۔ مگر اوترنے مین بڑی دقت ہوئی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب گرے اور اب گرے۔ مگر بخیر و عافیت اوتر آئے۔ بیچارے پسینے پسینے ہوگئے۔ دم پھول گیا۔ قریب تھا کہ گر پڑین۔ مگر اپنے کو

سنبھال کے نعلین پہن کے تخت کے قریب آئے۔ عبائے مبارک زیب دوش کیا۔ چپکے بیٹھ گئے۔ تسبیح پڑھنے لگے۔ بیٹھ تو گئے تھے مگر کسی پہلو قرار نہ تھا۔ چیونٹے ازار شریف مین گھس گئے تھے اوس سے بہت ہی پریشان تھے۔

رسوا۔ بھئی واللہ۔ بسم اللہ بھی عجب دل لگی باز رنڈی تھی۔

امراؤ۔ دل لگی کا کیا ذکر ہے۔ وہ بیدرد چپکے بیٹھی تھی۔ تبسم کا اثر بھی چہرے پر نہ تھا۔ مین اور میر صاحب دونون دم بخود بیٹھے تھے۔ ایک عجیب عالم حیرت طاری تھا۔

رہے گا کون کوئی طرز ستم باقی زمانے مین
مزا آتا ہے اوس کافر کو الفت آزمانے مین

رسوا۔ یہ جملہ عمر بھر ہنسنے کے لیے کافی ہے۔ تصور شرط ہے۔ تم نے تو بیان کیا اور میری آنکھون کے سامنے۔ بسم اللہ۔ مولوی صاحب۔ اور اونکی مقدس صورت میر صاحب۔ تم۔ صحن۔ نیم کا درخت۔ ان سب کی تصویرین کھنچ گئین۔ یہ تو کچھ ایسا واقعہ ہے کہ دفعتاً ہنسی بھی نہین آتی۔ اچھا غور کر لون تو ہنسون۔ نا صاحب مجھے ہنسی نہین آتی۔ مولویصاحب کی حماقت پر رونا آتا ہے۔ بے شک بسم اللہ قیامت کی رنڈی تھی۔ ستر برس کا بڈھا اوس پر یہ حکم "درخت پر چڑھ جاؤ" اور وہ بھی چڑھ گئے۔ میری تو کچھ سمجھ مین نہین آتا۔ بڑا دقیق مسئلہ ہے۔

امراؤ۔ واقعی آپ نہین سمجھ سکتے۔ اسمین قیامت کی باریکی ہے آخر بیان ہی کرنا پڑا۔

رسوا۔ للہ بیان کیجیے۔ کیا ابھی کچھ اور فضیحت باقی ہے۔

امراؤ۔ ابھی بہت سی فضیحتین باقی ہین۔ لے سنیئے۔

مولویصاحب کے جانے کے بعد مین نے بسم اللہ سے پوچھا تھا۔

مین۔ بسم اللہ۔ یہ تجھکو ہوا کیا تھا؟ بسم اللہ۔ کیا۔؟

مین۔ ستر برس کا بڈھا۔ اور جو درخت پر سے گر پڑتا تو مفت خون ہوتا۔

بسم اللہ۔ ہماری بلا سے خون ہوتا۔ مین تو اس موئے نوبک سے جلی ہوئی تھی کل میری دھنو کو اس زور سے دے پٹخا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی ہوتی۔"

بات یہ تھی کہ بسم اللہ جان نے ایک بندریا پالی تھی۔ اوسکا بڑا گہرا سہاگ تھا۔ ذرا اوسکے ٹھاٹھ سن لیجیے۔ اطلس کی گھنگریا۔ کامدانی کی کرتی۔ جالی کی اوڑھنی چاندی کی چوڑیان۔ طوق۔ گھنگھرو۔ سونے کی بالیان۔ جلیبیان۔ امرتیان۔ کھانے کو۔ جب مول لی تھی۔ تو ٹوئی کی ذراسی تھی۔ دو تین برس مین کھا کھا کے خوب موٹی ہوئی تھی۔ جو لوگ جانتے تھے۔ وہ تو خیر۔ اجنبی آدمی پر منہ جا پڑے تو گھگھی بندھ جاے۔ زور بھی اتنا تھا کہ اچھے مرد کا ہاتھ پکڑلے تو چھڑائے نہ چھوٹے۔

جس دن مولوی صاحب نیم پر چڑھائے گئے ہین۔ اوس سے ایکدن پہلے کا ذکر ہے کہ آپ تشریف لائے۔ تختون کے چوکے پر بیٹھے ہوے تھے۔ بسم اللہ جان کو مسخراپن سوجھا۔ دھنو کو اشارہ کیا۔ وہ پشت سے چپکے چپکے آئی۔ اور اُچک کے مولویصاحب کے کندھے پر جا بیٹھی۔ مولویصاحب نے جو مڑکے دیکھا۔ بیچارے گھبرا گئے۔ زور سے جھٹک دیا۔ یہ تخت کے نیچے گر پڑی یا مین تو جانتی ہون خود چلی گئی ہوگی۔ مولوی صاحب پر کھو کھیانے لگی۔ مولویصاحب نے لاٹھی دکھائی۔ وہ ڈر کے بسم اللہ کی گود مین جا بیٹھی۔ بسم اللہ نے اوسے تو چمکار دوپٹے کا آنچل اوڑھا دیا۔ اور مولویصاحب کو خوب دل کھول کے کوسا۔ گالیان دین۔ اسپر بھی صبر نہ آیا۔ دوسرے دن یہ سزا تجویز کی۔

رسوا۔ سزا مناسب تھی۔

امراؤ۔ مناسبت مین تو کوئی شک نہین۔ مولویصاحب کو کھٹکے کا لنگور بنا دیا۔

رسوا۔ واقعی مولوی صاحب لائق تعذیر تو تھے۔ قیس نے تو سگ لیلی کو پیار کر کے گود مین اوٹھا لیا تھا۔ اور مولویصاحب نے بسم اللہ جان کی چاہتی بندریا کو اول تو جھٹک دیا۔ پھر یہ بے ادبی کی کہ اوسے لاٹھی دکھائی۔ عشق کی شان سے بہت بعید تھا۔

ایکدن رات کے آٹھ بجے بسم اللہ جان کے کمرے مین ہون۔ بسم اللہ جان گا رہی ہین۔ مین طنبورہ چھیڑ رہی ہون۔ خلیفہ جی طبلہ بجا رہے ہین اتنے مین مولویصاحب قبلہ

تشریف لائے۔

بسم اللہ۔ (دیکھتے ہی) یہ آٹھ دن سے آپ کہاں تھے۔

مولوی صاحب۔ کیا کہوں۔ مجھے تو ابھی ایسی تپ شدید لاحق ہوئی تھی کہ بچنا محال تھا۔ مگر تمہارا دیدار دیکھنا تھا اسلیئے جانبر ہوگیا۔

بسم اللہ۔ تو یہ کہیئے۔ وصال ہوگیا ہوتا۔

اس فقرے نے مجکو اور خلیفہ جی کو پھڑکا دیا۔

مولوی صاحب۔ جی ہاں آثار تو کچھ ایسے ہی تھے۔

بسم اللہ۔ واللہ اچھا ہوتا۔

مولوی صاحب۔ میرے مرنے سے آپ کا کیا نفع ہوتا۔

بسم اللہ۔ جی آپ کے عُرس میں ہر سال جایا کرتے۔ گاتے۔ ناچتے۔ لوگوں کو رجھاتے۔ آپ کا نام روشن کرتے۔

اسی طرح کی چند باتوں کے بعد پھر گانا شروع ہوا۔ بسم اللہ نے حسب موقع یہ غزل شروع کی۔

مرتے مرتے نہ قضا یاد آئی ✤ اوسی کافر کی ادا یاد آئی

مولوی صاحب پر وجد کی حالت طاری تھی۔ آنسووں کا تار بندھا ہوا تھا۔ قطرے ریش مقدس سے ٹپک رہے تھے۔ اتنے میں سامنے والا دروازہ کھلا۔ اور ایک صاحب جوان۔ گندمی رنگ۔ گول چہرہ۔ سیاہ داڑھی۔ میانہ قد۔ کسرتی بدن۔ جامدانی کا انگرکھا۔ پھنسا پھنسا پہنے۔ بڑے پائنچوں کا پاجامہ۔ مخملی جوتہ۔ نہایت عمدہ۔ جالی پر کی چکن کا رومال اوڑھے ہوئے داخل ہوئے۔ بسم اللہ نے دیکھتے ہی کہا۔ واہ صاحب اوسدن کے گئے گئے آج آپ آئے ہے بس ہٹیئے میں ایسی آشنائی نہیں رکھتی۔ اور وہ لال طاقی گرنٹ کے طاقے کہاں ہیں۔ انہی سے تو آپنے منہ چھپایا۔

وہ صاحب۔ (لجاجت کے لہجے میں) نہیں سرکار یہ بات نہیں۔ اوسدن سے مجھے فرصت ہی نہیں ملی والدہ کی طبیعت بہت علیل تھی۔ میں اونکی تیمار داری میں تھا۔

بسم اللہ۔ جی ہاں۔ آپ ایسے ہی سعادتمند ہیں مجھے تیقین ہے۔ یہ نہیں کہتے

کہ آجکل متن کی چھوکری پر آپ فریفتہ اور رات کو وہیں کی دربارداری ہوتی ہے۔ مجھے سب خبریں ملتی ہیں۔ اور ہم سے فقرے ہوتے ہیں کہ والدہ کی طبیعت علیل تھی۔

اس آواز کو سنکے ایک مرتبہ مولوی صاحب نے پیچھے مڑکے دیکھا۔ اِنکی اور انکی چار آنکھیں ہوئیں۔ مولوی صاحب نے فوراً منہ پھیر لیا۔

دوسرے صاحب کو جو دیکھتی ہوں تو چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں تھرتھر کانپنے لگے۔ جلد ہی سے دروازہ کھول کمرے کے نیچے تھے۔ بسم اللہ پکارتی کی پکارتی رہی اونھوں نے جواب تک نہ دیا۔

بسم اللہ بھی کچھ سمجھ کے پہلے تو چپ سی ہو گئی۔ مگر پھر ایک ہی مرتبہ تیوری چڑھا کے آپ ہی آپ کہنے لگی "دو بھر باشد" اتنا کہہ کے گانے میں مصروف ہوگئی۔

اوس دن کے بعد میں نے اونکو کبھی بسم اللہ کے پاس آتے نہیں دیکھا۔ مولوی صاحب برابر آیا کیئے۔

رسوا۔ جی ہاں اگلے زمانے کے لوگ ایسے وہی وضعدار ہوتے تھے۔

گانا ہو ہی رہا تھا کہ گوہر مرزا شاید یہ سنکے کہ میں یہاں ہوں یہیں چلے آئے۔ ان سے اور بسم اللہ سے ہنسی ہوتی تھی۔ گالی گلوج سے لے کے کشتم کشتا تک نوبت پہونچ جاتی تھی۔ میرا مزاج ایسا چھچھورا نہ تھا کہ میں بُرا مانتی۔

گوہر مرزا آتے ہی میرے اور بسم اللہ کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ اور جھپ سے بسم اللہ کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا۔

گوہر مرزا۔ آج تو خوب گا رہی ہو۔ جی چاہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اب جو دیکھتی ہوں تو مولوی صاحب کے ماتھے کی جھریوں میں حرکت ہونے لگی۔ ایک ہی مرتبہ گوہر مرزا کی نگاہ مولوی صاحب پر جا پڑی پہلے تو تیور سے صورت دیکھی پھر اپنا کان زور سے پکڑا۔ جھجھک کے پیچھے ہٹا (یہ معلوم ہوتا تھا گویا آسیب ڈر گئے) بسم اللہ اس حرکت پر بے تحاشا ہنس پڑی۔ خلیفہ جی مسکرانے لگے۔ میں نے منہ پر رومال رکھ لیا۔ مگر مولوی صاحب بہت ہی چین بجبیں ہوئے۔ بلکہ قریب تھا کہ اوٹھ جائیں مگر بسم اللہ نے کہا ہو بیٹھو۔ بیچارے پھر بیٹھ گئے۔ بسم اللہ بھی کچھ ہی سُشرریتی ہو گوہر مرزا کی خوب پر یہ ظاہر کرنا منظور تھا کہ گوہر مرزا میرے آشنا ہیں۔ تاکہ مولوی صاحب دیکھ کے جلیں

گوہر مرزا سے ہنسنا شروع کیا۔ بڑی دیر تک مولویصاحب کو اِس دھوکے مین رکھا۔ اور اونکا وہ حال جیسے کوئی انگارون پر لوٹ رہا ہو۔ جُلسے جاتے ہین۔ مارے ہنسی کے میرے پیٹ مین بل پڑے جاتے ہین۔ آخر مولوی صاحب کی بیبی پر مجھی کو رحم آیا۔ مین نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ اچھین بسم اللہ مجھسے ناراض بھی ہوگئین۔ مین نے گوہر مرزا کی طرف متوجہ ہوکے کہا "بس اب جھلاّپن کر چکے۔ چلو۔"

اب مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ گوہر مرزا سے مجھے رسم ہے۔ بسم اللہ سے کوئی واسطہ نہین۔ بہت ہی خوش ہوے۔ باچھین کھل گئین۔

رسوا۔ مولوی صاحب سے تو پاک محبت تھی نہ ؟۔

امراؤ۔ پاک محبت تھی۔

رسوا۔ پھر اونکو جلنا نہ چاہیے تھا۔

امراؤ۔ واہ کیا پاک محبت مین رشک نہین ہوتا ؟ ہوتا ہے۔

رسوا۔ تو پاک محبت نہوگی۔

امراؤ۔ اب یہ اُنکا ایمان جانے۔ مین تو یہی سمجھتی تھی۔۔۔

خانم کی نوچیون مین میرے سوا یون تو ہر ایک اچھی تھی۔ مگر خورشید کا جواب نتھا۔ پری کی صورت تھی۔ رنگ میدا و شہاب۔ ناک۔ نقشہ۔ گویا صانع قدرت نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ آنکھون مین یہ معلوم ہوتا تھا کہ موتی کوٹ کے بھر دیے ہین۔ ہاتھ پاؤن سڈول نور کے سانچے مین ڈھلے ہوئے۔ بھرے بھرے بازو گول کلائیان۔ جامہ زیبی وہ قیامت کی کہ جو پہنا معلوم ہوا یہ اسی کے لیے مناسب تھا۔ اداؤن مین وہ دلفریبی وہ بھولاپن کہ جو ایک نظر دیکھے ہزار جان سے فریفتہ ہو جائے۔ جس محفل مین جا کے بیٹھ گئی معلوم ہوا ایک شمع روشن ہو گئی۔ بیسیون زنڈیان بیٹھی ہون نگاہ اوسی پر پڑتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر تقدیر کی اچھی نہ تھی اور تقدیر کو بھی کیون الزام دیجیے خود اپنے ہاتھون عمر بھر خراب رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رنڈی پنے کے لائق نہ تھی بیسواڑے کے ایک زمیندار کی لڑکی تھی۔ صورت سے شرافت ظاہر تھی حسن خداداد تھا۔ مگر اِس حسن و جمال پر خبط یہ تھا کہ کوئی ہر پھیر

عاشق ہو۔ یون تو وہ خود ہی پیار کرنے کے لائق تھی۔ کون ایسا ہوگا جو اوسپر فریفتہ نہ ہو جاتا۔ اول ہی اول پیارے صاحب کو محبت تھی۔ ہزارہا روپے کا سلوک کیا۔ واقعی جان دیتے تھے۔ خورشید نے بھی اِنھین اچھی طرح کسا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ سچّا عاشق ہے خود جان دینے لگین۔ دن دن بھر کھانا نہین کھاتی تھین۔ اگر اونکو کسی دن اتفاق سے دیر ہو گئی۔ بیٹھی زار و قطار رو رہی ہین۔ ہم سب نے صلاح دی۔ دیکھو خورشید ایسا نہ کرو۔ مرد وے بے مروت ہوتے ہین۔ تمھارے اون کے صرف آشنائی ہے۔ آشنائی کی بنیاد کیا۔ نکاح نہین ہوا۔ بیاہ نہین ہوا۔ اگر ایسا چاہو گی تو اپنا بُرا چاہو گی پچھتاؤ گی۔ آخر ہمارا ہی کہا ہوا۔ پیارے صاحب نے جب دیکھا کہ رنڈی پیار کرتی ہے۔ لگے غمزے کرنے۔ یا تو آٹھون پہر بیٹھے رہتے تھے۔ یا اب ہین کہ دو دو دن نہین آتے۔ خورشید جان دیے دیتی ہے۔ روتی ہے۔ پیٹتی ہے۔ کھاتا نہین کھاتی۔ عجیب حال ہے۔ خانم کو صورت سے نفرت ہوگئی۔ یہان تک کہ آنا جانا۔ کھانا۔ پینا۔ آدمیون کی تنخواہ سب موقوف۔

مین نہین سمجھ سکتی کہ اِس حسن کے ساتھ عشق اوسکے دل مین کسنے بھر دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ کسی مرد آدمی کی جورو ہوتی تو میان بیوی مین خوب نباہ ہوتا عمر بھر مر دوا پاؤن دھو دھو کے پیتا۔ بشرطیکہ قدردان ہوتا۔ بسم اللہ خورشید کے تلوے کے برابر بھی نہین کر سکتی تھین۔ اوسپر وہ تمکنت وہ غرور وہ غمزہ وہ نخرہ۔ خدا کی پناہ۔ مولویصاحب کا حال تو آپ سُن ہی چکے ہین۔ اور آشناؤن سے بھی اوسکا سلوک کچھ اچھا نہ تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ اوسکو اپنی مان کی دولت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ واقعی دولت بھی لازوال تھی۔ اپنے آگے کسی کی ہستی ہی نہ سمجھتی تھی۔ خورشید کی ذات سے خانم کو بڑی امیدین تھین۔ واقعی اگر اوسمین زندہ دلی ہوتا تو لاکھون ہی پیدا کرتی۔ اِس حسن و خوبی پر آواز بالکل نہ تھی۔ ناچنے مین بھی بالکل پھوہڑ تھین۔ صرف صورت ہی صورت تھی۔ اول اول بڑے بہت آتے تھے۔ آخر جب معلوم ہوا کہ گانے ناچنے مین تمیز نہین۔ لوگون نے بلانا چھوڑ دیا۔ جو تھا وہ صورت کا مشتاق ہو کے آتا تھا۔ اچھے اچھے مرتے تھے مگر جب آ کے

دیکھا۔ منہ تھوتھائے ہوئے بیٹھی ہین۔ اون پر عشق سوار تھا۔ ہر ایک سے بیرخی۔ بے اعتنائی۔ یہ حالت دیکھ کے لوگون نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اب پیارے صاحب ہی صرف رہ گئے۔ ادھر تماشا دیکھیے کہ پیارے صاحب کے والد پر عتاب شاہی نازل ہوا۔ گھر کی ضبطی ہو گئی۔ جاگیر چھین لی گئی۔ بیچارے محتاج ہو گئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر خورشید کے عشق مین کمی نہ ہوئی۔ اب یہ ضد ہوئی کہ مجھے گھر مین بٹھا لو۔ پیارے صاحب نے بپاس خاندان یا یون کہو کہ باپ کے ڈر سے منظور نہ کیا۔ خورشید کی آس ٹوٹ گئی۔

خورشید بہت ہی بھگتی عورت تھی۔ سیکڑون روپے پھسلا پھسلا کے لوگ کھا گئے۔ فقیر فقرا سے آپ کو بڑا اعتقاد تھا۔ ایک دن ایک شاہ صاحب تشریف لائے وہ ایک کے دو کرتے تھے۔ خورشید نے اپنے کڑے اور کنگن کی جوڑیان اوتار دین۔ شاہ صاحب نے ایک کوری ہانڈی منگوائی۔ اوسمین سیاہ تل بھروائے۔ کڑے کنگن ہانڈی مین رکھ کے چینی ڈھانک دی۔ شالباف کا ایک پارچہ گلے مین باندھ ناڑے سے باندھ دیا۔ شاہ صاحب روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے کہہ گئے کہ آج نہ کھولنا۔ کل صبح کو کھولنا۔ مرشد کے حکم سے ایک کے دو ہو جائین گے۔ صبح کو ہانڈی کھولی گئی۔ کالے تلون کے سوا کچھ نہ ملا۔

ایک جوگی نے کالے ناگ کا پھن منہ سے نکال کے دکھایا کہ یہ تجھے پرسون آ کے ڈس جائے گا۔ بی خورشید نے کانون سے چھے بالیان اوتار کے حوالے کین۔

خورشید کو غصہ کبھی آتا ہی نہ تھا۔ ایسی نیکدل اور نیک مزاج عورتین ہو بیبیون مین کم ہوتی ہین۔ رنڈیون کا کیا ذکر۔ مگر ہان ایکدن غصہ آیا جس دن پیارے صاحب مانجھے کا جوڑا پہنکے آئے۔ اول تو چپکی بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد گالون پر سرخی نمودار ہوئی۔ رفتہ رفتہ سرخ بھبھوکا ہو گئے۔ اوسکے بعد اوٹھی۔ مانجھے کے جوڑے کے پرزے پرزے کر ڈالے۔ اب رقت شروع ہوئی۔ دو دن تک رویا کی۔ تمام دنیا نے سمجھایا۔ کچھ نہ مانا۔ آخر بخار آنے لگا۔ دو مہینے بیمار رہی۔ لینے کے دینے پڑ گئے۔ حکیمون نے دق تجویز کی۔ لیکن خدا کے فضل سے دو مہینے کے بعد خود بخود مزاج رو بہ اصلاح ہو گیا۔ اب پیارے صاحب سے بظاہر چھٹم چھٹا ہو گئی۔ اسکے بعد اور لوگون سے

ملاقات ہوئی مگر کسی سے دل نہ لگا۔ اور نہ کسی کا دل ان سے۔ اسلیے کہ بے توجہی اور بے اعتنائی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ بظاہر ملتی تھین۔ مگر دل نہ ملتا تھا۔

ساون کا مہینہ ہے۔ سہ پہر کا وقت ہے۔ پانی برس کے کھل گیا ہے۔ چوک کے کوٹھون اور بلند دیوارون پر جا بجا دھوپ ہے۔ ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادھر اودھر آتے جاتے نظر آتے ہین۔ پچھم کی طرف رنگ رنگ کی شفق پھولی ہوئی ہے۔ چوک مین سفید پوشون کا مجمع زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ آج زیادہ تر مجمع کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمعہ کا دن ہے لوگ عیش باغ کے میلے کیطرف جلد جلد قدم اوٹھاتے چلے جاتے ہین۔

خورشید۔ امیر جان۔ بسم اللہ۔ مین میلے جانے کے لیے بن ٹھن رہی ہین۔ دھانی دوپٹے ابھی رنگریز رنگ کے دے گیا ہے۔ چنے جاتے ہین۔ بالون مین کنگھیان ہو رہی ہین۔ چوٹیان گوندھی جاتی ہین۔ بھاری زیور نکالے جاتے ہین۔ خانم صاحب سامنے چوکے پر گاؤ تکیے سے لگی بیٹھی ہین۔ بوا حسینی ابھی پیچوان لگا کے ہٹی ہین۔ خانم صاحب کے سامنے میر صاحب بیٹھے ہین۔ میلے جانے پر اصرار کر رہے ہین۔ وہ کہتی ہین۔ آج میری طبیعت سست ہے۔ مین نہین جانے کی۔ ہم لوگ دعائین مانگ رہے ہین۔ خدا کرے نہ جائین تو میلے کی بہار ہے۔

خورشید پر اوس دن غضب کا جوبن ہے۔ گوری رنگت ململ کے دھانی دوپٹے سے پھوٹی نکلتی ہے۔ اودی گرنٹ کا پاجامہ بڑے بڑے پائنچون کا سنبھالے نہین سنبھلتا۔ بھینی بھینی کرتی قیامت ڈھا رہی ہے۔ ہاتھ گلے مین ہلکا ہلکا زیور ہے۔ ناک مین ہیرے کی کیل۔ کانون مین سونے کی انتیان۔ ہاتھ مین کڑے۔ گلے مین موتیون کا کنٹھا۔ سامنے کمرے مین قدِ آدم آئینہ لگا ہے۔ اپنی صورت دیکھ رہی ہین۔ کیا کہون۔ کیا صورت تھی۔ اگر میری صورت ویسی ہوتی تو اپنے عکس کی آپ ہی بلائین لیتی۔ مگر اونکو یہ غم ہے کہ ہائے اس صورت پر کوئی دیکھنے والا نہین۔ پیارے صاحب سے بگاڑ ہی ہو چکا ہے۔ چہرہ اوداس اوداس ہے۔ ہائے وہ اوداسی بھی غضب کر دی ہے۔ اچھی صورت والون کو سب کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اسوقت اوس پری پیکر کی صورت دیکھنے سے دل پسا جاتا ہے۔ اور تو کوئی مثال اپنے دل کی حالت سمجھ مین

نہین آتی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی اچھے شاعر کا کوئی شعر دردآمیز سنتا ہے اور دل اوسکے مزے لے رہا ہے۔

بسم اللہ کی صورت کچھ بُری نہ تھی۔ کھلتا ہوا سانولا رنگ۔ کتابی چہرہ۔ ستوان ناک بڑی بڑی آنکھین۔ سیاہ پتلی۔ چھریرا بدن۔ بوٹا سا قد۔ کارچوبی تولوان جوڑا۔ کاہی کریپ کا دوپٹہ۔ بنت ٹکی ہوی۔ زرد گرنٹ کا پاجامہ۔ بیش قیمت زیور۔ سر سے پاؤن تک گہنے مین لدی ہوئی۔ اوسپر طرہ پھولون کا گہنا۔ آئین مین چوتھی کی دولھن معلوم ہوتی تھی۔ پھر اوسپر بات بات مین شوخی و شرارت۔ میلے مین پہونچکر کسی کا منہ چڑھا دیا۔ کسی سے آنکھ لڑائی۔ جب وہ دیکھنے لگا تو منہ پھیر لیا۔ ہان یہ کہنا بھول گئی کہ ہم لوگ بناؤ سنگار کرکے میانون پر سوار ہوے۔ میلے پہونچے۔

میلے مین وہ بھیڑین تھین کہ اگر تھالی پھینکو تو سرہی سر جاے۔ جابجا کھلونے والے مٹھائی والون کی دوکانین۔ خوانچے والے۔ میوہ فروش۔ ہاروالے۔ تنبولی۔ سازندین۔ غرضکہ جو کچھ میلون مین ہوتا ہے سب کچھ تھا۔ مجھے اور تو کسی چیز سے کچھ کام نہین۔ لوگون کے چہرے دیکھنے کا ہمیشہ سے شوق ہے۔ خصوصاً میلے تماشون مین۔ خوش۔ ناخوش۔ مفلس۔ تونگر۔ بیوقوف۔ عقلمند۔ عالم۔ جاہل۔ شریف۔ رذیل۔ سخی۔ بخیل۔ یہ سب حال چہرے سے کھلجاتا ہے۔ ایک صاحب ہین کہ وہ اپنے تنزیب کے انگرکھے اور اودی صدری۔ نکہ دار ٹوپی۔ چست گھٹنے۔ اور مخملی چڑھون جوتے پر اتراے ہوے چلتے ہین۔ کوئی صاحب ہین صندلی رنگا ہوا دوپٹہ سر سے آڑا باندھے ہوے رنڈیون کو گھورتے پھرتے ہین۔ ایک صاحب آئے تو ہین میلا دیکھنے۔ مگر بہت ہی مکدر جبین۔ کچھ چپکے چپکے بڑبڑاتے بھی جاتے ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی سے روٹھکے آئے ہین۔ جن باتون کے جواب بروقت سوجھے تھے۔ اونھین اب یاد کر رہے ہین۔ کوئی صاحب اپنے چھوٹے سے لڑکے کی اونگلی پکڑے اوس سے باتین کرتے چلے آتے ہین۔ ہربات مین امّان کا نام آتا ہے۔ "امّان کھانا پکاتی ہونگی" "امّان کا جی ماندہ ہے" "امّان سورہی ہونگی۔ امّان جاگتی ہونگی۔ بہت شوخی نہ کیا کرو نہین تو امّان حکیم کے ہان چلی جائینگی" ایک صاحب سات آٹھ برس کی لڑکی کو سرخ کپڑے پہناکے لائے ہین۔ کندھے پر چڑھائے ہوئے ہین۔ ناک مین ننھی سی نتھنی ہے۔ اونچی

چوٹی گندھی ہوئی۔ لال شالباف کا موباف پڑا ہے۔ ہاتھون مین چاندی کی چوڑیان ہین۔ معصوم کے دونون ہاتھ زور سے پکڑے ہوے ہے۔ کلائیان دُکھی جاتی ہین کوئی چوڑیان نہ اوتار لے۔ ہاے بھیڑ بھاڑ مین پہناکے لانا ہی کیا ضرور تھا۔

لیجیے دوسرے صاحب ایک اور۔ اون کے یار غار بھی ساتھ ہین۔ خرمستیان کی گالیان چل رہی ہین۔ "آمان پان تو کھاؤ" کھٹ سے پیسہ تنبولی کی دوکان پر پھینکا۔ معلوم ہوا کہ آپ بڑے تونگر ہین۔ پیسہ دو پیسہ کی آپ کے آگے کیا اصل ہے۔ فوراً ہی حقے والے کو بھی آواز دیدی۔ "بھئی ساقی ادہر آنا۔ حقہ سُلگا ہوا ہے؟" ایک اور یار اِن کے آموجود ہوے۔ معمولی گالی گلوج کے بعد جو وقت ملاقات سلام۔ بندگی۔ مزاج پرسی بے تکلف دوستون مین ہوا کرتی ہے۔ "ابے پان تو کھلوا" لطف یہ کہ آپ مسلمان یار ہندو۔ جب تنبولی نے پان دیے جھپ سے بڑھکے لے لیے۔ "ابے یار بھول گئے" اب یہ کھسیانے ہوے۔ ٹینٹ سے ایک پیسہ نکالا۔ "لو بھئی ہمین بھی دو پان دینا۔ الاچی بھی چھوڑ دینا۔ چونا نہ زیادہ ہو۔" دوست سے "اچھا تو چلم تو پلواؤگے۔" یہ چلم حقے سے اوتارتے ہی تھے کہ ساقی نے گھور کے دیکھا۔ فوراً ہاتھ سے حقہ اور جیب سے پیسہ نکال کے دیدینا پڑا۔

گوہر مرزا نے موتی جھیل کے کنارے فرش بچھوا دیا تھا۔ وہین جاکے ٹھہرے۔ ادھر ادھر درختون مین پھرتے رہے۔ سر شام سے دو گھڑی رات گئے تک میلے کی سیر کی۔ پھر گھر چلنے کی ٹھہری۔ اپنے اپنے میانون مین آکر سوار ہوے۔ اب جو دیکھتے ہین تو خورشید جان کا میانہ خالی ہے اونکا کہین پتہ نہین۔ پہلے تو یہ شبہہ ہوا کہ یہین کہین درختون مین ہونگی۔ دُور دُور تک تلاش کے لیے آدمی دوڑائے۔ گوہر مرزا نے جاکے سارا میلا چھان مارا۔ کہین پتا نہ ملا۔ آخر مایوس ہوکے گھر واپس آئے۔ خانم نے سنتے ہی سر پیٹ لیا۔ تمام گھر کو صدمہ ہوا۔ مین خود رات بھر رویا کی۔ پیارے صاحب کے مکان پر آدمی گیا۔ وہ بیچارے اوسی وقت دوڑے ہوے گئے۔ ہزارون قسمین کھائین کہ "مجھے بالکل معلوم نہین۔ مین میلے بھی نہین گیا۔ بیگم کی طبیعت علیل ہے۔ جاتا تو کیونکر جاتا" پیارے صاحب پر یون بیجا سا گمان تھا۔ انکے قسمین کھانے کے بعد کسی کو شبہہ بھی نہ رہا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ شادی کے بعد بیوی کے

ایسے پابند ہو گئے تھے کہ چوک کا آنا جانا اونھون نے بالکل موقوف کر دیا تھا۔ رات کو گھر سے نکلتے ہی نہ تھے۔ خورشید کے گم ہونے کی خبر سُنکے کچھ تو اگلی محبت کے خیال سے اور کچھ خانم کی مروّت سے۔ نہین معلوم کس طرح چلے آئے تھے۔

خورشید کے گم ہونے کے ڈیڑھ مہینے کے بعد ایک صاحب خنکی وضع شہر کے بانکون کی ایسی تھی۔ سانولا رنگ۔ چھریرا بدن۔ ایک دوشالہ سر سے لپیٹے۔ اور ایک سرے باندھے میرے کمرے مین دندانہ چلے آئے۔ اور آتے کے ساتھ ہی سامنے قالین کے کنارے بیٹھ گئے۔ اِس سے مجھے معلوم ہوا کہ طبیعت مین کسی قدر کمینہ پن ہے۔ یا ابھی اَنیلے ہین۔ رنڈیون کے ہان کم جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اوسوقت مین اکیلی بیٹھی تھی۔ مین نے بوا حسینی کو آواز دی۔ وہ کمرے مین آئین۔ اون کے آتے ہی وہ صاحب اوٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کسی قدر بے تکلفی کے ساتھ بوا حسینی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ علحدہ لیجا کے کچھ باتین کین۔ جنھین کچھ مین نے سنین۔ کچھ نہین سنین۔ اِسکے بعد بوا حسینی خانم صاحب کے پاس گئین۔ وہان سے آکے پھر باتین ہوئین۔ آخر کلام یہ تھا۔ تو کچھ ایک مہینے کی تنخواہ پیشگی دینا ہوگی۔ اون صاحب نے کمر سے بیڑ روپون کی نکالی۔ بوا حسینی نے گود پھیلائی۔ اونھون نے چھن سے روپے پھینک دیئے۔

بوا حسینی۔ یہ کتنے ہین۔

وہ صاحب۔ نہین معلوم۔ گن لیجیے۔

بوا حسینی۔ اَئے ہے۔ مجھے تو نگوڑا گننا بھی نہین آتا۔

وہ صاحب۔ مین جانتا ہون پچھتر روپے ہونگے۔ شاید ایک دو کم ہون۔ یا زیادہ۔

بوا حسینی۔ میان پچھتر کسے کہتے ہین۔

وہ صاحب۔ تین بیسی اور پندرہ۔ پچیس کم سو۔

بوا حسینی۔ پچیس کم سو۔ تو یہ کتنے دن کی تنخواہ ہوئی۔

وہ۔ پندرہ دن کی۔ کل وہ بھی پندرہ دن کی دے دونگا۔ پورے ڈیڑھ سو نخرچے آپ کو پہونچ جائین گے۔

یہ "نخرچے" کی سُن کے مجھے بہت ہی بُرا معلوم ہوا۔ اب تو بالکل ہی یقین ہو گیا کہ

کوئی ایسے ہی ویسے ہین۔ مگر مجبور۔ رنڈی کا پیشہ۔ دوسرے پرائے بس مین کرتی تو کیا کرتی۔

بوا حسینی روپیہ لے کے خانم کے پاس گئین۔ خانم اوسوقت نہین معلوم کہ نیکی کے دم مین تھین کہ فوراً منظور کر لیا۔ بلکہ مجھے تعجب ہوا۔ اِسلیے کہ بڑے بڑے رئیسون سے روپے کے بارے مین ایک دم کے لیے مروّت نہین کرتی تھین۔ یا اِسوقت ایکدن کا وعدہ مان لیا۔

اِس معاملے کے طے ہونے کے بعد وہ صاحب میرے ہی کمرے مین شب باش ہوئے۔ کوئی پہر بھر رات باقی ہوگی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے کمرے کے نیچے آکے دستک دی۔ وہ صاحب فوراً اوٹھ بیٹھے اور کہا لو اب مین جاتا ہون۔ کل شب کو پھر آؤن گا۔ چلتے وقت پانچ اشرفیان اور تین انگوٹھیان۔ ایک سونے کی یاقوت کا نگینہ۔ ایک فیروزے کی ایک ہیرے کی۔ مجکو دین۔ اور کہا۔ یہ تم اپنے پاس رکھنا۔ خانم کو نہ دینا۔ مین نے خوشی خوشی ہاتھ مین پہنین۔ اور اپنی اونگلیون کو دیکھنے لگی۔ مجھے بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی تھین۔ پھر صندوقچہ کھولا۔ اشرفیان اور انگوٹھیان چور خانے مین چھپا کے رکھدین۔

دوسرے دن شب کو پھر وہی صاحب آئے۔ اوسوقت مین تعلیم لے رہی تھی۔ وہ بھی ایک کنارے آکر بیٹھ گئے۔ گانا ہوا کیا۔ پانچ روپیے سازندون کو دیے۔ اوستادجی اور سارنگیئے خوشامد کی باتین کرنے لگے۔ اوستادجی نے کمر مین جو دوشالہ بندھا تھا اوسکے اینٹھنے کی فکر کی۔ پہلے تعریف کی۔ پھر منہ پھوٹ کے مانگا۔ مگر وار خالی گیا۔ اونھون نے نہ دیا۔

وہ صاحب۔ اوستادجی۔ روپیہ۔ پیسہ۔ اور جس چیز کو کہیے موجود ہے۔ یہ دوشالہ مین نہین دیسکتا۔ ایک دوست کی نشانی ہے۔

اوستادجی اپنا سا منہ لے کے چُپ ہو رہے۔

اِسکے بعد تعلیم موقوف ہوی۔ بوا حسینی کو باقی پچھتر گن دیے گئے۔ پانچ روپے بوا حسینی کو اپنی طرف سے دیے۔ وہ رخصت ہوئین۔ جب وہ اور مین صرف دو آدمی کمرے مین رہ گئے۔ مین نے پوچھا آپ نے مجکو کہان دیکھا تھا جو یہ عنایت کی۔

وہ - دو مہینے ہوئے جمعہ کو عیشن باغ کے میلے مین -

مین - اور پھر آئے دو مہینے کے بعد -

وہ - مین باہر چلا گیا تھا - اور اب پھر جانے والا ہون -

اب مین نے رنڈی پنے کی لگاوٹ شروع کی

مین - تو ہمین چھوڑ کے چلے جاؤ گے ! -

وہ - نہین - پھر بہت جلد چلا آؤن گا -

مین - اور تمھارا مکان کہان ہے

وہ - مکان تو فرخ آباد مین ہے - مگر یہان بہت کام رہتا ہے - بلکہ رہتا ہین ہون - کچھ دنون کے لیے باہر چلا جاتا ہون - پھر چلا آتا ہون -

مین - اور یہ دوشالہ کسکی نشانی ہے !

وہ - کسی کی نہین -

مین - واہ مین سمجھ گئی یہ تمھارے آشنا کی نشانی ہے -

وہ - نہین تمھارے سر کی قسم - میرے کوئی آشنا واشنا نہین ہے - بس تمھین ہو جو کچھ ہو -

مین - تو پھر مجھے دیدو -

وہ - مین نہین دے سکتا -

یہ بات مجھے بہت ناگوار ہوئی - اتنے مین انھون نے بڑے بڑے موتیون کا مالا جسمین زمرد کی لڑین لگی ہوئی تھین - اور ایک جوڑی ہیرے کے کڑے کی اور دو انگوٹھیان ہیرون کی میرے آگے رکھدے یہ سب تو مین نے خوشی خوشی اوٹھا لیا صندوقچہ کھول کے بند کرنے لگی - مگر مجھے تعجب ہوا کہ یہ ہزارون کی رقم تو یون مجکو دے دیتے ہین مگر یہ دوشالہ زیادہ سے زیادہ پانسو کا ہوگا - اِس سے کیون انکار کیا - واقعی مجکو وہ دوشالہ پسند نہ تھا - جو مین زیادہ اصرار کرتی - اپنے کام سے کام تھا -

ان صاحب کا نام فیض علی تھا - پہر ڈیڑھ پہر رات گئے آتے تھے - اور کبھی آدھی رات کو کبھی پچھلے پہرے اوٹھ کے چلے جاتے تھے - مہینہ ڈیڑھ مہینہ مین کئی مرتبہ دستک یا سیٹی کی آواز مین نے سنی اور فوراً ہی فیض علی اوٹھکر روانہ ہوگئے - فیض علی سے رسم ہوے کوئی ڈیڑھ مہینہ گذرا ہوگا کہ میرا صندوقچہ سادے اور جڑاو

گہنے سے بھر گیا اشرفیان اور روپون کا شمار نہین - اب میرے پاس خانم اور بوا حسینی سے چھپا ہوا دس بارہ ہزار کا مال ہو گیا تھا -

فیض علی سے مجکو اگر محبت نہ تھی تو نفرت بھی نہ تھی - اور نفرت ہونے کی کیا وجہ - اول تو وہ کچھ بدصورت بھی نہ تھے - دوسرے - لینا - دینا - عجب چیز ہے - مین سچ کہتی ہون - جبتک وہ نہ آتے تھے میری آنکھین دروازے کی طرف لگی رہتی تھین - گوہر مرزا کی آمد و رفت اِن دنون صرف دن کی رہگئی تھی - شب کے آنے والون مین سے بھی اکثر لوگ سمجھ گئے تھے کہ مین کسی کی پابند ہو گئی ہون - اِسلیے سویرے سے کھسک جاتے تھے - اور جو صاحب جم کے بیٹھے تھے اونکو مین کسی نہ کسی حیلے سے ٹال دیتی تھی -

خورشید کی تلاش بہت کچھ ہوئی - مگر کہین سراغ نہ ملا - اس اثنا مین فیض علی کئی مرتبہ دو دو تین تین دن تک غائب رہے اور پھر چلے آئے واقعی فیض علی کو مجھے بہت محبت تھی جسکا اظہار طرح طرح سے ہوتا - اگر میرا دل ابتدا سے گوہر مرزا کی طرف مائل نہ ہو گیا ہوتا - تو مین ضرور فیض علی سے محبت کرتی اور اوسی کو دل دیتی اسپر بھی مین نے اونکی دلجوئی اور خاطرداری مین کسی طرح کمی نہین کی - مین نے فیض علی کو فریب دے رکھا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہے - اور وہ بیچارہ میرے دام مین پھنسا ہوا تھا جو کچھ مخفیہ اوسنے مجکو دیا اوسکی کسی کو کانون کان خبر نہ تھی - خانم اور بوا حسینی کے کہنے سے مجھے فرمایشین بھی کرنا پڑتی تھین - اونکی بجاآوری کو بھی وہ اپنا فرض سمجھتا تھا - اوسکو روپے پیسے کی کوئی پرواہ نہ تھی - ایسا دل چلا آدمی نہ مین نے رئیسون مین دیکھا - نہ شہزادون مین -

رسوا - جی ہان کیون نہین - مالِ مفت - دل بے رحم - بھلا اوسکے برابر کسکا دل ہو سکتا تھا -

امراؤ - مالِ مفت کیون ؟ -

رسوا - نہین تو اپنی امّان جان کا زیور روز آپ کو اوتار اوتار کے لا دیا کرتا تھا -

امراؤ - ہمین کیا معلوم تھا -

شب کے آنے والون مین ایک پنّا مل جوہری تھے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھ کے چلے جاتے تھے۔ ان کو چار آدمیون مین بیٹھنے کا مزا تھا۔ اگرانکی خاطرداری ہوتی رہے تو اور کسی کے آنے جانے سے اُنھین کچھ غرض نہ تھی۔ مہینے مین دو سو روپے نقد کا سکہ اور فرمائشون کا ذکر نہین۔ فیض علی کی ملاقات کے زمانے مین اونکی آمد و رفت بھی کم ہو گئی تھی۔ یا تو ہر روز آیا کرتے تھے۔ یا دوسرے تیسرے دن آنے لگے۔ پھر ایک مرتبہ پندرہ دن کا غوطہ لگایا۔ اب جو آئے۔ تو کچھ اوداس اوداس معمولی باتون کا جواب دیتے ہین اور پھر خاموش ہو جاتے ہین۔ مین نے سبب پوچھا۔

پنا مل۔ کیا تمنے نہ سنا ہوگا !۔ **مین**۔ کیا !۔

پنّا مل۔ ہم تو تباہ ہو گئے۔ گھر مین چوری ہو گئی۔ پشتینون کا اثاثہ سب اوٹھ گیا۔

مین۔ (چونک کے) ”ہائین چوری ہو گئی۔ کتنے کا مال گیا“ ؟

پنا مل۔ سب اوٹھ گیا۔ رہا کیا۔ دو لاکھ کا جواہر اوٹھ گیا۔

مین۔ دل مین تو ہنسی۔ ہنسی اس بات پر کہ ان کے باپ چھنّا مل کروڑپتی مشہور تھے اسمین کچھ شک نہین۔ دو لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ مگر اِن کے نزدیک کیا اصل ہے۔ بظاہر مُنہ بنا کے بہت افسوس کیا۔

پنا مل۔ جی ہان۔ آج کل شہر مین چوریان بہت ہوتی ہین۔ نواب ملکۂ عالم کے ہان چوری ہوئی۔ لالہ ہر پرشاد کے ہان چوری ہوئی۔ اندھیر ہے۔ سنا ہے باہر سے چور آئے ہوئے ہین۔ مرزا علی رضا بیگ بیچارے حیران ہین۔ شہر کے چور سب طلب ہو گئے تھے۔ کسی سے کچھ پتا نہین ملا۔ وہ لوگ کانون پر ہاتھ رکھتے ہین کہ یہ ہمارا کام نہین۔

پنّا مل کے آنے کے دوسرے دن مین اپنے کمرے مین بیٹھی ہون کہ چوک مین ایک غور ہوا۔ مین بھی چلمن کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اب جو دیکھتی ہون تو خلائق کا انبوہ ہے۔

ایک۔ آخر گرفتار ہوئے نا۔ **دوسرا**۔ واہ مرزا کیا کہنا۔ کوتوال ہو تو ایسا ہو۔

تیسرا۔ کیون بھئی کچھ مال کا پتا بھی لگا۔

چوتھا۔ بہت کچھ برآمد ہوا۔ مگر ابھی بہت سا باقی ہے۔

پانچوان۔ میان فیضو بھی گرفتار ہوئے۔

چھٹا۔ وہ کیا آتے ہین۔

مین نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ میان فیضو بندھے چلے آتے ہین۔ سپاہیون کا گاردہ ساتھ ہے۔ گرد خلائق کا انبوہ ہے۔ میان فیضو منہ پر دوپٹہ ڈالے ہوئے ہین اونکی صورت دکھائی نہین دیتی۔ یہ دوپہر سے پہلے کا واقعہ تھا۔

حسب معمول فیض علی کوئی پہر بھر رات گئے تشریف لائے۔ کمرے مین مین ہون اور وہ ہین۔ آتے ہی کہا۔ آج ہم باہر جاتے ہین۔ پرسون آئین گے۔ دیکھو امراؤجان جو کچھ ہمنے تمھین دیا ہے اوسکو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ نہ بوا حسینی کو دینا۔ نہ خانم کو دکھانا تمھارے کام آئے گا۔ ہم پرسون ضرور آئین گے۔ اچھا یہ تو کہو کہ ہمارے ساتھ تھوڑے دنون کے لیے باہر چل سکتی ہو۔

مین۔ تُم جانتے ہو کہ مین اپنے بس مین نہین۔ خانم صاحب کو اختیار ہے۔ تم اون سے کہو۔ اگر وہ راضی ہون تو مجھے کیا عذر ہے۔

فیض علی۔ سچ ہے۔ تم لوگ بڑے بے وفا ہوتے ہو۔ ہم تو تم پر جان دیتے ہین اور تم ایسا خشک جواب دیتی ہو۔ اچھا۔ بوا حسینی کو بلواؤ۔

مین نے بوا حسینی کو آواز دی۔ وہ آئین۔

فیض علی۔ (میری طرف اشارہ کر کے) بھلا کچھ دنون کے لئے باہر بھی جا سکتی ہین

حسینی۔ کہان -؟-

فیض علی۔ فرخ آباد۔ مین کوئی ایسا ویسا آدمی نہین ہون۔ میری وہان ریاست ہے۔ بالفعل مین دو مہینے کے لئے وہان جاتا ہون۔ اگر خانم صاحب منظور کرین تو دو مہینے کی تنخواہ پیشگی بلکہ اوسکے علاوہ جو کچھ کہین مین دینے کو موجود ہون۔

بوا حسینی۔ مجھے تو نہین یقین کہ خانم منظور کرینگی۔

فیض علی۔ اچھا تم پوچھو تو۔

بوا حسینی خانم صاحب کے پاس گئین۔

میرے نزدیک بوا حسینی کو خانم کے پاس بھیجنا بیکار تھا۔ اسلیے کہ مجھے یقین تھا کہ وہ ہرگز منظور نہ کرینگی۔

فیض علی نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا تھا کہ اگر مین اپنے اختیار مین ہوتی تو مجھے اون کے ساتھ جانے مین کچھ بھی عذر نہ ہوتا۔ مین یہ خیال کرتی تھی کہ جب اِس شخص نے گھر بیٹھے اتنا سلوک کیا تو وطن جاکر تو نہال کر دے گا۔ مین اسی خیال مین تھی کہ اتنے مین بوا حسینی نے آکر صاف جواب دیا۔ انکا باہر جانا کسی طرح نہین ہو سکتا۔

فیض علی۔ دوگنی تنخواہ پر بھی۔

بوا حسینی۔ چوگنی تنخواہ پر بھی نہین ممکن۔ ہم لوگ باہر نہین جانے دیتے۔

فیض علی۔ خیر جانے دو۔۔۔۔۔۔ بوا حسینی چلی گئین۔ مین نے دیکھا کہ فیض علی کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہین۔

یہ حال دیکھ کے مجھے بہت ہی ترس معلوم ہوا۔

معشوقون کی بے وفائی کا تذکرہ قصے کہانیون مین جب سنتی تھی تو مجھے افسوس ہوتا تھا۔ برا کہتی تھی۔ مجھے یہ خیال آیا کہ اگر اس شخص کا ساتھ نہ دیا تو میری بیوفائی اور احسان فراموشی مین کوئی شبہ نہین۔

مین نے دل مین ٹھان لیا کہ مین اس شخص کا ضرور ساتھ دونگی۔

مین۔ "اچھا تو مین چلون گی" فیض علی۔ چلو گی؟

مین۔ ہان۔ کوئی جانے دے یا نجانے دے۔ مین ضرور چلون گی۔

فیض علی۔ کیونکر؟ مین۔ چھپ کے۔

فیض علی۔ اچھا۔ تو پرسون رات کو ہم آئین گے۔ پہر بھر رات رہے تمھین یہان سے نکال لے چلین گے۔ دیکھو دغا نہ دینا۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

مین۔ مین اپنی خوشی سے چلنے کو کہتی ہون۔ تم سے وعدہ کر چکی ہون۔ میرے دغے کو بھی دیکھنا۔

فیض علی۔ بہت اچھا۔ دیکھا جائے گا۔

اوس رات کو فیض علی کوئی ڈیڑھ پہر رات رہے میرے پاس سے اوٹھکے چلے گئے۔ اون کے جانے کے بعد مین دل مین غور کرنے لگی کہ وعدہ تو کر لیا۔ مگر دیکھیے ہوتا کیا ہے

جاؤن یا نجاؤن۔

جب فیض علی کی محبت اور اپنے وعدے کا خیال آتا تھا تو دل کہتا تھا۔ جانا چاہیے۔ مگر پھر جیسے کوئی منع کرتا تھا کہ نہ جاؤ۔ خدا جانے کیا ہو کیا نہ ہو۔

اسی اودھیڑ بُن مین صبح ہو گئی۔ کوئی بات طے نہ ہوئی۔ دن بھر یہی باتین دل سے رہین۔ رات کو اتفاق سے کوئی میرے پاس نہین آیا۔ کمرے مین اکیلی اسی فکر مین رہی۔ آخر نیند آ گئی۔ صبح کو ذرا دن چڑھے تک سو یا کی۔ گوہر مرزا نے کچی نیند مین آکر جھنجھوڑ کے اوٹھا دیا۔ مجھے بہت ہی برا معلوم ہوا۔ دن بھر نشے کا سا خمار رہا۔ نہین معلوم۔ کس بات پر بوا حسینی سے اولجھن ہو گئی۔ ہان خوب یاد آیا۔ بات یہ تھی کہ کہین باہر سے مجرا آیا تھا۔ بوا حسینی نے مجھے کہا۔ جاؤ گی۔ اوسوقت میرے سر مین درد ہو رہا تھا۔ مین نے صاف انکار کر دیا۔ بوا حسینی نے کہا واہ جب نہ تب انکار کر دیتی ہو۔ آخر اس پیشے مین ہو کر روگی کیا۔ مین نے کہا۔ مین تو نجاؤنگی۔ بوا حسینی نے کہا نہین جانا ہوگا۔ خاص تمھاری فرمائش ہے۔ اور خانم صاحب نے وعدہ کر لیا ہے۔ روپیہ بھی لے لیا ہے۔ مین نے کہا۔ بوا۔ مین نہین جانے کی۔ روپیہ پھیر دو۔

بوا حسینی۔ بھلا تم جانتی ہو۔ خانم صاحب روپیہ لے کے کبھی پھیرتی ہین۔

مین۔ چاہے کسی کی طبیعت اچھی ہو۔ چاہے نہ اچھی ہو۔ اگر خانم صاحب روپیہ نہ پھیرینگی۔ تو مین اپنے پاس سے پھیر دونگی۔

بوا حسینی۔ آہا ہا۔ اب تم بڑی روپیہ والی ہو گئی ہو۔ لاؤ پھیر دو۔

مین۔ کتنا روپیہ ہے؟ بوا حسینی۔ سو روپیہ۔

مین۔ سو روپیہ لوگی۔ یا کسی کی جان۔

بوا حسینی کو بھی اوسدن خدا جانے کہان کی ضد چڑھ گئی تھی۔

بوا حسینی۔ بڑی کھری ہو تو دیدو۔

مین۔ شام کو دیدون گی۔

بوا حسینی۔ وہان باہر کے آدمی بیٹھے ہوئے ہین۔ وہ شام تک کے لیے کیون مانینگے۔

بوا حسینی اپنے دل مین یہ سمجھی تھین کہ اسکے پاس روپیہ کہان سے آیا۔ اگر اسوقت کہا

جلنے سے تنگ کیجائیگی تو خواہ مخواہ مجھ سے پر راضی ہو جائیگی - میرے صندوقچے مین اوسوقت کچھ نہون گے - تو ہزار ڈیڑھ ہزار کی تو اشرفیان تھین - زیور کا ذکر نہین - مگر اوسوقت بوا حسینی کے سامنے صندوقچہ کھولنا مناسب نہ تھا -

مین - جاؤ گھنٹہ بھر مین لے جانا -

بوا حسینی - گھنٹہ بھر مین کیا موکل دیجائین گے -

مین - ہان دیجائینگے - جاؤ بھئی - مجھے اسوقت دق نہ کرو - میری طبیعت اچھی نہین -

بوا حسینی - آخر کچھ کہو تو لڑکی کیا ہوا -

مین - مجھے بخار کی سی حرارت ہے اور سر مین شدت سے درد ہو رہا ہے -

بوا حسینی - (ماتھے پر ہاتھ رکھ کے دیکھا) ہان سچ تو ہے - بنڈا پھیکا ہے - مگر مجرے کو تو کہین پرسون جانا ہوگا - جبتک خدا نہ کرے کیا طبیعت کا یہی حال رہے گا - روپے کیون پھیرے جائین -

مین اس بات کا کچھ جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ بوا حسینی جلدی سے اوٹھکے چلدین بوا حسینی کی اس ہماہمی سے مجھے بہت ہی غصہ معلوم ہوا - اوسی وقت دل مین بدی آگئی - دل نے کہا اوہ جی! جب ان لوگون کو ہمارے دُکھ بیماری کا خیال نہین - اپنے مطلب سے مطلب ہے تو ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے -

رسوا - کبھی پہلے بھی یہ خیال آپ کے دل مین آیا تھا -

امراؤ - کبھی نہین - مگر آپ یہ کیون پوچھتے ہین ؟ -

رسوا - اس لیے کہ فیض علی نے جو وہ سہارا دیا تھا - اسی سے آپ کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا -

امراؤ - یہ تو کھلی کھلی بات ہے -

رسوا - کھلی کھلی بات تو ہے - مگر اسمین ایک باریکی بھی ہے ؟ -

امراؤ - وہ باریکی کیا ہے - ؟ خدا کے لیے جلدی کہیے -

رسوا - فیض علی کے ساتھ نکل چلنا - وعدہ کرنے سے پہلے آپ کے دل مین ٹھن گیا تھا - اب دل بہانے ڈھونڈھ رہا تھا کہ کیونکر نکل چلون -

امراؤ - نہین یہ بات نہ تھی - مین دودلی ہو رہی تھی کہ جاؤن یا نہ جاؤن گوہر مرزا کا

بے وقت چھیڑنے اور بوا حسینی کی زبردستی سے مین نے جانے کا قصد کر لیا تھا - بلکہ اوسوقت تک کچھ یون ہی سا ارادہ تھا - جبتک رات کو فیض علی آئے تھے - اونکی صورت اور مستعدی دیکھ کے پکا ارادہ ہو گیا -

رسوا - جی نہین - پہلے ہی سے قصد مصمم ہو چکا تھا - اسی لیے گوہر مرزا کا چھیڑنا اور بوا حسینی کی ضد آپ کو بُری معلوم ہوئی - ورنہ یہ معمولی باتین تھین - ایسا تو ہمیشہ ہوا کرتا ہو گا -

امراؤ - مین نے مانا کہ ایسا ہی ہو گا - اچھا - پھر وہ منع کرنے والا کون تھا - مین سچ کہتی ہون کہ چلتے چلتے مجھے ایسا معلوم ہوا - جیسے کوئی کان مین کہہ رہا ہے - امراؤ نہ جا - ہان - جس وقت دو تین زینے اوتر چکی ہون اوسوقت تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی ہاتھ پکڑ کے کھینچتا ہے کہ نہ جا - مگر مین نے نہ مانا -

رسوا - یہ روکنے والا بڑا زبردست تھا - اوسی کا حکم نہ ماننے کی تو آپ نے سزا بھگتی -

امراؤ - اچھا مین سمجھی - یہ وہ چیز ہے جو نیک کامون کی ہدایت کرتی ہے اور بُرے کامون سے روکتی ہے -

رسوا - جی نہین یہ وہ نہین تھی - خانم کے مکان پر رہنا کون سا ایسا اچھا کام تھا - مجھے آپ کی باتون سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ بدکاری کو ہمیشہ بُرا سمجھتی رہی ہین - اگرچہ آپکی حالت نے آپ کو اوسکے کرنے پر مجبور کرتی رہی ہو - پھر خانم کے مکان پر رہنے سے ایک شخص کا ساتھ دے کے اوسکا پابند ہو جانا بدرجہا بہتر تھا - بات یہ تھی کہ فیض علی کے حسن سلوک نے آپ کو اوسکے ساتھ نکل چلنے کی ترغیب دی تھی - قیافہ شناسی کے شوق اور اوسمین کسی قدر ملکہ ہو جانے سے آپ بھی خاصی مردم شناس ہو گئی تھین - عیش باغ کے میلے مین لوگون کے چہرے دیکھنے کا حال مین نے بڑے شوق سے سنا تھا - فیض علی کے کرتوت آپ پر ظاہر نہ تھے - مگر اوسکی شکل و شمائل - رفتار و گفتار سے آپکے دل کو آگاہی ہو گئی تھی کہ اسکے ساتھ جانے مین کچھ نہ کچھ خطرہ ضرور ہے - مگر اوسکی فریب کی باتون اور روپیہ کی لالچ نے آپکی آنکھون پر پردے ڈال دیے تھے - افسوس اگر آپ علم مردم شناسی کے اصول کے ساتھ

واقف ہوتین تو کبھی اوسکے دام مین نہ آتین -
امراؤ- مین پڑھون گی- کسی کتاب کا نام لیجیے-

خانم کا مکان چوک مین بہت ہی محفوظ جگہہ ہے- پچھم کی طرف بازار ہے- اوتر دکھن اونچی اونچی رنڈیون کے کمرے ہاین - ایک طرف بیبا جان کا مکان ہے- دوسری طرف حسینی باندی رہتی تھین- پچھواڑے میر حسین علی صاحب کا دیوانخانہ ہے- غرضکہ کسی جانب سے چور کا لگاؤ نہین ہے- اسپر بھی مین پاسی نوکر تھے جو رات بھر کوٹھون پر پھرتے رہتے تھے- جب سے فیض علی کی آمد رفت شروع ہوئی- منگا پاسی خاص میرے کمرے کے دروازے پر رہتا تھا- کیونکہ فیض علی رات گئے آیا کرتے تھے - اور پہر رات رہے چلے جاتے تھے - دروازے بند کرنے اور قفل لگانے کے لیے منگا مقرر کیا گیا تھا-

شب کو حسب وعدہ فیض علی آئے- تھوڑی دیر تک چپکے چپکے چل نکلنے کے مشورے ہوا کیے اتنے مین منگا نے انگڑائی لی- معلوم ہوا کہ جاگ رہا ہے- فیض علی نے اوسے کمرے مین بلایا - ایک روپیہ جیب سے نکال کے دیا- کہا جاؤ- کولی کی دوکان سے اسکی امرتیان لے آؤ- اور اے لو- یہ روپیہ انعام لو- تمکو ہمنے کچھ نہین دیا تھا- دروازہ بھیڑ دینا- ہم جاگ رہے ہاین- کوئی ڈر نہین- منگا سلام کرکے کمرے کے باہر نکلا- فیض علی نے کہا- لو اب چلو- مین اوٹھی- دو جوڑے کپڑے دن ہی سے گٹھری مین باندھ رکھے تھے - زیور کا صندوقچہ مین نے پہلے ہی کھسکا دیا تھا- گٹھری بغل مین دبائی- اکبری دروازے کی طرف کا راستہ لیا- نخاس مین بیل گاڑی پہلے سے کھڑی کی گئی تھی ہم دونون سوار ہوے - اور چل نکلے- ہنڈولے کے ناکے سے تھوڑی دور جا کے فیض علی کا سائیس گھوڑا لیے ہوے ملا- وہ بھی بہل کے ساتھ ہو لیا- صبح ہوتے ہوتے موہن لال گنج پہونچے- یہان کسرائین دوپہر تک قیام ہوا- بھٹیاری سے کھانا پکوا کے کھایا-

دال ارہر کی بے نمک پھیکی ؎
مطلقاً جسمین بو نہ تھی گھی کی ؎

تیسرے دن راے بریلی مین داخل ہوے - یہان سفر کے مناسب کپڑا خریدا- میرے دو جوڑے بنوائے- لکھنؤ سے جو کپڑے پہن کے آئی تھی اوتھین اوتار کے گٹھری مین باندھا

راے بریلی سے بیل گاڑی کو جو لکھنؤ سے آئی تھی - رخصت کیا- دوسری گاڑی کرایہ کی- لال گنج کی طرف روانہ ہوے - یہ قصبہ راے بریلی سے کوئی نو دس کوس کے فاصلے پر ہے - شام ہوتے ہوتے پہونچ گئے- رات بھر سراے مین اوترے- فیض علی ضروری سودا سلف کے لیے بازار گئے- جس کوٹھری مین ہم تھے اوسکے پاس والی کوٹھری مین ایک دیہاتی رنڈی اوتری ہوئی تھی- نصیبن نام تھا- گہنے پاتے سے درست تھی- کپڑے بھی اچھے تھے- تھی تو دیہاتی- مگر زبان بہت صاف تھی- لب و لہجہ قصباتیون کا سا تھا- میرے اوسکے دیر تک باتین ہوا کین-

نصیبن- آپ کہان سے آئی ہین- **مین**- فیض آباد سے-

نصیبن- فیض آباد مین تو میری بہن پیارن رہتی ہے اوسے آپ ضرور جانتی ہونگی

مین- (آخر پہچان گئی نہ کہ مین بھی رنڈی ہون) مین کیا جانون-

نصیبن- فیض آباد مین کون ایسی بیٹریا ہے جو ہمکو نہین جانتی-

مین- بہت دنون سے ان کے گھر بیٹھ گئی ہون - یہ لکھنؤ مین رہتے ہاین- اسلیے مین بھی اکثر وہین رہتی ہون -

نصیبن- آخر پیدایش تو تمھاری فیض آباد کی ہے نہ؟

مین- (یہ تو بالکل سچ کہتی ہے- اب کیا جواب دون) ہان پیدا تو وہین ہوئی- مگر بچپنے سے باہر رہی-

نصیبن- تو فیض آباد مین کسیکو نہین جانتین-

مین- کسی کو نہین- **نصیبن**- یہان کیونکر آنا ہوا-

مین- ان کے ساتھ ہون- **نصیبن**- اور جاؤگی کہان-

مین- اوناؤ- **نصیبن**- لکھنؤ ہوتی ہوئی آئی ہو

مین- ہان-

نصیبن- پھر سیدھا رستہ چھوڑ کے ادھر ٹیڑھے مین کہان آئی ہو- نوبت گنج ہو کے اوناؤ چلی گئی ہوتین-

مین- راے بریلی مین انکا کچھ کام تھا-

نصیبن- مین نے اسلیے کہا کہ ادھر کا رستہ بہت خراب ہے- ڈاکوؤن کے مارے

مسافرون کی آمد و رفت بند ہے۔ پلیہ کے میدان مین سیکڑون کو لوٹ لیا۔ اونا ڈگا
رستہ ادھر ہی سے ہو کے ہے۔ تم تین آدمی ہو۔ جسمین دو مرد ایک عورت ذات۔
تمھارے ہاتھ گلے مین گہنا بھی ہے۔ بھلا تمھاری کیا حقیقت ہے۔ وہان تو راتین
لُٹ جاتی ہین۔

مین۔ تن بہ تقدیر۔ نصیبن۔ بڑی دل کی کڑی ہو۔

مین۔ پھر کیا کرون۔

اسکے بعد اور اِدھر اُدھر کی باتین ہوا کین۔ جنکا دُوہرانا کوئی ضروری نہین ہے
اور نہ مجھے یاد ہین۔ ہان مین نے پوچھا۔

مین۔ تم کہان جاؤگی۔ نصیبن۔ ہم تو گدائی کو نکلے ہین۔

مین۔ مین نہ سمجھی۔ نصیبن۔ اے تو گدائی نہین جانتی۔ کیسی پتریا ہو۔

مین۔ بہن مین کیا جانون۔ گدائی تو بھیک مانگنے کو کہتے ہین۔

نصیبن۔ ہمارے دشمن بھیک مانگین۔ اور سچ پوچھو تو مین کہون۔ پتریا کی ذات
بھک منگی ہے۔ اسمین ڈیرہ دار ہو۔ یا نہ ہو۔

مین۔ ہان یہ تو سچ ہے۔ مگر مجھے نہین معلوم تھا گدائی کسے کہتے ہین۔

نصیبن۔ سال مین ہم لوگ ایک مرتبہ گھر سے نکل کے گاؤن گاؤن پھرتے ہین۔ امیر
رئیسون کے مکان پر جاکے اوترتے ہین۔ جو کچھ جسکے مقدور ہوتا ہے۔ ہمین دیتا ہے۔
کہین مجرائی ہوتا ہے۔ کہین نہین ہوتا۔

مین۔ اچھا اسکو گدائی کہتے ہین۔ نصیبن۔ ہان۔ اب سمجھین۔

مین۔ یہان کسی رئیس کے پاس آئی ہوئی ہو۔

نصیبن۔ یہان سے تھوڑی دور پر ایک شیو دھیان سنگھ ایک راجہ کی گڑھی ہے۔
اونھین کے پاس گئی تھی۔ راجہ صاحب کو بادشاہی حکم ہوا ہے۔ ڈاکوون کے بندوبست
کو گئے ہوئے ہین۔ کئی دن ٹھہری رہی۔ آخر دم گھبرایا۔ یہان چلی آئی۔ یہان سے
دو کوس پر ایک گاؤن ہے سمریا۔ وہ گاؤن بالکل پتریون کا ہے۔ وہان میری
خالہ رہتی ہین۔ کل اون کے پاس جاؤن گی۔

مین۔ پھر کہان جاؤگی۔ وہین ٹھہری رہون گی۔ جب راجہ صاحب آجائین گے تو پھر

گڑھی کو جاؤن گی۔ اور بہت سے ڈیرے بھی اونکی انتظار مین ٹھہرے ہوئے ہین۔

مین۔ کیا راجہ صاحب کو ناچ مجرے سے بہت شوق ہے۔

نصیبن۔ بہت شوق تھا۔ مین۔ کیون اب کیا ہوا۔

نصیبن۔ جب سے ایک پتریا لکھنؤ سے لائے ہین۔ ہم لوگون کی کوئی قدر نہین رہی

مین۔ اوس پتریا کا کیا نام ہے۔

نصیبن۔ نام تو مجکو یاد نہین۔ صورت دیکھی ہے۔ گوری گوری سی ہے۔ ذرا چہرہ
مہرے کی اچھی ہے۔

مین۔ گاتی تو خوب ہوگی۔

نصیبن۔ خاک۔ گانا وانا کچھ نہین آتا۔ ہان ناچتی ذرا اچھا ہے۔ راجہ صاحب اُسی
پر لٹو ہین۔

مین۔ کتنے دنون سے وہ پتریا آئی ہے۔

نصیبن۔ کوئی چھ مہینے ہوئے ہون گے۔

رات کو مین نے فیض علی سے راستے کی خرابی کا حال بیان کیا۔ اوھون نے
کہا خاطر جمع رکھو ہمنے بندوبست کر لیا ہے۔

دوسرے دن منھ اندھیرے ہم لال گنج کی سرائے سے روانہ ہوئے۔ نصیبن کی گاڑی
ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ فیض علی گھوڑے پر سوار تھے۔ ہم اور نصیبن باتین کرتے
جاتے تھے۔ تھوڑی دور چل کے سمریا ملا۔ نصیبن نے دُور سے ہمکو وہ گاؤن دکھایا۔
سڑک کے کنارے کھیت تھے۔ اونمین کچھ گنواریان پانی دے رہی تھین۔ کچھ کھیت
نرا رہی تھین۔ ایک پُرائی چل رہی تھی۔ اوسمین ایک مُسٹنڈی عورت دھوتی
باندھے بیل ہنکا رہی تھی۔ ایک پُرسے رہی تھی۔ نصیبن نے کہا یہ سب پتریا ہین۔
مین نے دل مین کہا۔ واہ یہ پیشہ بھی کیا۔ پھر اس قدر محنت جو مردون سے بمشکل ہو۔
آخر ان کو پتریا ہونا کیا ضرور تھا۔ مگر ان کی صورتین بھی ایسے ہی کامون کے لائق
ہین۔ لکھنؤ مین جو کنڈے والیان دہی والیان۔ گھوسنین آتی ہین اونکی شکل
بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ نصیبن یہان سے رخصت ہوئی۔

کوئی دو کوس اور جا کے ایک نشیب ملا۔ جا بجا بیہڑ۔ بڑے بڑے غار۔ سامنے ندی کا کنارہ نظر آیا۔ دونون طرف دور تک گنجان درختون کی قطار تھی۔ جب ہم اس موقع پر پہونچے ہین دھوپ اچھی طرح نکل چکی تھی۔ کوئی پہر بھر دن چڑھا ہوگا۔ اس سڑک پر سوا ہمارے اور کوئی راستے چلتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ چارون طرف سناٹا تھا۔ ندی کے پاس پہونچ کے فیض علی نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ مین رو کتی کی روکتی رہ گئی۔ وہ یہ جا وہ جا۔ بہت دور نکل گئے۔ تھوڑی دور تک گھوڑا نظرون سے غائب رہا۔ پھر ندی کے اوس پار جا کے معلوم ہوا۔ ہماری گاڑی اوسی طرح چلی جاتی تھی۔ گاڑیبان گاڑی ہانک رہا تھا۔ سائیس گھوڑے کے پیچھے دوڑا چلا گیا تھا۔ اب مین ہون اور وہ گاڑیبان ہے۔ اتنے مین دور سے مین نے دیکھا دس پندرہ گنوار گاڑی کی طرف دوڑے چلے آتے ہین۔ مین نے دل مین کہا۔ خدا خیر کرے۔ تھوڑی دیر مین گنوارون نے آ کر گاڑی کو گھیر لیا۔ سب تلوارین باندھے ہوئے تھے۔ بندوقین کندھے پر تھین۔ توڑے سُلگ رہے تھے۔

گنوار۔ (گاڑیبان سے) گاڑی روک۔ کون ہے گاڑی مین۔

گاڑیبان۔ یہ سواری بریلی سے آئی ہے۔ اوناؤ کا بھاڑا کیا ہے۔

گنوار۔ روک گاڑی۔

گاڑیبان۔ گاڑی کیون روکین۔ خانصاحب کے ہان کی زنانی سواری ہے۔

گنوار۔ کوئی مرد ساتھ نہین ہے۔

گاڑیبان۔ مرد آگے بڑھ گئے ہین۔ آتے ہون گے۔

گنوار۔ اوترو بی بی صاحب گاڑی سے۔

ایک۔ پردہ کھول کے کھینچ لو باہر۔ سُسری تریا تو ہے۔ اسکا پردہ کون۔

ایک گنوار آگے بڑھا۔ گاڑی کا پردہ اولٹ کے مجھے گاڑی سے نیچے اوتار لیا۔ تین آدمی مجکو گھیر کے کھڑے ہوگئے۔ اتنے مین ندی کی طرف سے گرد اوٹھی۔ گھوڑون کی ٹاپون کی آواز آئی۔ جب گھوڑے قریب آئے مین نے دیکھا آگے فیض علی کا گھوڑا ہے۔ پیچھے اور دس پندرہ سوار ہین۔ گنوارون نے دیکھتے ہی بندوقون کی ایک باڑھ ماری۔ اسمین دو سوار اودھر کے گر پڑے۔ پھر تلوارین میان

سے لین سوار سر ہی پر آ گئے تھے۔ اِدھر سے بھی تلوارین کھنچ گئین۔ دو ایک ہاتھ چلے ہون گے تین گنوار اودھر سے زخمی ہو کے گرے۔ ایک سوار اور ادھر گرا گنوار بھاگ نکلے۔ اچھا کہان جاؤ گے۔ دیکھو ندی اوسپار کیا ہوتا ہے۔

گنوارون کے جانے کے بعد مین پھر گاڑی مین بیٹھی۔ جس سوار کے زخم آیا تھا۔ اوسکے پٹیان کسی گئین۔ وہ بھی گاڑی مین میرے ساتھ بٹھایا گیا۔ گاڑی روانہ ہوئی۔ اب دو سوار ہماری گاڑی کے ادھر اودھر ہین۔ کچھ آگے ہین۔ کچھ پیچھے ہین۔

فیض علی۔ (اپنے ساتھی سے)۔ بھائی فضل علی لکھنؤ سے کسی طرح نکلنا ہی نہین ہوتا تھا۔ بڑی مشکل سے جان چھڑا کے آیا ہون۔

فضل علی۔ یہ نہین کہتے۔ عیش مین پڑے تھے۔

فیض علی۔ ہان یہ تو کہوگے۔

فضل علی۔ کہین گے کیا۔ تحفہ بھی تو ساتھ ساتھ ہے۔ ذرا بھابھی صاحب کو ہم بھی تو دیکھین۔

فیض علی۔ آپ سے کوئی پردہ ہے۔ دیکھیئے۔

فضل علی۔ اچھا۔ ڈیرے پر چل کے بامراد دیکھین گے۔

اتنے مین گاڑی ندی کے کنارے پر پہونچ گئی۔ کنارہ بہت اونچا تھا۔ مجکو گاڑی سے اوتر کے پیدل چلنا پڑا۔ بڑی مشکل سے گاڑی دوسرے کنارے تک پہونچی۔ جو زخمی سوار گاڑی مین تھا۔ اوسکے زخم گاڑی کی ہچکان سے کھل گئے تمام گاڑی مین خون ہی خون تھا۔

ندی اوسپار جا کے زخم پھر سے باندھے گئے۔ گاڑی دھوئی گئی۔ پھر مین گاڑی مین سوار ہوئی۔ اب قریب دوپہر دن کے آ چکا۔ مجھے شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی۔ گاڑی اوسی طرح چل رہی تھی۔ اون لوگون کا ڈیرہ کہین دکھائی نہ دیتا تھا۔ ندی سے کوئی چار کوس پر جا کے ایک گانون کے پاس باغ تھا۔ اسمین جھولداریان پڑی ہوئی تھین۔ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ لوگ ادھر اودھر پھر رہے تھے۔ کچھ لوگ کھانا پکا رہے تھے۔ یہان آ کر ہماری گاڑی پہونچی۔ ہمارے ساتھ کے

سوارون کو دیکھتے ہی ایک آدمی اُس پڑاؤ سے دوڑ کر آگے بڑھا۔ اوس نے کچھ فضل علی کے کان مین کہا۔ فضل علی کے چہرے سے تشویش کے آثار ظاہر ہونے تھے۔ وہ فیض علی کے پاس گھوڑا بڑھا کے آئے۔ فیض علی سے چپکے چپکے باتین ہوئین

فیض علی۔ اچھا دیکھا جائے گا۔ کھانا تو کھا لو۔

فضل علی۔ کھانا کھانے تک کی مہلت نہین ہے۔ ایسے ہی نکل چلو۔

فیض علی۔ اچھا جبتک چھولداریان اوکھاڑ لیجائین۔ گھوڑون پر زین کسے جائین ہم لوگ کھانا کھالین۔

مین گاڑی سے اوتری۔ ایک آنب کے درخت کے نیچے دری بچھا دی گئی۔ سالن کی پتیلیان لاکے رکھی گئین۔ گھی کی تھی روٹیان موٹی موٹی ٹوکری. لون مین آئین۔ مین فیض علی اور فضل علی تین آدمیون نے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے وقت اگرچہ چہرون پر تشویش کے آثار تھے۔ مگر ہنسی مذاق ہوتا جاتا تھا۔ جتنی دیر مین ہم لوگون نے کھانا کھایا۔ چھولداریان اوکھاڑ کے ٹٹوؤن پر لادی گئین۔ زین کسے گئے۔

آخر قافلہ چل نکلا۔

دو ہی تین کوس گئے ہونگے کہ بہت سے سوار اور پیدلون نے آکر گھیر لیا۔ ادھر بھی سب پہلے سے مستعد تھے۔ دونون طرف سے گولیان چلنے لگین۔ اس لڑائی مین فیض علی میری گاڑی کے آس پاس رہے۔ مین گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی دعائین پڑھ رہی ہون۔ کلیجہ ہاتھون اوچھل رہا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی گاڑی کا پردہ کھول کے دیکھ لیتی ہون۔ یہ گرا وہ گرا۔ آخر دونون طرف سے بہت سے آدمی زخمی ہوے۔ ہمارے ساتھ پچاس ساٹھ آدمی تھے۔ (راجہ دھیان سنگھ کے آدمی بہت سے تھے۔ ایک پر دس ٹوٹ پڑے۔ بہت زخمی ہوے۔ فضل علی اور فیض علی موقع پاکر نکل گئے۔ دس بارہ آدمی اور گرفتار ہوے۔ انھین گرفتارون مین مین بھی تھی۔

ہم لوگون کی گرفتاری کے بعد گاڑیبان نے منت سماجت کرکے رہائی حاصل کی۔

زخمی سوار کو میدان مین ڈال دیا۔ جہان اور لاشین پڑی ہوی تھین۔ وہ تو اپنی جان لے کے راہ سے بریلی کی طرف روانہ ہوا۔ مردمون کی مشکین کسی گئین۔ گڑھی کی طرف روانہ ہوے۔ گڑھی وہان سے کوئی پانچ کوس تھی۔ تھوڑی دور جاکے راجہ صاحب اور اون کے ساتھ کے اور لوگ ملے۔ راجہ صاحب خود گھوڑے پر سوار تھے۔ ہم لوگ سامنے گئے۔ میری طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

راجہ۔ یہی بی صاحب لکھنؤ سے آئی ہین۔

مین (ہاتھ باندھ کے) حضور قصوروار تو ہون۔ لیکن اگر غور کیجیے تو ایسا قصور بھی نہین۔ عورت ذات۔ چھل فریب سے آگاہ نہین۔ مین کیا جانتی تھی۔

راجہ۔ اب اپنی بے قصوری ثابت کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ قصور آپ کا ثابت ہے جو باتین پوچھی جائین اوسکا جواب دیجیے۔

مین۔ جو حکم حاکم۔

راجہ۔ لکھنؤ مین کہان مکان ہے۔ مین۔ ٹکسال کے پاس۔

راجہ۔ جہان خانم کا مکان ہے۔ مین۔ حضور وہین۔

راجہ۔ (آدمیون کو اشارہ کیا) دیکھو تمت کھیڑہ سے ایک بہل گاڑی لے لو۔ لکھنؤ کی رنڈیان ہین۔ ہمارے دیس کی پتریان ہون کہ رات بھر محفل مین ناچین اور برات کے ساتھ دس کوس تک ناچتی چلی جائین۔

مین۔ حضور کو خدا سلامت رکھے۔

آدمی گئے۔ کھیڑے سے گاڑی لے آئے۔ مجھے گاڑی پر بٹھایا۔ اور لوگ اوسی طرح مشکین کسے ہوے ساتھ ساتھ تھے۔

گڑھی مین پہونچکر وہ لوگ نہین معلوم کہان بھیجدیے گئے۔ مین کوٹ مین بلائی گئی۔ ستھرا مکان رہنے کو دیا گیا۔ دو آدمی خدمت کو مقرر ہوے۔ پکا پکایا کھانا۔ پوریان کچوریان۔ مٹھائیان۔ طرح طرح کے اچار کھانے کو۔ لکھنؤ کے چھوڑنے کے بعد آج رات کو کھانا سیر ہو کے کھایا۔ دوسرے دن صبح کو معلوم ہوا کہ اور قیدی لکھنؤ روانہ کر دیے گئے مجکو رہائی کا حکم ہے۔ مگر ابھی راجہ صاحب رخصت نہین کرینگے۔

پہر بھر دن چڑھے راجہ صاحب نے بلا بھیجا۔

راجہ - اچھا ہمنے معکور نا کیا - فیضو اور فضل علی دونون بدمعاش نکل گئے - اور سب نابکار جو گرفتار ہوے - لکھنو مین پہونچکر اپنی سزا کو پہونچین گے - بیشک تمھارا کوئی قصور نہین ہے - مگر آئندہ ایسے لوگون سے نہ ملنا - اگر تمھارا جی چاہے تو دو چار دن یہان رہو - ہمنے تمھارے گانے کی بہت تعریف سنی ہے -

مین - (انھین کی وہ بات یاد آئی کہ راجہ صاحب کے پاس لکھنؤ کی کوئی رنڈی ہے - ہو ہو اوسنے میری تعریف کی ہوگی) حضور نے کس سے سنا -

راجہ - اچھا - یہ بھی معلوم ہو جائے گا -

تھوڑی دیر کے بعد لکھنؤ کی وہ رنڈی طلب ہوئی - لکھنؤ کی رنڈی کون - خورشید جان - خورشید دوڑ کے مجھسے لپٹ گئی - دونون مل کے رونے لگین - آخر راجہ صاحب کے خوف سے فوراً علحدہ ہو کر سامنے مودب بیٹھ گئین - سازندے طلب ہوے - رہائی کی خبر سُنکے مین نے ایک حسب حال غزل کہہ لی تھی - بہت سے شعر تھے - جو شعر اب یاد آتے ہین سنائے دیتی ہون - ایک شعر پر راجہ صاحب اور حاضرین جلسہ بہت ہی محظوظ تھے - بیخودی کا عالم طاری تھا - غزل یہ ہے -

قیدیِ الفت صیاد رہا ہوتے ہین ؎
خوشنوایان چمن زاد رہا ہوتے ہین ؎
تو بھی چھوٹے تو تری زلف نچھوڑے ہمکو
کوئی ہم اے ستم ایجاد رہا ہوتے ہین
حسرت اے ذوقِ اسیری کہ خفا ہے صیاد
آج ہم با دلِ ناشاد رہا ہوتے ہین ؎
خاطرِ نازکِ صیاد کو برداشت نہین ؎
باعثِ نالہ و فریاد رہا ہوتے ہین ؎
غمِ دنیا نہ سہی اور ہزارون غم ہین
قید ہستی سے کب آزاد رہا ہوتے ہین ؎
کیون نہ رشک آئے ہمین تازہ گرفتارون کا
ہم تو اے لذتِ بیداد رہا ہوتے ہین ؎

اے اداؔ قیدِ محبت سے رہائی معلوم
کب اسیرِ غمِ صیاد رہا ہوتے ہین

مقطع سنکے راجہ صاحب نے پوچھا - اداؔ کسکا تخلص ہے -

خورشید نے کہا - خود انھین کی کہی ہوئی ہے - راجہ اور بھی خوش ہوے -

راجہ - اگر ایسا جانتے تو ہم آپ کو ہرگز رہا نہ کرتے -

مین - غزل سے حضور کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسی کا تو افسوس ہے - مگر اب تو حضور حکم دے چکے - اور لونڈی آزاد ہو چکی -

اسکے بعد جلسہ برخاست ہوا - راجہ صاحب اندر رسوئی کھانے چلے گئے - خورشید سے مجھسے خوب باتین ہوئین -

خورشید - دیکھو بہن میرا کوئی قصور نہین - خانم صاحب سے اور راجہ صاحب سے بہت دنون سے لاگ ڈانٹ تھی - راجہ صاحب نے کئی مرتبہ مجکو بلوایا اونھون نے صاف انکار کر دیا - آخر عیش باغ کے میلے مین اون کے آدمی لگے ہوے تھے - مجکو زبردستی اوٹھا لائے - جب سے مین یہین ہون - ہر طرح کی میری خاطر ہوتی ہے - سب طرح کا آرام ہے -

مین - موے گنوارون مین خوب تمھارا جی لگتا ہے -

خورشید - یہ بات سچ ہے - مگر تم میری طبیعت کو جانتی ہو - روز ایک نئے شخص کے پاس جانا میرے بالکل خلاف ہے - وہان یہی کرنا پڑتا تھا - خانم کو جانتی ہو - یہان صرف راجہ صاحب سے سابقہ ہے - اور سب میرے حکم کے تابع ہین - دوسرے یہ میرا وطن ہے - یہان کی ہر چیز مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے -

مین - تو تمھارا ارادہ لکھنؤ جانے کا نہین ہے -

خورشید - مجھے تو معاف کرو - یہان اچھی طرح ہون - تم بھی یہین رہو -

مین - یہان تو نہ رہون گی - مجبوری کی اور بات ہے -

خورشید - لکھنؤ جاؤ گی - مین - نہ -

خورشید - پھر کہان - مین - جہان خدا لیجائے -

خورشید - ابھی کچھ دنون رہو - مین - ہان ابھی تو ہون -

پندرہ بیس دن تک مین گڑھی مین رہی۔ خورشید سے روزانہ ملتی تھی۔ خورشید کا دل وہان لگا ہوا تھا۔ میرا جی بہت گھبراتا تھا۔ آخر راجہ صاحب سے مینے عرض کیا۔

مین۔ حضور نے مجھے حکم رہائی دیا ہے۔

راجہ۔ ہان۔ تو پھر کیا جانا چاہتی ہو؟!

مین۔ جی ہان۔ پھر لونڈی کو رخصت بجیے۔ پھر حاضر ہو جاؤن گی۔

راجہ۔ یہ تو لکھنؤ افقرے ہین۔ اچھا کہان جاؤگی۔

مین۔ کانپور۔ راجہ۔ لکھنؤ نہ جاؤ گی!

مین۔ حضور لکھنؤ کیا مُنہ لے کے جاؤن گی۔ خانم سے کیسی شرمندگی ہوگی۔ ساتھ والیان کیا کیا ہنسین گی۔

اول تو میرا ارادہ لکھنؤ جانے کا نہ تھا۔ دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ لکھنؤ جانے کو اگر راجہ سے کہونگی تو شاید رہائی نہ ہوگی۔ کیونکہ وہان جانے سے خورشید کا حال کھلجاتا شاید خانم کوئی آفت برپا کرتین۔

راجہ صاحب میرے اِس ارادے سے بہت خوش ہوے۔

راجہ۔ تو لکھنؤ کبھی نہ جاؤگی۔

مین۔ لکھنؤ مین میرا کون بیٹھا ہے۔ گانے بجانے کا پیشہ ہے۔ جہان رہونگی کوئی نہ کوئی قدردان نکل ہی آئے گا۔ خانم کی قید مین رہنا اب مجھے منظور نہین۔ اگر وہان رہنا ہوتا تو نکل کیون آتی۔

مین نے راجہ صاحب کو بالکل یقین دلا دیا کہ مین لکھنؤ ہرگز نہ جاؤنگی۔

دوسرے دن راجہ نے مجھے رخصت کیا۔ دس اشرفیان انعام دئے۔ ایک دوشالہ دیا۔ ایک رومال۔ ایک رتھ مع تین بیل۔ غرضکہ مجھے ڈیرہ دار ترپا بنا دیا۔ ایک گاڑیبان اور دو اور آدمی میرے ساتھ کیئے۔ اوناؤ کو روانہ ہوی۔ وہان پہنچکر سلارو بھٹیارے کے مکان مین ٹھہری۔ راجہ صاحب کے آدمیون کو رخصت کیا۔ صرف گاڑیبان رہگیا۔ سرِشام مین اپنی کوٹھری کے سامنے بیٹھی ہون۔ مسافر آتے جاتے ہین۔ بھٹیاریان چلّا رہی ہین۔ میان مسافر ادِھر ادھر۔ مکان جھاڑا ہوا۔ حقہ پانی کو آرام۔ کھانے پینے کو آرام۔ گھوڑے ٹٹو کے لیے نیم کا سایہ . . . ۔"

اتنے مین دیکھتی کیا ہون فیض علی کا سائیس چلا آتا ہے۔ سرا کے پھاٹک ہی سے اوسکی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میرے اوسکی چار آنکھین ہوئین۔ وہ سیدھا میرے پاس چلا آیا۔ باتین کرنے لگا۔ پہلے میرا حال پوچھا اوسکے بعد مین نے فیض علی کو پوچھا۔ اوسنے کہا۔ اونکو آپ کی اوناؤ مین آنے کی خبر مل گئی ہے۔ آج رات کو پہر ڈیڑھ پہر رات گئے ضرور آجائین گے۔ یہ سُن کے میرا دل دھڑکنے لگا۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے اب فیض علی کا ساتھ منظور نہ تھا۔ تخت گڈھ کے واقعے کے بعد مین سمجھی تھی اب گلو خلاصی ہو گئی۔ اوناؤ مین فیض علی کے ملنے کا سان گمان تک نہ تھا۔ مین نے دل مین کہا۔ لو پھر آفت کا سامنا ہوا۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ فیض علی میری جان نہ چھوڑینگے۔ رات کو کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے فیض علی جان پر نازل ہو گئے۔ معمولی بات چیت کے بعد اوناؤ سے روانگی کا مشورہ ہونے لگا۔ بڑی دیر تک باتین رہین۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ گاڑیبان کو رخصت کرو۔ سائیس گاڑی ہنکا لے گا۔ مین خود گھوڑے کو دیکھ لون گا۔ پھر یہ ٹھہری کہ گاڑی سلارو بھٹیاری کے پاس چھوڑ دو۔ راتون رات گنگا اوسپار اوتر چلو۔ اب مین کیا کر سکتی تھی فیض علی کے بس مین تھی۔ جو اونھون نے کہا۔ مجھے چار و ناچار منظور کرنا پڑا۔ فیض علی نے سلارو کو بلایا۔ کنارے لیجاکے دیر تک باتین کین۔ کوئی آدھی رات گئے اپنے ساتھ گھوڑے پر مجھے بٹھایا۔ سرا سے باہر ہوے۔ پانچ چھ کوس زمین کا چلنا۔ رات کا وقت میرا بند بند ٹوٹ گیا۔ مدتون درد رہا۔ آخر جون تون کرکے گنگا کے کنارے پہونچے۔ بڑی مشکل سے ناؤ تلاش کی۔ اوسپار اوترے۔ فیض علی نے کہا۔ اب کوئی خوف نہین ہے صبح ہوتے ہوتے کانپور پہونچگئے۔ فیض علی نے مجکو لاٹھی محال کی سرا مین اوتارا۔ خود مکان کی تلاش مین نکلے۔ تھوڑی دیر کے بعد آکے کہا۔ یہان ٹھہرنا ٹھیک نہین ہے۔ مکان ہمنے ٹھہرا لیا ہے۔ وہان چلی چلو۔ ڈولی کرایہ کی۔

تھوڑی دیر مین ڈولی ایک پختہ عالی شان مکان کے دروازے پر ٹھہری۔ فیض علی نے ہمکو یہان اوتارا۔ مکان کے اندر جاکے کیا دیکھتی ہون کہ ایک دالان مین دو کھرّی چار پائیان پڑی ہین۔ ایک چٹائی بچھی ہوئی ہے اوسپر ایک عجیب قطع کا حقہ رکھا ہوا ہے۔ جسے دیکھتے ہی حقہ پینے سے مجھے نفرت ہو گئی۔ مکان کا قرینہ دیکھ کے دل کو وحشت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد فیض علی نے کہا۔ اچھا تو مین بازار سے کچھ کھانے کو لے آؤ۔

مین نے کہا۔ بہتر مگر ذرا جلدی آنا۔ فیض علی بازار کو گئے۔ مین اوسی مکان مین اکیلی بیٹھی ہون۔

اب سُنیے۔ فیض علی بازار کو جو گئے تو وہین کے ہو رہے۔ نہ آج آتے ہین نہ کل۔ ایک گھڑی دو گھڑی۔ پھر دو پہر کہان تک کہون۔ دو پہر گذری۔ شام ہوتے آئی۔ اوناؤ مین سرِشام کھانا کھایا تھا۔ رات کو گھوڑے پر چلنے کی تکان۔ نیند کا خمار۔ صبح سے منہ پر چلو پانی تک نہین پڑا۔ ٹکڑا پان تک نہین کھایا۔ بھوک کے مارے دم نکلا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر مین سورج ڈوب گیا۔ اندھیرا ہونے لگا۔ آخر رات ہو گئی۔ یا خدا اب کیا کرون۔ بستہ کھول دیا۔ اوڑھے بیٹھی۔ اِتنا بڑا دھنڈار مکان۔ بھائین بھائین کر رہا ہے۔ ہیہات خدا کی ذات اور مین اکیلی۔ یہ معلوم ہوتا تھا اب اِس کوٹھری سے کوئی نکلا۔ وہ سامنے والے دالان مین کوئی ٹہل رہا ہے۔ کوٹھے پر دھم دھم کی آواز آئی۔ زینے سے کوئی کھٹ کھٹ اوترا چلا آتا ہے۔ دو پہر رات ہو گئی۔ اب تک انگنائی اور دیوارون پر چاندنی تھی۔ اب چاند بھی چھپ گیا۔ بالکل اندھیرا گھپ ہو گیا۔ آخر مین دوشالے سے منہ لپیٹ کے پڑی۔ پھر کچھ کھٹکا ہوا۔ رات پہاڑ ہو گئی۔ کاٹے نہین کٹتی ہے۔ آخر جون تون کرکے صبح ہوئی۔

دوسرے دن صبح کو تو عجب ہی عالم تھا۔ اب لکھنؤ کی قدر ہوئی۔ دل مین کہتی تھی یا خدا کس مصیبت مین جان پڑی۔ لکھنؤ کا عیش چین اور اپنا گھر یاد آتا تھا۔ اِدھر ایک آواز دی اودھر آدمی مستعد۔ حقہ۔ پان۔ کھانا۔ پانی۔ جو کچھ ہو۔ اِدھر منہ کیا اودھر سامنے موجود۔ خلاصہ یہ کہ آج بھی صبح سے دو پہر ہو گئی اور فیض علی نہ آئے۔

اس حالت مین اگر کوئی نیکبخت بی بی چار دیواری کی بیٹھنے والی ہوتی تو دم ہی گھٹ گھٹ کے مرجاتی۔ میرا ہواؤ تو کھلا ہوا نہ تھا۔ مگر پھر بھی سیکڑون مردون مین بیٹھ چکی تھی۔ کانپور رہی۔ لکھنؤ کے تو اکثر گلی کوچون سے واقف۔ یہان کی بھی سرا دیکھی تھی۔ بازار دیکھا تھا۔ اب میری بلا اوس خالی مکان مین بیٹھی رہتی۔ جھپ سے کنڈی کھول گلی مین نکل کھڑی ہوئی۔ دس بیس قدم گئی ہونگی کہ دیکھتی کیا ہون کہ ایک شخص سرکاری وردی پہنے گھوڑے پر سوار۔ دس بندہ برق انداز ساتھ۔ اُن کے حلقے مین میان فیض علی ہتکڑیان کسی ہوئین

سامنے سے چلے آتے ہین۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی مین سن سے ہو گئی۔ وہین ٹھٹک گئی۔ ایک ایک قدم سو سو من کا ہو گیا تھا۔ مگر خیریت یہ ہوئی کہ اِن لوگون مین سے کسی کی نگاہ مجھ پر نہین پڑی۔ وہ نکلے ہوے چلے گئے۔ مین ایک گلی مین ہو رہی۔ تھوڑی دور جا کے ایک پتلی سی گلی ملی۔ اِس گلی مین ایک مسجد تھی۔ مین نے دل مین خیال کیا کہ سب سے بہتر خدا کا گھر ہے۔ تھوڑی دیر یہین جا کے ٹھہرنا چاہیے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مین دندانہ اندر چلی گئی۔ یہان ایک مولوی صاحب سے سامنا ہوا۔ کالے سے تھے۔ سر منڈا ہوا تھا۔ ایک نیلی تہمت باندھے ہوے دھوپ مین ٹہل رہے تھے۔ پہلے تو شاید سمجھے کہ مین طاق بھرنے آئی ہون۔ بہت ہی خوش۔ جب مین جا کے صحن کے کنارے پاؤن لٹکا کے بیٹھ گئی۔ تو قریب آ کے پوچھنے لگے۔ "کیون بی صاحب آپ کا یہان کیا کام ہے!؟"

مین۔ مین مسافر ہون۔ "خدا کا گھر سمجھ کے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئی ہون۔ اگر آپ کو ناگوار ہو تو ابھی چلی جاؤن؟"

مولویصاحب اگرچہ بہت ہی بے تکے تھے۔ مگر میری لگاوٹ کی نظر اور دلفریب تقریر نے جادو کا اثر کیا۔ بھلا جواب کیا منہ سے نکلتا۔ ہکا بکا اِدھر اودھر دیکھنے لگے۔ مین سمجھ گئی کہ دام مین آ گئے۔

مولوی۔ (تھوڑی دیر کے بعد بہت سنبھل کے) اچھا تو آپ کا کہان سے آنا ہوا۔

مین۔ جی کہین سے آنا ہوا۔ مگر بالفعل تو یہین ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔

مولوی۔ (بہت ہی گھبرا کے)۔ مسجد مین۔

مین۔ جی نہین۔ بلکہ آپ کے حجرے مین۔ مولوی۔ لاحول ولاقوۃ۔

مین۔ اوہی۔ مولویصاحب۔ مجھے تو سوا آپ کے اور کوئی نظر نہین آتا۔

مولوی۔ جی ہان۔ تو مین اکیلا تو رہتا ہون۔ اِسی سے تو مین نے کہا۔ مسجد مین آپکا کیا کام ہے۔

مین۔ یہ کیا . . . خاصیت ہے کہ جہان آپ رہتے ہین۔ وہان دوسرا نہین رہ سکتا۔ مسجد مین ہمارا کچھ کام نہین۔ یہ خوب کہی۔ آپ کا کیا کام ہے۔

مولوی۔ مین تو لڑکے پڑھاتا ہون۔ مین۔ مین آپ کو سبق دونگی۔

مولوی۔ لاحول ولاقوۃ۔

مین۔ لاحول ولاقوة۔ یہ آپ ہر دفعہ لاحول کیون پڑھتے ہین۔ یہ کیا شیطان آپ کے پیچھے پھرتا ہے۔

مولوی۔ شیطان آدمی کا دشمن ہے۔ اوس سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔

مین۔ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ موئے شیطان سے کیا ڈرنا۔ اور یہ کیا آپ نے کہا آپ آدمی ہین

مولوی (ذرا بگڑ کے) جی ہان۔ اور کون ہون!۔

مین۔ مجھے تو آپ جن معلوم ہوتے ہین۔ اکیلے اس مسجد مین رہتے ہین۔ آپ کا دل بھی نہین گھبراتا ہے۔

مولوی۔ پھر کیا کرین۔ ہمین تو اکیلے کی عادت ہے۔

مین۔ اسی سے تو آپ کے چہرے پر وحشت برستی ہے۔ وہ آپ نے نہین سنا۔ ع۔

تہا منشین کہ بیم دیوانگی ست۔

مولوی۔ اجی وہ کچھ سہی۔ ہم جس حال مین ہین خوش ہین۔ آپ اپنا مطلب کہیے۔

مین۔ مطلب تو کتاب کے دیکھنے سے حل ہوگا۔ بالفعل زبانی مباحثہ ہے۔

مولوی۔ چہ خوش۔ مین۔ چرا نباشد۔

مین مولوی صاحب کو خوب جھنجھوڑیان دیتی۔ مگر اوس وقت بھوک کے مارے منہ سے بات نہین نکلتی تھی۔

رسوا۔ یہ مولوی صاحب سے اسقدر مذاق کی کیا ضرورت تھی۔

امراؤ۔ ای ہے۔ اسکا حال نہ پوچھیے۔ بعضے آدمیون کی صورت ہی ایسی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔

رسوا۔ جی ہان۔ جیسے کسی کی منڈی ہوی کھوپڑی دیکھ کے بعضے آدمیون کی ہتیلی کھجاتی ہے۔ چپت لگانے کو جی چاہتا ہے۔

امراؤ۔ بس یہی سمجھ لیجیے۔

رسوا۔ اچھا تو وہ مولوی صاحب مین ایسی کیا بات تھی جس سے مذاق کرنے کو جی چاہتا تھا۔

امراؤ۔ کیا کہون کچھ بیان نہین ہوسکتا۔ جوان آدمی تھے۔ صورت بھی کچھ ایسی بری نہ تھی سانولی رنگت تھی۔ چہرے پر کچھ حوتق پن سا تھا لمبا قد تھا۔ سر پر لمبے لمبے بال تھے۔ منہ پر داڑھی تھی۔ مگر کچھ بے تکے پن کی حد سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی۔ موچھون کا بالکل

صفایا تھا۔ تہمت بہت اونچی بندھی ہوئی تھی۔ سر پر چھینٹ کی بڑی سی ٹوپی تھی جو سر کی پوری چوحدی کو ڈھانکے ہوے تھی۔ بات کرنے کا عجیب انداز تھا۔ منہ جلدی سے کھلتا تھا پھر بند ہو جاتا تھا۔ نیچے کا ہونٹ کچھ عجب انداز سے اوپر کو چڑہجاتا تھا۔ اوراسکے ساتھ ہی نکہ دار داڑھی کچھ عجب انداز سے ہل جاتی تھی۔ اسکے بعد ناک سے کچھ ہونہ سا نکلتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کچھ کھا رہے ہین۔ اور باتین بھی کرتے جاتے ہین احتیاطاً منہ جلدی سے بند کر لیتے ہین۔ کہ ایسا نہ ہو کچھ نکل پڑے۔

رسوا۔ کیا واقعی کچھ کھا رہے تھے۔

امراؤ۔ جی نہین۔ جگالی کر رہے تھے

رسوا۔ اکثر کٹ ملا کچھ ایسی ہی صورت بنا لیتے ہین جسے دیکھ کے بے وقوفون کو ڈر لگتا ہے اور عقلمندون کو ہنسی آتی ہے۔ مجھے ایسی صورتین دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

امراؤ۔ اور سنیے۔ آپ کی انداز گفتار مین ایک وصف اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ اکثر منہ پھیر لیا کرتے۔

رسوا۔ یہ تو عین تمیز داری ہے۔ اسلیے کہ عند التقریر آپ کے منہ سے تھوک اڑتا ہوگا۔

امراؤ۔ کچھ اور بھی عرض کرون۔

رسوا۔ بس اب معاف کیجیے۔ یہان تو صبح ہوگئی۔

امراؤ۔ القصہ مین نے جیب سے ایک روپیہ نکالا۔

مولوی۔ (یہ سمجھ کے کہ مجھے نذر دیا جاتا ہے۔ جلدی سے ہاتھ بڑھا دیا اور منہ سے) اسکی کیا ضرورت تھی۔

مین۔ (مسکرا کے) اسکی اشد ضرورت تھی اسلیے کہ مجھے بھوک لگی ہے۔ کسی سے کچھ کھانا منگوا دیجیے

مولوی۔ (اب مجھے تو یون بات بنانے لگے) مین سمجھا۔ (مین نے دل مین کہا سمجھے کیا خاک۔ سمجھتے تو پھر کے ہو جاتے) اسی سے تو کہتا ہون اسکی کیا ضرورت تھی۔ کیا کھانا یہان نہین ممکن۔

مین۔ امکان بالقوہ۔ یا۔ بالفعل۔ بالذات یا بالغیر؟

مولوی۔ بالفعل تو ممکن نہین۔ میرا ایک شاگرد کھانا لاتا ہوگا۔ آپ بھی کھا لیجیے گا۔

مین۔ بالفعل ممکن نہین۔ بالذات کی آپ کو توفیق نہین۔ اور یہان ضرورت نے

اکل میت کو جواز کا حکم دے دیا ہے۔ لہٰذا بازار سے کچھ لا دیجیے۔

مولوی ۔ اک ذرا صبر کیجیے۔ کھانا آتا ہی ہوگا۔

مین ۔ اب صبر کرنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور دوسرے مین نے بالتحقیق سنا ہے کہ رمضان شریف ایک مہینہ تمام دنیا مین سیر کرتے ہین۔ اور گیارہ مہینے اس مسجد مین معتکف رہتے ہین۔

مولوی ۔ اسوقت تو فی نفس الامر مین کچھ نہین ہے۔ مگر میرا ایک شاگرد کھانا لیکے آتا ہوگا۔

مین ۔ اور بفرض والتسلیم دلوکان محالاً۔ اگر کھانا آیا بھی تو وہ آپ کی قوت لایموت کے لیے بھی کافی نہوگا۔ میری شرکت اوسمین یعنی چہ؟ اور من وجہ کفالت بھی کرے تو انتظار اشد الموت۔ کا مضمون ہے۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود۔

مولوی ۔ آہاہ۔ آپ تو بہت قابل معلوم ہوتی ہین۔

مین ۔ مگر میرے زعم ناقص مین آپ کسی قابل نہین۔

مولوی ۔ واقعی ایسا ہی ہے۔ مگر ----------

مین (بات کاٹ کے) مگر اسلیے کہ یہان تو آتین قل ہو اللہ پڑھ رہی ہین اور آپ لاطائل تقریرین کر رہے ہین۔

مولوی ۔ اچھا تو مین ابھی لایا۔ **مین** ۔ للہ ذرا جلدی جائیے۔

خدا خدا کر کے مولویصاحب گئے۔ اور کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد چار خمیری روٹیان اور ایک مٹی کے پیالے مین تھوڑا سا نیلا شوربہ لا کے میرے سامنے رکھدیا۔ دیکھ کے جان جل گئی مولویصاحب کی صورت دیکھنے لگی۔ مولوی صاحب اپنے دل مین کچھ اور ہی سمجھے۔

مولوی صاحب (فوراً ساڑھے چودہ گنڈے پیسے اور کوئی دھیلے کی کوڑیان چادرے کے کونے سے کھول کے سامنے رکھدیے) سینئے صاحب چار پیسے کی روٹیان ہین۔ پیسہ کا سالن ہے۔ دھیلا بھاجی (روپیہ کا خوردہ) مین گیا۔ آپ کی جمع آپکے سامنے موجود ہے۔ پہلے گن لیجیے تو کھائیے گا۔

مین نے پھر ایک مرتبہ مولوی صاحب کی صورت دیکھی۔ مگر بھوک بری بلا ہے۔ جلدی جلدی نوالے اوٹھانا شروع کیے۔ جب دو چار نوالے کھا چکی تو مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہوئی

مین ۔ مین نے کہا مولوی صاحب کیا اس اُجڑے شہر مین یہی کھانے کو ملتا ہے۔

مولوی ۔ تو کیا یہان کہین لکھنؤ کی طرح محمدو کی دوکان ہے۔ جہان پلاؤ۔ زردہ۔ آٹھ پہر تیار رہتا ہے۔

مین ۔ حلوائی کی دوکان تو ہوگی۔

مولوی ۔ حلوائی کی دوکان یہ مسجد کے نیچے ہے۔

مین ۔ تو پھر چار کوس جانا کیا ضرور تھا۔ دوپہر کے بعد آئے اور لیکے کیا آئے موے کتّون کا راتب۔

مولوی ۔ ایسا تو نہ کہیے۔ آدمی کھاتے ہین۔

مین ۔ آپ ایسے آدمی کھاتے ہون گے۔ باسی خمیری روٹیان اور نیلا نیلا شوربا۔

مولوی ۔ نیلا تو نہین ہے۔ اچھا تو دہی لا دون۔

مین ۔ جی نہین رہنے دیجیے۔ معاف کیجیے۔

مولوی ۔ پیسے کا خیال نہ کیجیے۔ مین اپنے پاس سے لائے دیتا ہون۔

مین کچھ جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ مولویصاحب مسجد کے باہر چلے گئے اور ایک آبخورے مین خدا جانے کب کا سٹرا کھٹا دہی اوٹھا لائے۔ اور اس طرح سامنے لا کے رکھدیا گویا آپنے حاتم کی گور پر لات ماری۔

بہرطور مین نے وہ چارون روٹیان اوگل نگل کے کھائین۔ اور کوئی بدھنی بھر کے پانی پیا۔ وہ شوربہ اور دہی یونہین چھوڑ کے اوٹھ کھڑی ہوئی۔ پیسے کوڑیان بھی وہین پڑے رہنے دیئے۔

مین ہاتھ دھونے کو اوٹھی تھی۔ مولوی صاحب سمجھے مسجد سے دفان ہوتی ہے۔

مولوی ۔ اور یہ پیسے اور کوڑیان تو اوٹھا لیجیے۔

مین ۔ میری طرف سے مسجد مین چراغی چڑھا دیجیے۔

منہ ہاتھ دھو کے اپنی جگہہ پر آ بیٹھی۔ مولوی صاحب سے باتین کرنے لگی۔ کانپور مین مولوی صاحب کی ذات سے مجھکو بہت آرام ملا۔ اونھین کی معرفت ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ نواڑ کی پلنگ۔ دری۔ چاندنی۔ چھت۔ پردے۔ تانبے کے برتن اور سب ضرورت کا سامان خرید لیا۔ ایک ماما کھانا پکانے کو اور ایک اوپر کے کام

کاج کو او. دو خدمتگار نوکر رکھ لیے۔ ٹھاٹھ سے رہنے لگی۔ اب سازندون کی تلاش ہوئی۔ یون تو بہت سے آئے۔ مگر کسی کا باج پسند نہ آیا۔ آخر لکھنؤ کا ایک طبلیہ مِل گیا۔ یہ خلیفہ جی کے خاندان کا شاگرد تھا۔ اِس سے خوب برگت ملی۔ اسی کی معرفت دو سارنگیے کانپور کے ذرا سمجھدار تھے۔ بلوائے۔ طائفہ درست ہو گیا۔ شب کو بھیڑ رہتی رات گئے تک کمرے پر گانے بجانے کا چرچا رہنے لگا۔ شہر مین یہ خبر مشہور ہو گئی کہ لکھنؤ سے کوئی رنڈی آئی ہے۔ اکثر مرد آدمی آنے لگے۔ شاعری بھی خوب چمکی۔ کوئی دن ایسا ہی کمبخت ہوگا جو کسی جلسے مین جانا ہوتا ہو۔ مجرے کثرت سے آتے تھے۔ تھوڑے ہی دنون مین بہت سا روپیہ کما لیا۔ اگرچہ کانپور کے لوگون کا راہ رویہ۔ بول۔ چال۔ مجھے پسند نہ تھا۔ بات بات پر لکھنؤ یاد آتا تھا۔ مگر خود مختاری کی زندگی مین کچھ ایسا مزا ہے کہ واپس جانے کو جی نہین چاہتا تھا۔ مین جانتی تھی کہ اگر لکھنؤ جاؤنگی تو پھر خانم کی نوچی بنکے رہنا پڑے گا۔ کیونکہ اِس پیشے مین رہکر لکھنؤ مین خانم سے علیحدہ رہنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ایک تو اِس سبب سے تمام رنڈیان خانم کا دباؤ مانتی تھین۔ اگر مین الگ ہو کے رہتی کوئی مجھسے نہ ملتی۔ دوسرے عمدہ سازندون کا بہم پہونچنا دشوار تھا۔ ناچ مجرے کا ڈھچر کیونکر چل سکتا تھا۔ جن سرکارون مین میری رسائی ہوئی تھی وہ بھی خانم کی وجہ سے تھی۔ اگرچہ میرا شمار اچھی گانے والیون مین تھا۔ مگر لکھنؤ مین اِس کام کے کرنے والے بہت سے ہین اچھے بُرے کا امتیاز خاص لوگون کو ہوتا ہے۔ عام لوگون مین نام بکتا ہے۔ بڑے آدمیون کی نگاہ اکثر اونچے ہی نمبرون پر جاتی ہے۔ اِس حالت مین مجھے کون پوچھتا۔ کانپور مین میرے حوصلے سے زیادہ میری قدر دانی ہوتی تھی۔ کسی امیر رئیس کے ہان کوئی تقریب شادی بیاہ کی ہوتی تھی۔ جسمین مجھے بلانا باعثِ فخر نہ سمجھا جاتا ہو۔ باہر جاکر اِس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ لکھنؤ کیا شہر ہے۔ یہان ایک صاحب حضرت شارق لکھنوی بہت مشہور ہین۔ اوستاد مسلم الثبوت سمجھے جاتے ہین۔ سیکڑون آپ کے شاگرد ہین۔ لکھنؤ مین کوئی انکا نام بھی نہ جانتا ہوگا۔ ایک دن کا تذکرہ سنیے۔ ایک صاحب میرے کمرے مین تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو مین شعر شاعری کا کچھ چرچا نکلا۔ چھوٹتے ہی اونھون نے پوچھا۔ آپ حضرت شارق لکھنوی کو جانتے ہین۔ مین نے کہا نہین۔ کون شارق۔ یہ صاحب

اونکے شاگردون مین تھے فوراً بگڑ گئے۔

وہ صاحب۔ مین تو سنتا تھا آپ لکھنؤ کی رہنے والی ہین۔

مین۔ جی ہان غریب خانہ تو لکھنؤ ہی مین ہے۔

وہ صاحب۔ بھلا کہین ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ لکھنؤ مین رہتی ہون اور حضرت اوستاد کو نہ جانین۔

مین۔ لکھنؤ کے مشہور شاعرون مین کون ایسا ہے جسکو مین نہ جانتی ہون۔ اوستادون کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اونکے نامبر آوردہ شاگردون مین سے بھی کوئی کم ایسا ہوگا جسکا کلام مین نے نہ سُنا ہو۔ اون کے نام نامی سے تو مطلع فرمایئے۔ یہ تخلص تو مین نے کبھی نہین سُنا۔

وہ صاحب۔ (چین بجبین ہو کے) نام لینے سے کیا فائدہ۔ تخلص شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک زبان زد خلائق ہے۔ ہان اِک آپ نہین جانتین۔ نہ جانین۔

مین۔ حضور معاف کیجیے گا۔ میرے نزدیک تو یہ شاعرانہ تعلّی ہے۔ مگر آپکے اوستاد ہین آپ کو ایسا ہی کہنا چاہیے۔ اچھا نام نامی سے تو مطلع فرمایئے۔ ممکن ہے کہ مین نے تخلص نہ سنا ہو۔ نام سے واقف ہون۔

وہ صاحب۔ میر ہاشم علی صاحب شارق۔

مین۔ اِس نام سے تو بیشک کان آشنا ہین۔ (اتنا کہہ کے اب مین فکر کرنے لگی۔ یا الٰہی یہ کون میر ہاشم علی صاحب ہین آخر ایک صاحب پر اشتباہ ہوا) آپ کے اوستاد مرثیہ خوانی بھی تو کرتے ہین۔؟

وہ صاحب۔ جی ہان مرثیہ خوانی مین بھی کوئی اونکا مثل و نظیر نہین ہے۔

مین۔ بجا ارشاد ہوا۔ یعنے میر صاحب اور مرزا صاحب سے بھی بڑھے ہوئے ہین۔

وہ صاحب۔ انھین صاحبون کے ہم عصر ہین۔

مین۔ بھلا کس کا مرثیہ پڑھتے ہین۔

وہ صاحب۔ کسی کا مرثیہ کیون پڑھنے لگے۔ خود تصنیف فرماتے ہین۔ ابھی ستائیسوین رجب کو نیا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ تمام شہر مین شہرہ ہے۔

مین۔ مطلع تو آپ کو یاد ہوگا۔

وہ صاحب۔ مطلع تو نہین۔ تلوار کی تعریف مین ایک بند پڑھا تھا۔ وہ مجھے کیا تمام

شہر کی زبان پر ہے۔ قلم توڑ دیا ہے۔

مین۔ ذرا ارشاد کیجیے گا مین بھی مستفید ہون۔

وہ صاحب۔ "دو کلی غلافِ دُرسے تغیرِ جوہری"

مین۔ سبحان اللہ! اِس بند کے تو دُر دُر شہرے ہین۔ پانچ مصرعے مجھے سن لیجیے۔ واقعی کیا کلام ہے۔

وہ صاحب (بہت ہی خوش ہو کے) جی ہان۔ آپ نے یہ مرثیہ لکھنؤ مین سنا ہو گا۔ وہی تو مین کہتا تھا کہ لکھنؤ کی رہنے والی۔ اور پھر شعر و سخن کا شوق۔ حضرتِ بارق کو نہ جانتی ہون۔ تعجب ہے۔ اچھا اب مین سمجھا۔ یہ مذاق تھا۔

میرے جی مین تو آیا کہہ دون کہ آپ کے اوستاد مر کے بھی جیئین گے تو ایسا بند نہین کہہ سکتے۔ مرزا دبیر صاحب (مرحوم) کا کلام ہے۔ مگر پھر کچھ سمجھ کر چپ ہو رہی۔

رسوا۔ واقعی آپ نے بڑی عقلمندی کی۔ ورنہ بیچارے کی روزی مین خلل آتا۔ میر ہاشم علی صاحب بارق پر کیا موقوف ہے۔ اکثر صاحبون کا یہی شعار ہے۔ دوسرون کا کلام بار بار جا کے اپنے نام سے پڑھتے ہین۔ چند ہی روز کا ذکر ہے۔ ایک صاحب میرے ایک دوست کی غزلون کے مسودے چُرا کے لے گئے۔ حیدرآباد دکن مین سناتے پھرے۔ بڑے بڑے لوگون سے داد لی مگر سمجھنے والے سمجھ ہی گئے۔ لکھنؤ مین خطوط آئے۔ اصل مصنف سے تذکرہ ہوا۔ وہ ہنس کے چپ ہو رہے۔ اکثر صاحبون نے لکھنؤ کو ایسا بدنام کیا ہے۔ کہ اب لفظ لکھنؤی اپنے نام یا تخلص کے ساتھ لکھتے ہوے شرم آتی ہے۔ ایسے ایسے بزرگ لکھنؤی لکھتے ہین۔ جنکی ہفتاد و ہشت دیہات مین گذر گئی۔ خود لکھنؤ مین چند روز طالبعلمی یا کسی اور سلسلے سے آکے رہے۔ چلیے۔ اچھے خاصے لکھنؤی بن گئے۔ اگرچہ یہ کچھ ایسی فخر کی بات نہین۔ مگر جھوٹ سے کیا فائدہ۔

امراؤ۔ جی ہان۔ اکثر صاحب اسی طرح لکھنؤ فروشی کر کے اپنا بھلا کرتے ہین۔ کانپور مین بھی ٹھیک یہی حال تھا۔ اوس زمانے مین ریل تو تھی نہین۔ اور نہ لکھنؤ سے کوئی باہر جاتا تھا۔ بلکہ ہر شہر کے کاملین تلاشِ معیشت مین یہین آتے تھے۔ اپنے کمال کی حسبِ حیثیت داد پاتے تھے۔ دہلی اُجڑ کے لکھنؤ آباد ہوا تھا۔

رسوا۔ فی زمانا یہی حال دکن کا ہے۔ لکھنؤ اوجڑ کے دکن آباد ہوا۔ مین تو گیا نہین۔ مگر سنا ہے

کہ محلے کے محلے لکھنؤ والون سے آباد ہین۔

امراؤ۔ جو صاحب لکھنؤی ہونے کا دعوی کرتے ہین اون سے کہیے پہلے اپنی زبان کی جانچ کرالین۔

رسوا۔ کیا خوب بات کہی ہے۔ واقعی روزمرہ تو کسی قدر آ بھی جاتا ہے۔ مگر لہجہ نہین آتا۔

اتفاقاتِ زمانہ سے یہ کچھ دور نہین
یون بھی ہوتا ہے کہ بچھڑے ہوے مِلجاتے ہین

بچھڑے ہوے ملجاتے ہین اور پھر کب کے بچھڑے ہوے۔ وہ جنکے ملنے کا سان گمان بھی نہو۔ ایکدن کا واقعہ سنیے۔ کانپور مین رہتے ہوے کوئی چھ مہینے گذر گئے ہین۔ اب شہرت کی یہ حد پہونچی ہے کہ بازارون اور گلیون مین میری گائی ہوئی غزلین لوگ گاتے پھرتے ہین۔ شام کو میرے کمرے مین بہت اچھا مجمع رہتا ہے۔ گرمیون کے دن ہین۔ کوئی دو بجے کا وقت ہو گا۔ مین اپنے پلنگ پر اکیلی لیٹی ہون۔ ماما باورچی خانے مین خرّاٹے لے رہی ہے۔ ایک خدمتگار کمرے کے باہر بیٹھا پنکھے کی ڈوری کھینچ رہا ہے۔ خس کی ٹٹیان خشک ہو گئی ہین۔ مین آدمی کو آواز دیا ہی چاہتی تھی کہ پانی چھڑک دے کہ اتنے مین کمرے کے نیچے کسی نے آکے پوچھا۔ لکھنؤ سے جو رنڈی آئی ہے اوسکا یہی کمرہ ہے۔ دُرگا بنیا (جسکی دوکان کمرے کے نیچے تھی) نے جواب دیا۔ ہان یہی کمرہ ہے۔ پھر دریافت کیا۔ دروازہ کہان ہے۔ اوسنے بتا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑی بی کوئی ستر برس کا سِن۔ گوری سی۔ منہ پر جھُریان پڑی ہوئین۔ بال جیسے روئی کا گالا۔ کمر جھکی ہوئی۔ سفید ململ کا دوپٹہ۔ تنزیب کا کرتہ۔ نین سکھ کا پاجامہ بڑے بڑے پائچون کا پہنے۔ ہاتھون مین چاندی کے موٹے موٹے کڑے۔ اونگلیون مین انگوٹھیان۔ جریب ہاتھ مین۔ ہانپتی کانپتی ہوئی آئین۔ اور سامنے فرش پر بیٹھ گئین۔ ایک کالا سا لڑکا کوئی دس بارہ برس کا اونکے ساتھ تھا۔ وہ کھڑا رہا۔

بڑی بی۔ لکھنؤ سے تمھین آئی ہو؟

مین۔ جی ہان۔ اتنا کہہ کے مین پلنگ سے نیچے اوتر آئی۔ پاندان آگے کھسکایا۔ آدمی کو حقے کے لیے آواز دی۔

بڑی بی۔ ہماری بیگم نے تمھین یاد کیا ہے۔ لڑکی کی سالگرہ ہے۔ زنانہ جلسہ ہو گا۔ تمھارا

مجرا کیا ہے ؟-

مین - بیگم صاحب مجھکو کیا جانین -

بڑی بی -اے تمام شہر مین تمھارے گانے کی دھوم ہے -دوسرے تمھارے بلانے کا یہ بھی ایک سبب ہے کہ بیگم صاحب بھی لکھنو کی رہنے والی ہین -

مین -اور آپ بھی تو لکھنو ہی کی ہین -

بڑی بی - تمنے کیونکر جانا - مین -کہین بات چیت کا قرینہ چھپا رہتا ہے -

بڑی بی - ہان مین بھی وہین کی رہنے والی ہون - اچھا تو اپنا مجرا تو بتاؤ - ابھی بہت کام پڑا ہوا ہے - مجھے دیر ہوتی ہے -

مین -مجرا تو میرا کھلا ہوا ہے - سب جانتے ہین - پچاس روپیہ لیتی ہون - مگر بیگم صاحب لکھنو کی رہنے والی - اور اونھون نے قدر کر کے بلایا ہے تو اون سے کچھ نہ لون گی - جلسہ کب ہے -

بڑی بی - آج شام کو - اچھا تو یہ روپیہ کھڑی کا تو لو - باقی وہان آ کے سمجھ لینا -

مین - (روپیہ لے لیا) اسکی کوئی ضرورت نہین تھی - مگر اس خیال سے کہ بیگم صاحب برا نہ مانین روپیہ لیئے لیتی ہون - اچھا - اب یہ کہیے کہ مکان کہان ہے -

بڑی بی - مکان تو ذرا دور ہے نواب گنج مین ہے - یہ لڑکا سر شام آئے گا - اسی کے ساتھ چلی آنا - مگر اتنا خیال رہے کہ کوئی مرد ذات تمھارے ملنے والون مین سے ساتھ نہ ہو -

مین -- اور سازندے ؟-

بڑی بی - سازندے - خدمتگار - انکی منا ہی نہین ہے - کوئی اور نہ ہو -

مین -- جی نہین - یہان میرا کون ایسا ملاقاتی ہے - جسے ساتھ لاؤنگی - خاطر جمع رکھیے -

اتنے مین خدمتگار نے حقہ تیار کیا - مین نے اشارہ کیا - بڑی بی کے سامنے لگا دو - بڑی بی مزے لے لیکے حقہ پینے لگین - مین نے ایک پان پر کتھہ چونا لگا کے ڈلیون کا چورا ڈبیہ مین پڑا ہوا تھا - ایک چٹکی اوسکی اور الائچی کے دانے پاندان کے ڈھکنون پر کچل کے گلوری بنا کے بڑی بی کو دینے لگی -

بڑی بی - ہائے بیٹا دانت کہان سے لاؤن جو پان کھاؤن -

مین - آپ کھائیے تو - مین نے آپ ہی کے لائق پان بنایا ہے -

بڑی بی سمجھ گئین - پان لے کے کھایا - بہت ہی خوش ہوئین - وہائے ہمارے شہر کی

تمیزداری " اتنا کہہ کے دعائین دیتی ہوئی رخصت ہوئین - چلتے چلتے کہہ گئین - ذرا دن سے آ جانا - گھڑی بھر دن رہے گرہ لگائی جائیگی -

مین - اگرچہ مجرے کا یہ دستور نہین ہے - مگر خیر بیگم صاحب نے یاد کیا ہے - تو مین سویرے سے حاضر ہو کے مبارکباد گاؤن گی -

واقعی وطن کی قدر باہر جا کے ہوتی ہے - کانپور مین سیکڑون جگہہ مجرے ہوئے - مگر کہین جانے کا ایسا اشتیاق ابھی تک نہین ہوا تھا - جی چاہتا تھا کہ جلدی سے شام ہو جائے اور مین روانہ ہون - گرمیون کا دن پہاڑ ہوتا ہے - خدا خدا کر کے اوتنا دن کٹا - پانچ بجتے بجتے لڑکا آموجود ہوا - مین پہلے ہی سے بنی ٹھنی بیٹھی تھی -- سازندون کو بلوا رکھا تھا - لڑکے نے اون کے مکان کا پتا بتا دیا - مین سوار ہو کے روانہ ہو گئی -

بیگم کا مکان شہر سے کوئی گھنٹے بھر کا راستہ تھا - چھ بجے مین وہان پہونچی - نہر کے کنارے ایک باغ تھا - جسکے چارون طرف مینڈ پر ناگ پھنی اور دوسرے خار دار درخت اس طرح سے برابر بٹھائے گئے تھے - جس سے دیوار سی بن گئی تھی - باغ کی قطع بالکل انگریزی تھی - تاڑ - کھجور - اور طرح طرح کے خوبصورت درخت قرینے سے لگائے گئے تھے - روشون پر سرخی کٹی ہوئی تھی - چارون طرف سبزہ تھا - جا بجا کھنگرون کی پہاڑیان سی بنی ہوئی تھین اونپر انواع واقسام کے پہاڑی درخت پتھرون کے اندر سے اوگے ہوئے معلوم ہوتے تھے - پہاڑیون کے گرداگرد دوب جمائی گئی تھی - باغ مین ہر چہار طرف پکے نہرے بنے ہوئے تھے اونمین صاف موتی سا پانی بہ رہا تھا - مالی نلون اور فوارون کے ذریعے کر پانی دے رہے تھے - پتون سے پانی ٹپک رہا تھا - دن بھر کی دھوپ کھائے ہوئے پھولون مین جو اب پانی پہنچا تھا - کیسے تر و تازہ اور شاداب تھے - سالگرہ کا رسم کوٹھی مین ادا ہوا تھا - عورتون کے گانے کی آواز آئی - باہر مین نے مبارکباد گائی - پھر آپ ہی آپ شام کلیان کی ایک چیز شروع کر دی - کوئی سننے والا نہ تھا - آپ ہی آپ گایا کی - پھر چپ ہو رہی - بیگم صاحب نے ایک اشرفی اور پانچ روپیہ انعام کے بھیجے - تھوڑی دیر مین شام ہو گئی - چاند نکل آیا - چاندنی پھیل گئی - تالاب کے پانی مین ماہتاب کا عکس موجون سے ہل کر عجب کیفیت دکھا رہا تھا -

باغ کے ایک کنارے پر بہت عالی شان کوٹھی تھی - وسط باغ مین ایک پختہ تالاب

بنا ہوا تھا۔ اسکے گرد ولایتی پھولون کے نامدے نہایت خوبصورتی سے بچے ہوئے تھے۔ اسی تالاب سے ملا ہوا ایک اونچا چبوترہ تھا۔ اسکے درمیان مین ایک مختصر سا ہوادار چوبی بنگلہ تھا۔ اسکے ستونون پر رنگ آمیزی کی ہوئی تھی۔ اِس تالاب مین نہر سے پانی آکے گرتا تھا۔ پانی کے گرنے کی آواز سے دل مین ٹھنڈک پہونچتی تھی۔ واقعی عجیب عالم تھا۔ شام کا سہانا وقت۔ سنہری ہوا۔ رنگ رنگ کے پھولون کی مہک۔ ایسی فضا مین نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ چبوترے پر سفید چاندنی کا فرش تھا۔ مسند تکیہ لگا ہوا تھا۔ اوسی کے سامنے ہم لوگ بٹھائے گئے۔ کوٹھی سے لیکر اِس چبوترے تک گلاب کی بیلون سے ایک چھتّا سا بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ اوسی کی راہ سے بیگم صاحب تشریف لائی ہین۔ سامنے چلمنین پڑی ہوئی تھین۔ چبوترے پر دو سبز مردنگین روشن ہو گئین۔ مجھے گانے کا حکم ہوا۔ مین نے کدارے کی ایک چیز شروع کر دی۔ بڑی دیر تک گایا کی۔ اِتنے مین ایک مہری ہاتھون مین دو سبز کنول لیے ہوئے باہر نکلی۔ مسند کے سامنے رکھ دیئے۔ سازندون سے کہا۔ تم لوگ وہ سامنے شاگرد پیشہ مین چلے جاؤ۔ وہین کھانا بھیج دیا جائے گا۔ اب یہان زنانہ ہو گا۔ جب وہ لوگ اوٹھ گئے۔ بیگم صاحب برآمد ہوئین۔ مین تعظیم کے لیے اوٹھ کھڑی ہوی۔ اونھون نے مجکو قریب بُلایا۔ خود مسند پر بیٹھ گئین۔ مجھے سامنے بیٹھنے کا حکم کیا۔ مین تسلیم کرکے بیٹھ گئی۔ گانے کے لیے حکم کی منتظر تھی۔ اور بیگم کی صورت غور سے دیکھ رہی تھی۔

حیرانِ نگاہ تماشا کرے کوئی
صورت وہ روبرو ہے کہ دیکھا کرے کوئی

پہلے تو وہ باغ اور وہان کی فضا دیکھ کے مجھے پرستان کا شبہ ہوا تھا۔ مگر اب یقین ہو گیا۔ پری میرے سامنے گاؤ سے لگی بیٹھی ہے۔ مانگ نکلی ہوی۔ چوٹی کمر تک پڑی ہوی۔ سرخ و سفید رنگت۔ اونچا ماتھا۔ کھنچی ہوئی بھوین۔ بڑی بڑی آنکھین۔ گال جیسے گلاب کی پتیان۔ پھلچھوی ناک۔ چھوٹا سا دہانہ۔ پتلے پتلے نازک ہونٹھ۔ نقشے بھر مین کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے بہتر میرے خیال مین آسکتی ہو۔ اوسپر اعضا کا تناسب اور سینہ کا ابھار کس قدر خوشنما تھا۔ سیکڑون عورتین میری نظر سے گذر گئی ہین۔ مگر مین نے اِس بلا کی صورت کبھی نہین دیکھی تھی۔ خورشید سے بہت جھلک ملتی تھی۔ مگر کہان خورشید۔ کہان وہ۔ خورشید کی صورت مین بھر ڈومنی پنا تھا۔ اوسمین یہ امیرانہ رعب۔ تمکنت۔

بھاری بھرکم پن کہان۔ دوسرے خورشید اِن کے سامنے کسی قدر بھدّی معلوم ہوتی تھی۔ اِنکا کامنی سا نازک چھریرا بدن۔ اوسنے کہان پایا۔ دوسرے اوسکی صورت پر آٹھ پہر اوداسی برستی تھی۔ جب دیکھو بروگن بنی تھی۔ بیگم صاحب بہت ہی خوش مزاج معلوم ہوتی اہین۔ بات کرتی ہین گویا مُنہ سے پھول جھڑتے اہین۔ ہر بات پر خود ہنس دیتی اہین۔ مگر کسی کو مجال کلام نہین۔ واقعی سادگی مین تکلف اور تمکنت کے ساتھ شوخی اِنھین مین دیکھی۔ دولتمندون کی خوشامد سب کرتے اہین۔ مگر مین عورت ذات ہو کے کہتی ہون۔ ایسون کی خوشامد بھی اگر بے غرض کیجائے تو کوئی عیب نہین۔

لباس اور زیور بھی اِسی صورت کے لائق تھا۔ ہہین بسنتی ڈوپٹہ کندھون سے ڈھلکا ہوا۔ کچّی کا شلوکہ پھنسا پھنسا۔ سُرخ گرنٹ کا پاجامہ۔ کانون مین صرف یاقوت کے آویزے۔ ناک مین ہیرے کی کیل۔ گلے مین سونے کا سادہ طوق۔ ہاتھون مین موتیون کی پہنچیان۔ بازوون پر نورتن۔ پاؤن مین سونے کی بیڑیان۔ چہرے کی خوبصورتی۔ لباس کی سادگی اور زیور کی مناسبت۔ یہ سب چیزین میری آنکھون کے سامنے تھین۔ اور مین نقشِ حیرت بنی بیٹھی تھی۔ بغور صورت دیکھ رہی تھی۔ مین اور میری صورت تو جیسی کچھ ہے وہ اسوقت آپ کے سامنے ہے۔ مگر یقین ہی کیجیے گا اونکی توجہ بھی کسی اور طرف نہ تھی مجھی کو دیکھ رہی تھین۔ دونون طرف سے نگاہین لڑی ہوئی تھین۔ میرے دل مین بار بار ایک خیال آتا تھا۔ مگر اوسکے اظہار کا موقع نہ تھا۔ کہون تو کیونکر کہون۔ ایک مہری پسِ پشت کھڑی پنکھا جھل رہی ہے۔ دو سامنے کھڑی ہین۔ ایک کے ہاتھ مین چاندی کی لوٹیہ ہے۔ دوسرے کے پاس خاصدان۔ بڑی دیر تک بیگم صاحب نے مجھسے بات کی اور نہ مین کچھ بول سکی۔ آخر اونھون نے سلسلۂ کلام اِسطرح سے شروع کیا۔

بیگم۔ تمھارا نام کیا ہے۔ مین۔ (ہاتھ باندھ کے) امراؤ۔

بیگم۔ خاص لکھنؤ مین مکان ہے۔

مین۔ (یہ سوال کچھ اِس رُخ سے کیا گیا تھا کہ مجھے جواب دینا کسی قدر مشکل معلوم ہوا۔ خصوصًا اِس موقع پر اِسلیے کہ اگر کہتی ہون کہ لکھنؤ مین مکان ہے تو ایک مطلب جو میرے دل مین تھا۔ فوت ہوتا ہے۔ فیض آباد بتاتی ہون تو بے محل افشائے راز کا خیال ہے۔ آخر بہت سوچ سمجھ کے) جی ہان پرورش تو لکھنؤ مین پائی ہے۔ جواب دینے کو تو دیدیا۔ مگر اسکے ساتھ

ہی یہ خیال ہوا کہ اب جو سوال کیا جائے گا تو پھر وہی دقت پیش آئے گی۔ میرا خیال غلط نہ تھا اسلیئے کہ فوراً ہی بیگم صاحب نے پوچھا۔

بیگم۔ تو کیا پیدائش لکھنؤ کی نہین ہے۔

مین۔ (اب حیران ہون کہ کیا جواب دون۔ تھوڑی دیر سکوت کیا۔ جیسے کچھ سُنا ہی نہ تھا۔ آخر اِس بات کو ٹال کے) حضور کا دولت خانہ لکھنؤ مین ہے؟

بیگم۔ کبھی لکھنؤ مین تھا۔ اب تو کانپور وطن ہو گیا۔

مین۔ میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ بیگم۔ کیون؟

مین۔ (اِس سوال کا جواب دینا بھی دشوار تھا۔ کون قصہ بیان کرتا) اب کیا عرض کرون۔ بیکار سمع خراشی ہوگی۔ حال ناگفتہ بہ ہے۔ کچھ ایسے ہی اتفاقات پیش آئے کہ لکھنؤ جانے کو جی نہین چاہتا۔

بیگم۔ چلو اچھا ہے۔ تو ہمارے پاس بھی کبھی کبھی چلی آیا کرو۔

مین۔ آنا کیسا۔ میرا تو ابھی سے جانے کو جی نہین چاہتا۔ اول تو آپ کی قدر دانی۔ دوسرے یہ باغ۔ یہ فضا۔ ممکن ہے کہ کوئی ایک بار دیکھے۔ اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس نہ ہو۔ خصوصاً مجھ ایسی خفقانی مزاج کی عورت کے لیئے تو یہان کی آب و ہوا اکسیر کا خواص رکھتی ہے۔

بیگم۔ اے بی۔ تمھین یہ جنگل بہت پسند آیا۔ نہ آدم نہ آدم زاد۔ بیہات۔ خدا کی ذات۔ شہر سے کوسون دور۔ چار پیسے کا سودا منگاؤ۔ تو آدمی صبح کا گیا گیا شام کو آتا ہے۔ چھائین پھوئین۔ شیطان کے کان بہرے۔ کوئی بیمار ہو تو جبتک حکیم صاحب شہر سے آئین آئین۔ یہان دشمنون کا خاتمہ ہو جائے۔

مین۔ حضور اپنی اپنی طبیعت۔ مجھے تو بہت ہی پسند ہے۔ مین تو جانتی ہون۔ اگر مین یہان رہون تو مجھے کسی چیز کی ضرورت ہی نہ ہو۔ دوسرے ایسے مقام پر بیمار ہونا کیا ضرور ہے۔

بیگم۔ جب مین پہلے پہل آئی تھی۔ تو میرا بھی یہی خیال تھا۔ کچھ دنون یہان رہ کے معلوم ہوا کہ شہر کے رہنے والے ایسے مقام پر نہین رہ سکتے۔ شہر مین ہزار طرح کا آرام ہے۔ اور سب باتون کو جانے دو جب سے نواب کلکتے گئے ہین۔ راتون کو ڈر کے مارے نیند نہین آتی۔ یون تو خدا کے دیے سپاہی پیاسی۔ خدمتگار اسوقت بھی دس بارہ مرد نوکر ہین۔ عورتون کی گنتی نہین۔ مگر پھر بھی ڈر لگتا ہے۔ مین تو دو چار دن اور راہ دیکھتی ہون۔ اگر نواب جمی جم

آئے تو شہر مین کوئی مکان لے کے جا رہونگی۔

مین۔ قصور معاف ہو۔ آپکا مزاج وہمی ہے۔ ایسے ایسے وسواس دل مین نہ لایا کیجیے۔ شہر مین جائیے گا تو قدر عافیت کھُلے گی وہ گرمی ہے کہ آدمی پکے جاتے ہین۔ دوسرے بیماریان۔ خدا پناہ مین رکھے۔

یہ باتین ہو رہی تھین کہ اتنے مین ایک کِھلائی بچے کو لے کے آئی۔ تین برس کا لڑکا تھا۔ ماشاء اللہ گورا گورا۔ خوبصورت۔ ایسی پیاری پیاری باتین کرتا تھا۔ جیسے مینا۔ بیگم نے کھلائی سے لے کے گود مین بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کھِلا کُدا کے پھر کھلائی کو دینے لگین۔ مین نے ہاتھ بڑھا کے لے لیا۔ بڑی دیر تک لیئے رہی اور پیار کیا کی پھر کھلائی کو دے دیا۔

مین۔ (بیگم سے) یون تو شاید نہ بھی آتی۔ مگر میان کے دیکھنے کو تو ضرور ہی آؤنگی۔

بیگم۔ (مسکرا کے) اچھا کسی طرح ہو۔ آنا ضرور۔

مین۔ ضرور حاضر ہون گی۔ یہ آپ کیون بار بار فرماتی ہین۔ مین تو اس قدر حاضر ہونگی کہ حضور کو دو بھر ہو جاؤن گی۔

اِسکے بعد اِدھر اُدھر کی باتین ہونے لگین۔ بیگم نے میرے گانے کی بہت تعریف کی اسی اثنا مین خاصہ والے نے آ کے کہا۔ خاصہ تیار ہے۔ بیگم نے کہا۔ چلو کھانا کھا لو۔

مین۔ بہت خوب۔

بیگم مسند سے اوٹھ کھڑی ہوئین۔ مین بھی ساتھ ہی اوٹھی۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مہریون کو اشارہ کیا۔ تم یہین ٹھہرو۔ ہم کھانا کھا کے یہین بیٹھین گے۔

مین۔ واقعی اسوقت کا سمان تو ایسا ہے کہ جانے کو جی نہین چاہتا۔ مگر حکم حاکم۔

بیگم۔ تو کیا کھانا یہین منگوا لیا جائے۔

مین۔ جی نہین۔ اچھا کھانا کھا کے چلے آئینگے۔

بیگم۔ (ایک مہری سے) اِن کے ساتھ کے آدمیون کو کھانا دلوا دیا گیا؟

مہری۔ (ہاتھ باندھ کے) حضور دلوا دیا گیا۔

اچھا اونھین رخصت کرو۔ ہمنے دوسرا مجرا معاف کیا۔ امراؤ جان کھانا کھا کے جائینگی۔

اِسکے بعد بیگم اور ہم دونون کوٹھی کی طرف چلے۔ ایک مہری آگے آگے فانوس لیے جاتی تھی

مچلکے سے میرے کان مین کہا۔ مجکو تم سے بہت سی باتین کرنا ہین۔ مگر آج اوسکا موقع نہین۔ کل تو مجھے فرصت نہوگی۔ پرسون تم صبح سے آنا۔ اور کھانا یہین کھانا۔

مین۔ مجھے بھی کچھہ عرض کرنا ہے۔

بیگم۔ اچھا تو آج کچھہ نہ کہو۔ چلو کھانا کھالین۔ اوسکے بعد تمہارا گانا سنین گے۔

مین۔ پھر سازندون کو تو حضور نے رخصت کردیا۔

بیگم۔ ہمکو مردون کے ساتھہ گانا اچھا نہین معلوم ہوتا۔ میری ایک خواص خوب طبلہ بجاتی ہے اوسپر گانا۔

مین۔ بہت خوب۔

اب ہم کوٹھی کے زینے کے پاس پھونچ گئے تھے۔ بہت وسیع کوٹھی تھی۔ اور اس طرح سلیقے سے سجی ہوئی تھی کہ شاہی کوٹھیون کے دیکھنے کے بعد اگر کوئی کوٹھی دیکھی تو یہی دیکھی۔ پہلے برآمدہ ملا۔ اوسکے بعد کئی کمرون سے ہوکے گذرے۔ ہر ایک نئے طرز سے سجا ہوا تھا۔ ہر کمرے کا فرش فروش اور شیشہ آلات ایک نئے رنگ اور نئے طرز کا تھا۔ آخر ہم اوس کمرے مین پھونچے۔ جہان دستر خوان چنا ہوا تھا۔ دستر خوان پر دو عورتین اور منتظر تھین۔ انمین سے ایک چٹھی نویس تھی۔ ایک مصاحب۔ ان دونون کا لباس بھی بہت ہی زرق برق تھا۔ صورتین بھی اچھی تھین۔

دستر خوان پر کئی قسم کے پلاؤ۔ بورانی۔ مزعفر۔ متنجن۔ سفیدہ۔ شیر برنج۔ باقرخانیان کئی طرح کے سالن۔ کباب۔ اچار۔ مربے۔ مٹھائیان۔ دہی۔ بالائی۔ غرضکہ ہمہ قسم کی نعمت موجود تھی۔ لکھنؤ سے نکلنے کے بعد آج کھانے کا مزا آیا۔ بیگم ہر طرح کی چیزین میرے سامنے رکھتی جاتی تھین۔ مین اگرچہ کسی قدر تکلف سے کھانا کھاتی تھی مگر اونکے اصرار نے ضرورت سے زیادہ کھلادیا۔

بیسن دانی اور تسلہ آیا۔ ہاتھہ منہ دھوکے سب نے پان کھائے۔ پھر اوسی چبوترے پر جلسہ جما۔ اس جلسے مین صرف بیگمصاحب نہ تھین۔ چٹھی نویس۔ مصاحبین۔ خلانیان۔ پیشخدمتین۔ مہریان۔ مامائین۔ سب ملاکے کوئی دس بارہ عورتین تھین۔

بیگم صاحب نے حکم دیا۔ طبلے کی جوڑی اور ستار اوٹھا لاؤ۔ ایک مصاحب جو طبلہ بجانے مین مشاق تھی طبلہ بجانے لگی۔ خود بیگمصاحب ستار چھیڑنے لگین۔ مجھے گانے کا حکم ہوا۔

کھانا کھاتے کھلاتے گیارہ بجگئے تھے۔ جب ہم گانے کو بیٹھے ہین۔ ٹھیک بارہ بجے کا وقت تھا۔ اوسوقت وہ باغ جسمین بہت سا روپیہ صرف کرکے جنگل اور پہاڑ کی گھاٹیون کے نمونے بنائے گئے تھے۔ عجب وحشتناک سمان دکھا رہا تھا۔ ایک طرف چاند اوس عالیشان کوٹھی کے ایک گوشے سے تھوڑی دور پر گنجان درختون کی شاخون سے نظر آتا تھا۔ مگر اب ڈوبنے ہی کو تھا۔ تاریکی روشنی پر چھائی جاتی تھی۔ جس سے ہر چیز بھیانک معلوم ہونے لگی درخت جتنے اونچے تھے اوس سے کہین بڑے نظر آتے تھے۔ ہوا سن سن چل رہی تھی۔ سرو کے درخت سائین سائین کررہے تھے۔ اور تو ہر طرف خموشی کا عالم تھا۔ مگر تالاب مین پانی کے گرنے کی آواز بلند ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی کوئی پرندہ اپنے آشیانے مین چونک کر ایک ہانک بول دیتا تھا۔ یا شکاری جانورون کی ہول سے جو چڑیان اوڑتی تھین اوس سے پتے کھڑک جاتے تھے۔ یا کبھی کوئی مچھلی تالاب مین اوچھل پڑتی تھی۔ مینڈک اپنا بے تکا راگ گا رہے تھے۔ جھینگر آس دے رہا تھا۔ سوائے اس چبوترے کے جہان دس بارہ جوان جوان عورتین رنگ رنگ کے لباس پہنے اور طرح طرح کے زیور سے آراستہ جلسہ جمائے بیٹھی تھین اور کوئی آس پاس نہ تھا۔ ہوا کے جھونکون سے کنول بجھ گئے تھے۔ صرف دو مردنگون کی روشنی تھی۔ اونکے بھی شیشے سبز یا نارون کا عکس جو تالاب کے پانی مین ہلکورے لے رہا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ طلسمات کا عالم تھا۔ وقت اور مقام کی مناسبت سے مین نے سوہنی کی ایک چیز شروع کردی۔ اس راگنی کے بھیانک سُرون نے دلون پر اپنا پورا اثر کیا تھا۔ سب مبہوت بیٹھے تھے۔

خوف کے مارے باغ کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا۔ خصوصًا گنجان درختون کے نیچے اندھیرا گھپ تھا۔ سب ایک دوسری کی صورتون کو دیکھ رہے تھے۔ گویا وہ جلسہ امن کی جگہہ تھی۔ اور جدھر نگاہ اوٹھاکے دیکھو ایک ہو کا عالم تھا۔ اورون کا کیا ذکر خود میرا کلیجہ دھڑک رہا تھا۔ دل ہی دل مین کہتی تھی۔ بیگم نے سچ کہا تھا۔ بیشک یہ جگہہ رہنے کے لائق نہین ہے۔ اس اثنا مین گیدڑون کے بولنے کی آواز آئی۔ اوسنے اور بھی دلون کو دہلادیا۔ اسکے بعد کتے بھونکنے لگے۔ اب تو مارے دہشت کے یہ حال تھا کہ کسی کے منہ سے بات نہین نکلتی تھی۔ اتنے مین بیگم نے گاؤتکیے سے ایک ذرا اونچی ہوکے اپنے سامنے کچھ دیکھا۔ اور زور سے ایک چیخ مارکے مسند پر گر پڑین۔ اور سب عورتین بھی اوسی طرف دیکھنے لگین۔ مین بھی ڈرکے

دیکھنے لگی۔ بگیصاحب کو مین سمجھ چکی تھی کہ وہمی ہین۔ مگر اب جو دیکھتی ہون تو اون کے وہم کی حقیقت نظر آنے لگی۔ سامنے سے دس پندرہ آدمی مُنہ پر ڈاٹے باندھے۔ ننگی تلوارین ہاتھ مین۔ دوڑتے چلے آتے ہین۔ عورتون کے چلاّنے سے بیگم کے نوکر۔ چاکر۔ خدمتگار۔ ماسی سب اِسی طرف کو چلے کوئی نہتا کسی کے ہاتھ مین لاٹھی۔ مگر ڈاکو زیادہ تھے اور یہان آدمی کم تھے۔ کئی تو رستے ہی سے فرار ہو گئے۔ پانچ چار آدمی چبوترے تک پھونچ ہی گئے۔ اِنھون نے آکے عورتون کے بیچ مین کر لیا۔ اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو کے کھڑے ہو گئے۔ عورتون مین سے کسی کو ہوش نہ تھا۔ سب غش کی حالت مین بیدم پڑی تھین۔ ایک مین خدا جانے کیا پتھر کا دل تھا کہ بیٹھی رہی۔ مارے ہول کے دم نکلا جاتا تھا۔ یا اللہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

بیگم کے آدمیون مین سے جن کے پاس حربے تھے۔ وہ آگے بڑھنے ہی کو تھے کہ سرفراز نامے ایک سپاہی نے روکا۔

سرفراز۔ (اپنے ساتھیون سے) ٹھہرو۔ ابھی جلدی نہ کرو۔ پہلے ہمین اِن لوگون کا عندیہ معلوم کر لینے دو (ڈاکوون سے) تم لوگ کِس ارادے سے آئے ہو۔

ایک ڈاکو۔ جِس ارادے سے آئے ہین۔ تمھین ابھی معلوم ہو جاے گا۔

سرفراز۔ وہی تو مین تو پوچھتا ہون۔ جان کے خواہان ہو یا مال کے ؟۔

دوسرا ڈاکو۔ ہمین جان سے کوئی غرض نہین کوئی باپ مارے کا بَیر ہے۔ ہان جس ارادے سے آئے ہین اوسمین تم مزاحم ہو کے تو دیکھا جاے گا۔

سرفراز۔ (کسی قدر سخت ہو کے) تو کیا بہو بیٹیون کی آبرو لوگے۔ اگر یہ قصد ہو۔۔۔۔"

سرفراز پوری بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا۔ کسی نے ڈاکوؤن کی طرف سے کہا۔

کوئی ڈاکو۔ نا صاحب۔ کسی کی بہو بیٹیون سے کیا واسطہ۔ کیا ہمارے بہو بیٹیان نہین ہین۔ عورتون کے کوئی ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اِس آواز پر مجھے کچھ شبہہ سا ہوا۔

سرفراز۔ (خوش ہو کے) تو پھر ہی تو مین پوچھتا ہون۔ اچھّا تو بھائیو ہم ابھی تمھین کوٹھی کے کمرون کی کنجیان منگائے دیتے ہین۔ اور جو عورتین وہان ہین اونکو یہان بلوائے لیتے ہین۔ گھر کی مالک بیگم یہین موجود ہین۔ تم شوق سے کوٹھی مین جاؤ۔ جو جی چاہے سا اوٹھا لیجاؤ۔ رہا عورتون کا زیور۔ وہ بھی ہم اوتروائے دیتے ہین۔ ہمارا

مالک کچھ اِس سے غریب نہ ہو جاے گا۔ خدا کے حکم سے لاکھون روپیہ بنک گھر مین جمع ہے۔ علاقے سے جو روپیہ آتا ہے اوسکا ذکر نہین۔

ڈاکو۔ اِس سے بہتر کیا ہے۔ مگر دیکھو اسمین کچھ دغا نہ ہو۔

سرفراز۔ سپاہی کے پوت دغا نہین دیتے۔ خاطر جمع رکھو۔

وہی ڈاکو جسکی آواز مین نے پہچانی تھی۔ آگے بڑھا۔ واہ کیا کہنا۔ مردون کا قول ہی تو ہے۔ اچھّا تو کنجیان ــــــ"

اتنا کہا تھا کہ میرے اوسکے نگاہین چار ہوئین۔ مین نے پہچان تو لیا۔ بولنے کا قصد کیا۔ مگر دل مین ایسی دہشت سمائی ہوئی تھی کہ مُنہ سے آواز نہ نکلتی تھی کہ اِتنے مین خود وُہ آگے بڑھ کے۔

"بھابھی تم یہان کہان ؟۔

مین۔ جب سے تمھارے بھائی قید ہو گئے یہین ہون۔

فضل علی۔ یہان کِسکے پاس۔

مین۔ رہتی تو شہر مین ہون۔ مگر یہان میری ایک بہن بگیصاحب کے پاس نوکر ہین۔ اُنسے مِلنے آئی تھی۔

فضل علی۔ تمھاری بہن کہان ہین ؟۔

مین۔ یہین ہین۔ جب سے تم لوگون کے آنے کا ہنگامہ ہوا۔ بیچاری غش مین پڑی ہین میری طرح تو ہین نہین۔ بیچاری پردہ نشین ہین ؟۔

فضل علی۔ پردہ نشین ہین ؟۔

مین۔ جوانی مین رانڈ ہوئین۔ جب سے امیر رئیسون کی نوکریان کرتی پھرتی ہین۔

فضل علی (اپنے ساتھیون سے) یہان سے ایک پیسے کی چیز لینا میرے نزدیک تو حرام ہے۔ اور نہ اِس معاملے مین تمھارے ساتھ ہون۔

ایک ڈاکو۔ یہ کیا۔ پھر آئے کیون تھے ؟۔

فضل علی۔ جس ارادے سے آئے تھے تمھین معلوم ہے۔ مگر کسی کا کچھ خیال بھی ہے مجھسے تو نہین ہو سکتا کہ فیضو بھائی کی آشنا اور اوسکی بہن کا اسباب لوٹن۔ یا جس سرکار سے اِن لوگون کا توسل ہو۔ وہان دست درازی کرون۔ اگر وہ قید مین سُنے گا تو

کیا کہے گا۔؟

اِس بات پرڈاکوون کے آپسمین بہت جھگڑا ہونے لگا۔ مگر سب فضل علی کا دباؤ مانتے تھے کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ پھر بھی خالی ہاتھ پھر جانا کچھ ایسی سہل بات نہ تھی۔ سب ڈاکو غل مچاتے تھے۔ فاقون مرتے ہین۔ کرین تو کیا کرین۔ ایک موقع ملا بھی تو اوسے خانصاحب چھوڑے دیتے ہین۔ آخر پیٹ کہان سے پالین۔

جب فضل علی اپنے گروہ سے نکل کے الگ کھڑے ہوے اون کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور شخص سیاہ فام سایہ کہتا ہوا نکلا۔

وہ شخص۔ کلانصاحب مین بھی مَیرے ساتھ ہون۔ غور سے جو دیکھتی ہون۔ معلوم ہوا کہ فیض علی کا سائیس ہے۔ مین نے اوسے پاس بُلایا علحدہ لیجا کے باتین کین۔ وہ اشرفی اور روپیے جو بیگمصاحب نے انعام مین دیے تھے چپکے سے اوسے دیدیے۔

فضل علی۔ (سرفراز خان سے) بھائی مین تمھارے ساتھ ہون۔ اب تم جاؤ اور یہ لوگ۔

سرفراز۔ مین اِن لوگون کو ابھی راضی کیے دیتا ہون۔ مگر یہان سے چلو۔ عورتین پریشان ہو رہی ہین۔ سرکار غش مین پڑی ہین۔ زرا اونکو ہوش مین آنے دو۔ ہم تم لوگون کو خوش کر دین گے۔

ڈاکو وہان سے چلے گئے۔ بیگم صاحب ابھی تک بیہوش پڑی تھین۔ دانت بیٹھ گئے تھے۔ مین تالاب سے ہاتھ مین پانی لائی۔ اونکے مُکھ پر چھینٹے دیئے۔ بڑی مشکل سے ہوش مین آئین۔ مین نے کہا۔ سنبھل کے بیٹھیے۔ خدا کے صدقے سے وہ آفت ٹل گئی۔ خاطر جمع رکھیے۔ اور عورتون کو بھی پانی چھڑک چھڑک کے اوٹھایا۔ سب اوٹھ اوٹھ کے بیٹھین۔ جب اطمینان ہو گیا۔ تو مین نے کل واقعہ بیان کیا۔ بیگم صاحب بہت ہی خوش ہوئین۔

سرفراز خان کو بلوا بھیجا۔

سرفراز۔ سرکار کچھ دیدیجیے۔ بغیر اِسکے کام نہ چلے گا۔ اِس وقت نہ امراؤ جان یہان ہوتین نہ یہ آفت ٹلتی۔

بیگم۔ کسی نہ کسی وقت کی محبت کام ہی آجاتی ہے۔

مین۔ (مین نے اِس بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اِس لیے کہ مین سمجھ گئی کہ اِسوقت گھبرا ہٹ

مین یہ راز کی بات اِن کے مُنہ سے نکل گئی ہے۔ اِس موقع پر ایسی باتون کا اظہار اِنکی شان کے خلاف ہے) جی نہین۔ مین نے کیا کیا۔ یہ بھی اتفاق تھا۔

مختصر یہ کہ بیگم صاحب نے صندوقچہ منگایا۔ پانسو نقد اور پانسو کا سونے چاندی کا زیور دے کے اونھین ٹالا۔ سب کی جان مین جان آئی۔ بیگم کا اوسوقت کا کہنا مجھے آج تک یاد ہے!۔

بیگم۔ کیون امراؤ جان باغ مین رہنے کا مزا دیکھا؟۔

مین۔ حضور سچ کہتی تھین۔

اب صبح کے تین بج گئے تھے۔ ہم سب لوگ اوٹھ اوٹھ کے کوٹھی مین گئے۔ اِن لوگون کے ساتھ مین بھی اوٹھی۔ کوٹھی کے برآمدے مین ایک پلنگ میرے لیے بچھوا دیا گیا۔ نیند کِسے آتی ہے۔ رات بھر جاگ رہی۔ صبح ہوتے سب سو رہے۔ میری آنکھ بھی لگ گئی تھی۔ ابھی نیند بھر کے سونے نہ پائی تھی کہ میرے خدمتگار سواری لے کے آگئے مجھے جگوایا۔ مین آنکھین ملتی ہوئی باہر گئی۔

خدمتگار۔ آپ تو خوب یہان آئین۔ رات بھر ہم لوگ راہ دیکھا کیے۔

مین۔ کیونکر آتی۔ سواری کو تو رخصت کر دیا تھا۔

خدمتگار۔ اَچھا تو اب چلیے۔ لکھنؤ سے لوگ آپ کے پاس آئے ہین۔

مین سمجھ گئی ہون نہون بوا حسینی اور گوہر مرزا ہون گے۔ آخر پتا لگا لیا نہ۔

مین۔ اچھا چلتی ہون۔ سواری لائے ہو۔ خدمتگار۔ حاضر ہے۔

جب مین نے جانے کا قصد کیا دو ایک عورتین اور جاگ چکی تھین۔ مجکو روکا۔ کہ بیگمصاحب سے مِل کے جائیے گا۔ مین نے کہا۔ اِسوقت کام ہے۔ بیگم صاحب خدا جانے کب سو کے اوٹھینگی۔ ایسا ہی ہے تو پھر آؤنگی۔

عورتین۔ بھلا اب کیا آؤگی!۔

گھر پرآکے جو دیکھتی ہون۔ بوا حسینی اور میان گوہر مرزا بیٹھے ہوئے ہین۔ بوا حسینی میرے گلے سے لپٹ گئین۔ رونے لگین۔ مین بھی رونے لگی۔

بوا حسینی۔ اللہ بیٹی کیا سخت دل کر لیا۔ تمھین کسی کی محبت ہی نہین۔

مین - بجائے خود شرمندہ تھی - جواب کیا دیتی - جھوٹ موٹ رونے لگی -

معمولی گفتگو کے بعد بوا حسینی نے اوسی دن لکھنؤ چلنے کا ارادہ کر دیا - مین نے لاکھ اصرار کیا کہ ٹھہر جاؤ - اوٹھون نے نہ مانا - زیادہ عجلت کی یہ وجہ تھی کہ مولویصاحب بیمار تھے - بوا حسینی کو دم بھر کہین کا ٹھہرنا شاق تھا - ایسی ہی میری محبت تھی جو چلی آئی تھین - وہ دن کانپور سے اسباب وغیرہ کے خریدنے اور مکان کے کرائے اور نوکر چاکرون کے حساب کرنے مین تمام ہوا - پوری شکرم کرایہ کر لی تھی - ضروری اسباب اوسپر لاد لیا - اور فضول سامان نوکرون کو دے دیا - دوسرے دن لکھنؤ پھونچ گئی -

پھر وہی آب و دانہ ہے - وہی مکان - وہی کمرہ - وہی آدمی -

وحشتِ جنون کی سیر مین بہلا ہوا تھا دل
زندان مین لائے پھر مجھے احباب گھیر کے ؎

دیکھیے پھونچے کہان تک سوزشِ دل کا اثر
صرصرِ وحشت کا یہ شعلہ ہے بھڑکایا ہوا ؎

نواب ملکہ کشور کی سرکار مین سوز خوانی کا سلسلہ انتزاع سلطنت کے زمانے تک رہا - اسی اثنا مین شاہزادہ مرزا سکندر حشمت عرف جرنیل صاحب کے مجرائیون مین میرا بھی اسم ہو گیا تھا - جناب عالیہ اور جرنیل صاحب کلکتہ کو چلے گئے وہ تعلق منقطع ہو گیا -

جس زمانے مین باغی فوج نے مرزا برجیس قدر کو مسندِ ریاست پر بٹھایا - مین بلحاظ قدر دانی اور اسوجہ سے بھی کہ میرا نام شاہی محلات مین اکثر کی زبان پر تھا - مبارکباد دینے کے لیئے طلب ہوئی - شہر مین اک اندھیر تھا - آج اسکا گھر لٹا - کل وہ گرفتار ہوا - پرسون اوسکے گولی لگی - چارون طرف قیامت کا سامان نظر آتا تھا - سید قطب الدین نامے اِک صاحب افسران فوج مین تھے - اونکا قیمن دردولت پر تھا - میرے حال پر بہت عنایت کرتے تھے - اسلیے اکثر وہین رہنا پڑتا تھا - مجرے کے لیے بھی وقت بے وقت طلبی ہو جاتی تھی -

اِس چند روزہ حکومت کے زمانے مین برجیس قدر کے گیارھوین سال کی سالگرہ کا جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوا - اِس جلسے مین کشمیریون نے یہ غزل گائی تھی -

غیرتِ مہتاب ہی برجیس قدر   گوہرِ نایاب ہی برجیس قدر

مین نے ایک غزل اِس موقع کے لیے تصنیف کی تھی - اوسکا مطلع یہ ہے -

دل ہزارون کے تری بھولی ادائین لینگی ؎
حسرتین چاہنے والون کی بلائین لینگی ؎ +

رسوا - امراؤ جان تمنے مطلع تو قیامت ہی کا کہا ہے اور کوئی شعر یاد ہو تو پڑھو -

امراؤ جان - گیارہ شعر کہے تھے - مگر آپ کے سر کی قسم سوا اِس مطلع کے اور کوئی شعر یاد نہین - وہ زمانہ ایسی آفت کا تھا - نگوڑی دن رات جان دھڑکے مین رہتی تھی - غزل ایک پرچے پر لکھ لی تھی - جس دن تک بیگمصاحب قیصر باغ سے نکلی ہین وہ پرچہ میرے پاندان مین تھا - پھر جب وہان سے نکلنا ہوا ہول جول مین پاندان گیا جوتیان اور دوپٹے تک چھوٹ گئے -

رسوا - بھلا کچھ یاد ہے بیگم صاحب کس دن قیصر باغ سے نکلی تھین -

امراؤ - دن تو یاد نہین - ہزاری روزے کے دوسرے یا تیسرے دن -

رسوا - ہان تمھین خوب یاد رہا - رجب کی اونتیسوین تاریخ تھی - بھلا فصل کون سی تھی -

امراؤ - اخیر جاڑے تھے - نوروز کے چار پانچ دن باقی رہے ہون گے -

رسوا - بالکل درست - مارچ کی سولھوین تاریخ تھی - اچھا تو تم بیگمصاحب کے ساتھ قیصر باغ سے نکلین -؟

امراؤ - جی ہان - بونڈی تک ہمراہ گئی - راستے مین نمکحرام اور بزدل افسران فوج کے غمزے اور بیگم کی خوشامد عمر بھر نہ بھولے گی - ایک صاحب کہتے ہین - لو صاحب انکے راج مین ہم پیدل چلین - دوسرے صاحب فرماتے ہین - بھلا کھانے کا تو انتظام درست ہوتا - تیسرے صاحب افیم کو بیٹھ رہے ہین - چوتھے اپنی جان کو رو رہے ہین کہ حقہ وقت پر نہین ملا - جب بہرائچ سے انگریزی فوج نے بونڈی پر دھاوا کیا ہے اوسمین سید قطب الدین مارے گئے - بیگمصاحب نیپال کی طرف روانہ ہوئین - مین اپنی جان بچا کے فیض آباد چلی آئی -

رسوا - سنا ہے بونڈی مین چار دن کے لیئے خوب چہل پہل ہو گئی تھی -

امراؤ - آپنے تو سنا ہے مین نے ان آنکھون سے دیکھا ہے - لکھنؤ کے بھاگے ہوئے

سب وہین جمع ہو گئے تھے۔ بونڈی کا بازار لکھنؤ کا چوک معلوم ہوتا تھا۔

رسوا۔ اچھا اِس قصے سے مجکو زیادہ دلچسپی نہین ہے۔ یہ کہیئے کہ وہ مال جو آپ نے سامان فیضو سے لیا تھا۔ اوسکا کیا حشر ہوا۔

امراؤ جان۔ (ایک آہ سرد بھر کے) ای ہے یہ نہ پوچھیئے۔

رسوا۔ غدر مین سب لٹ گیا۔

امراؤ۔ غدر مین لٹ جاتا تو اتنا افسوس نہ تھا۔ رسوا۔ پھر کیا ہوا۔

امراؤ۔ سارا قصہ دُہرانا پڑا۔ جس دن شب کو مین فیضو کے ساتھ بھاگنے والی تھی مینے کل زیور اور اشرفیان ایک پٹاری مین بند کین۔ اوپر سے خوب کپڑا لپیٹ دیا۔ خانم کے مکان کے پچھواڑے ایک میر صاحب رہتے تھے۔ اما باڑے کے کوٹھے کی دیوار پر چڑھ جاؤ۔ تو اون کے مکان کا سامنا ہو جاتا تھا۔ مین اکثر چارپائی لگا کے اِس دیوار پر چڑھا جایا کرتی تھی۔ اور میر صاحب کی بہن سے باتین کیا کرتی تھی۔

وہ زیور کی پٹاری مین نے اونکی بہن کے پاس پھینکدی۔ اور اون سے ہاتھ جوڑ کے کہا کہ اِسکو حفاظت سے رکھنا۔ اوںھون نے فیض آباد سے آنے کے بعد وہ پٹاری اوسی طرح کوڑہ مین لپٹی ہوی میرے حوالے کر دی۔ غدر مین تمام دنیا کے گھر لٹے اگر کہدیتین کہ لٹ گئی تو مین اونکا کیا کر لیتی۔ مگر واہ ری بیوی۔ ایک حبہ تک نقصان نہین ہوا۔ ایسے ہی لوگون سے زمین و آسمان تھمبا ہوا ہے۔ نہین تو کب کی قیامت آجاتی۔

رسوا۔ بھلا کتنے کا مال ہو گا۔

امراؤ۔ البتہ کوئی دس پندرہ ہزار کا مال تھا۔

رسوا۔ اور اب کیا ہوا۔ امراؤ۔ کیا ہوا۔ جس راہ آیا تھا اوسی راہ گیا۔

رسوا۔ مگر لوگ تو مشہور کرتے ہین تمہارا ایک حبہ بھی غدر مین نہین لٹا۔ سب مال تمھارے پاس ہے۔

امراؤ۔ اگر مال ہوتا تو اِن حالون رہتی۔ جیسے اب رہتی ہون۔

رسوا۔ لوگ کہتے ہین۔ تنے اپنا بھل نکالا ہے۔ اگر نہین ہے تو خرچ کہان سے چلتا ہے۔ اب بھی کچھ برے حالون نہین رہتی ہین۔ دو آدمی نوکر ہین۔ خوش خوراک اور خوش پوشاک بھی ہو۔

امراؤ۔ خدا رزاق ہے۔ جو جسکا خرچ ہے وہ اوسکو ضرور ملتا ہے۔ اوس مال کا تو ایک حبہ بھی نہین رہا۔

رسوا۔ اچھا تو پھر کیا ہوا۔

امراؤ۔ اب کیا بتاؤن۔ ایک مہربان . . . . . .

رسوا۔ مین سمجھ گیا۔ یہ گوہر مرزا صاحب کی حرکت ہو گی۔

امراؤ۔ مین اپنے منہ سے نہین کہتی۔ شاید آپ کا قیاس غلط ہو۔

رسوا۔ بیشک تمھارے عالی ظرف ہونے مین کوئی شبہہ نہین۔ دیکھیئے وہ چین کر رہے ہین اور تمھین پوچھتے تک نہین۔

امراؤ۔ مرزا صاحب مدتّی سے رسم رہا ہا زہا۔ اب وہ مجھے کیون پوچھین۔ ع مت ہوئے کہ ترک ملاقات ہو گئی۔

رسوا۔ اب کبھی تشریف بھی لاتے ہین۔

امراؤ۔ وہ کاہے کو تشریف لائین گے۔ مین اکثر جاتی ہون۔ اونکی بیوی سے محبت ہو گئی ہے۔ ابھی چار دن ہوئے لڑکے کی دودہ بڑھائی کی تھی تو بُلا بھیجا تھا۔

رسوا۔ جب بھی کچھ دے ہی آئی ہو گی۔

امراؤ۔ جی نہین مین کس قابل ہون جو کسی کو کچھ دونگی۔

رسوا۔ تو وہ مال گوہر مرزا صاحب کے کُٹے لگا۔

امراؤ۔ مرزا صاحب مال کی کوئی حقیقت نہین ہے۔ ہاتھ کا میل ہے۔ فقط بات بیجاتی ہے۔ اب بھی اپنے پیدا کرنے والے کے قربان جاؤن! کبھی تنگی ترشی نہین رہتی۔ آپ ایسے قدردانون کو خدا سلامت رکھے مجھے کسی بات کی تکلیف نہین ہے۔

رسوا۔ آمین کیا خوب کہی۔ وہ تو مین پہلے ہی کہہ چکا ہون۔ اب بھی سو سے اچھی ہزار سے اچھی۔ واللہ یہ تمھاری نیت کا ثمرہ ہے۔ خدا نے زیارت سے بھی مشرف کیا۔

امراؤ۔ جی ہان مولا نے سب مرادین پوری کین۔ اب یہ تمنا ہے کہ پھر مجھے کربلا بلائیں۔ میری مٹی عزیز ہو جائے۔ مرزا صاحب مین تو اِس ارادے سے گئی تھی کہ پھر کے نہ آؤنگی مگر خدا جانے کیا ہوا تھا کہ لکھنؤ سر پر سوار ہو گیا۔ مگر ابکی اگر خدا نے چاہا اور جانا ہو گیا تو پھر نہ آؤنگی۔

سُن چکے حال تباہی کا مرے اور سنو
اب تمھیں کچھ مری تقریر مزا دیتی ہے

بونڈی سے بیگمصاحبہ اور مرزا برجیس قدر نیپال کو روانہ ہوئے۔ سید قطب الدین لڑائی مین مارے جا چکے تھے۔ مین بہزار مشکل فیض آباد آئی پہلے سرا مین اوتری۔ پھر ترپولیہ کے پاس ایک کمرہ کرائے کو لے لیا تھا پرانے نوکر رکھ لیے۔ گانا بجانا شروع کر دیا۔

فیض آباد مین رہتے ہوئے اب مجھے چھ مہینے گذر چکے ہین۔ وہان کی آب وہوا طبیعت کے بہت موافق ہے۔ دل لگا ہوا ہے۔ آٹھوین دسوین کوئی نہ کوئی مجرا آجاتا ہے۔ اسی پر بسر ہے۔ تمام شہر مین میرے گانے کی دھوم ہے۔ جہان مجرا ہوتا ہے ہزارون آدمی ٹوٹ پڑتے ہین۔ میرے مجرے کے نیچے لوگ تعریفین کرتے ہوئے نکلتے ہین۔ مین دل مین خوش ہوتی ہون۔ کبھی کبھی خواب وخیال کی طرح بچپن کی باتین بھی یاد آجاتی ہین۔ اور اسکے ساتھ ہی دل مین اِک جوش سا پیدا ہوتا ہے مگر انتزاعِ سلطنت۔ غدر۔ برجیس قدری۔ یہ سب سانحے آنکھون کے سامنے گذر چکے ہین۔ کلیجا پتھر کا ہو گیا ہے۔ مان باپ کے تصور کے ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے۔ خدا جانے اب کوئی زندہ بھی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر ہو تو اب اونکو مجھسے کیا مطلب۔ وہ اور عالم مین ہون گے۔ مین اور عالم مین ہون۔ خون کا جوش سہی مگر کوئی غیرتدار آدمی مجھسے ملنا گوارا نہ کرے گا۔ اب اون سے ملنے کی کوشش کرنا اونکو رنج دینا ہے۔ گھر کا خیال آتے ہی یہ باتین دل مین آتی تھین۔ پھر طبیعت اور طرف متوجہ ہو جاتی تھی۔

لکھنؤ کی یاد اکثر ستاتی تھی۔ مگر جب انقلاب کا خیال آتا تھا۔ دل بھر جاتا تھا۔ اب وہان کون ہے۔ کسکے لیئے جاؤن۔ خانم جیتی ہین تو کیا ہوا۔ اون سے اب کیونکر بنے گی۔ وہ وہی اگلی حکومت جتائینگی۔ مجھے اب اونکی قید مین رہنا کسی طرح منظور نہ تھا۔ جو مال میر صاحب کی بہن کے پاس امانت تھا۔ وہ اب کیا ملے گا۔ تمام لکھنؤ لٹ گیا۔ میر صاحب کا گھر بھی لٹ گیا ہوگا ہوگا اب خیال ہی بیکار ہے۔ اور اگر نہین لٹا تو ابھی اوسکی ضرورت ہی کیا ہے۔ میرے

ہاتھ گلے جو کچھ موجود ہے وہ کیا کم ہے۔

ایکدن کمرے پر بیٹھی ہوئی ہون۔ ایک صاحب شریفانہ صورت اَدھیڑ سے تشریف لائے۔ مین نے پان بنا کے دیا۔ حقہ بھروا دیا۔ حالات دریافت کرنے سے معلوم ہوا۔ وہ بیگمصاحبہ کے عزیزون سے ہین۔ وثیقہ پاتے ہین۔ مین نے باتون باتون مین مقبرہ کی روشنی کی تمہید اوٹھا کے پرانے ملازمون کا ذکر چھیڑا۔

مین۔ اگلے نوکرون مین اب کون کون رہگیا ہے۔

نوابصاحب۔ اکثر مر گئے۔ نئے نئے نوکر ہین۔ اب وہ کارخانہ ہی نہین رہا بالکل نیا انتظام ہے۔

مین۔ اگلے نوکرون مین ایک بڈھے جمعدار تھے۔

نواب۔ ہان تھے۔ تم اونھین کیا جانو۔

مین۔ غدر سے پہلے مین ایک مرتبہ محرم مین فیض آباد آئی تھی۔ مقبرے پر روشنی دیکھنے گئی تھی۔ اونھون نے میری بڑی خاطر کی تھی۔

نواب۔ وہی جمعدار نا۔ جنکی ایک لڑکی نکل گئی تھی۔

مین۔ یہ مجھے کیا معلوم! (دل مین) ہائے افسانہ اب تک مشہور ہے!۔

نواب۔ یون تو کئی جمعدار تھے۔ اور اب بھی ہین۔ مگر روشنی وغیرہ کا انتظام غدر سے پہلے وہی کرتے تھے۔

مین۔ ایک لڑکا بھی اونکا تھا۔

نواب۔ تمنے لڑکے کو کہان دیکھا۔

مین۔ اوسدن اون کے ساتھ تھا۔ اپنی شکل بھی ملتے کم دیکھی ہے۔ بن کہے مین پہچان گئی تھی۔

نواب۔ جمعدار غدر سے پہلے ہی مر گئے۔ وہی لڑکا اونکی جگہہ نوکر ہے۔

اسکے بعد بات کے ٹالنے کے لیے مین نے اور کچھ حالات ادھر اودھر کے پوچھے نوابصاحب نے سوز پڑھنے کی فرمایش کی۔ مین نے دو سوز سنائے۔ بہت محظوظ ہوئے رات کچھ زیادہ آگئی تھی گھر تشریف لے گئے۔

باپ کے مرنے کا حال سُنکے مجھے بہت ہی رنج ہوا۔ اوسدن رات بھر رویا کی دوسرے

دن بے اختیار جی چاہتا تھا کہ جا کے دیکھ آؤن۔ دو دن کے بعد ایک مجرا آگیا اوسکی تیاری کرنے لگی۔ جہان کا مجرا آیا تھا۔ وہان گئی۔ محلّے کا نام یاد نہین۔ مکان کے پاس بہت بڑا پرانا املی کا درخت تھا۔ اوسی کے نیچے شامیانہ تانا گیا تھا۔ گرد قناتین تھین۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ مگر لوگ کچھ ایسے ہی ویسے تھے۔ قناتون کے پیچھے اور سامنے کھپریلون مین عورتین تھین۔ پہلا مجرا کوئی نو بجے شروع ہوا۔ بارہ بجے تک رہا۔ اس مقام کو دیکھ کے مجھے وحشت سی ہوتی تھی۔ دل اُمڈا چلا آتا تھا۔ جانے یہی جی مین آتا تھا کہ یہین میرا مکان ہے۔ یہ املی کا درخت وہی ہے۔ جسکے نیچے مین کھیلا کرتی تھی۔ جو لوگ محفل مین شریک تھے اونمین سے بعض آدمی ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے مین نے انکو کہین دیکھا ہے۔ شبہ مٹانے کے لیے مین قناتون کے باہر نکلی۔ گھرون کی قطع کچھ اور ہو گئی تھی۔ اس سے خیال ہوا۔ شاید یہ وہ جگہ نہو۔ ایک مکان کے دروازے کو غور سے دیکھا کی۔ دل کو یقین ہو گیا تھا کہ یہی میرا مکان ہے۔ جی چاہتا ہے مکان مین گھسی چلی جاؤن۔ مان کے قدمون پر گر پڑون۔ دہ گلے لگا لیگی مگر جرات نہ ہوتی تھی۔ اسلیے کہ مین جانتی ہون دہات مین رنڈیون سے بہت ہی پرہیز کرتے ہین۔ دوسرے باپ بھائی کی عزت کا خیال تھا۔ نواب صاحب کی زبان سے معلوم ہو چکا تھا کہ جمعدار کی لڑکی کا نکلجانا لوگون کو معلوم ہے۔ پھر جی کہتا تھا ہائے کیا غضب ہے۔ صرف ایک دیوار کی آڑ ہے۔ اُدھر میری امان بیٹھی ہو نگی۔ اور مین یہان اونکے لیے تڑپ رہی ہون۔ اک نظر صورت دیکھنا بھی ممکن نہین۔ کیا مجبوری ہے۔ اسی اودھیڑبُن مین تھی کہ ایک عورت نے آکے پوچھا۔ "تمھین لکھنؤ سے آئی ہو"

مین۔ ہان۔ اب تو میرا کلیجہ ہاتھون اوچھلنے لگا۔

عورت۔ اچھا تو ذرا اِدھر چلی آؤ۔ تمھین کوئی بلاتا ہے۔

مین۔ "اچھا" یہ کہہ کے اوسکے ساتھ چلی۔ ایک ایک پاؤن گویا سو سو من کا ہو گیا تھا۔ قدم رکھتی کہین تھی پڑتا کہین تھا۔

وہ عورت اوس مکان کے دروازے پر مجکو لے گئی جسے مین اپنا مکان سمجھے ہوئی تھی۔ اس مکان کی ڈیوڑھی مین ایک چارپائی پر مجکو بٹھا دیا۔ اندر کے دروازے پر

ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اوسکے پیچھے دو تین عورتین آکے کھڑی ہوئین۔

ایک۔ لکھنؤ سے تمھین آئی ہو۔ مین۔ جی ہان۔

دوسری۔ تمھارا نام کیا ہے۔

مین۔ (جی مین تو آیا کہدون امیرن مگر پھر دل کو تھام کے) امراؤ جان۔

پہلی۔ تمھارا وطن خاص لکھنؤ ہے۔

مین۔ (اب مجھسے ضبط نہو سکا۔ آنسو نکل پڑے۔ اصلی وطن تو یہی ہے جہان کھڑی ہون۔

پہلی "تو کیا بنگلے کی رہنے والی ہو؟"

مین۔ (آنکھون سے آنسو برابر جاری تھے) بمشکل جواب دیا) جی ہان۔

دوسری۔ کیا تم ذات کی چتریا ہو۔؟

مین۔ ذات کی چتریا تو نہین ہون۔ تقدیر کا لکھا پورا کرتی ہون۔

پہلی۔ (خود رو کے) اچھا تو روتی کیون ہو۔ آخر کہو پھر تم کون ہو۔؟

مین۔ (آنسو پونچھ کے) کیا بتاؤن کون ہون۔ کچھ کہتے بن نہین پڑتا۔

اتنی باتین مین نے بہت دل کو سنبھال کے کی تھین۔ اب بالکل تاب ضبط نہ تھی سینے مین دم رُکنے لگا تھا۔

اتنے مین دو عورتین پردے کے باہر نکلین۔ ایک کے ہاتھ مین چراغ تھا۔ اوسنے میرے مُنہ کو ہاتھ سے تھام کے کان کی لَو کے پاس غور سے دیکھا۔ اور یہ کہہ کے دوسرے کو دکھایا۔ اور کہا "کیون ہم نہ کہتے تھے۔ وہی ہے۔"

دوسری "ہائے میری امیرن" کہہ کے لپٹ گئی۔ دونون مان بیٹیان چیخین مار مار کے رونے لگین۔ ہچکیان بندھ گئین۔ آخر دو عورتون نے آکے چھڑایا۔ اسکے بعد مین نے اپنا سارا قصہ دوہرایا۔ میری مان بیٹھی سُنا کی اور رویا کی۔ باقی رات ہم دونون وہین بیٹھے رہے۔ صبح ہوتے مین رخصت ہوئی۔ مان نے چلتے وقت جس حسرت بھری نگاہ سے مجکو دیکھا تھا وہ نگاہ مرتے دم تک مجھے نہ بھولے گی۔ مگر مجبوری۔ روز روشان نہ ہونے پایا تھا کہ مین سوار ہو کے اپنے ڈیرے پر چلی آئی۔ دوسرا مجرا صبح کو ہوتا۔ مگر مین نے گھر پر آکے کل روپیہ مجرے کا واپس دیا۔ اور بیماری کا بہانہ کہلا بھیجا دولہا کے باپ نے آدھا روپیہ پھیر دیا۔ اوس دن دن بھر میرا جو حال رہا۔ خدا ہی ہے

خوب روشن ہے۔ کمرے کے دروازے بند کرکے دن بھر پلنگ پر پڑی رویا کی۔
دوسرے دن شام کو کوئی دو گھڑی رات گئے ایک جوان سا آدمی سانولی رنگت
کوئی بیس یا بیئس برس کی عمر۔ پگڑی باندھے۔ سپاہیون کی ایسی وردی پہنے
میرے کمرے پر آیا۔ مین نے حقہ بھروا دیا۔ پاندان مین پان نہ تھے۔ ماما کو بلا کے چپکے
سے کہا۔ پان لے آؤ۔ اتفاق سے اور کوئی بھی اوس وقت نہ تھا۔ کمرے مین مین ہون
اور وہ ہے۔

جوان۔ "کل تمھین مجرے کو گئی تھین"۔ یہ اس تیور سے کہا تھا کہ مین جھجک گئی۔
مین۔ ہان۔ اتنا کہہ کے اوسکے چہرے کی طرف جو دیکھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے
آنکھون سے خون ٹپک رہا ہے۔
جوان۔ (سر نیچا کرکے) خوب گھرانے کا نام روشن کیا۔
مین (اب سمجھی کہ یہ کون شخص ہے) اسکو تو خدا ہی جانتا ہے۔
جوان۔ ہم تو سمجھے تھے تم مرگئین۔ مگر تم ابتک زندہ ہو۔
مین۔ بے غیرت زندگی تھی نہ مری۔ خدا کہین جلد موت دے۔
جوان۔ بیشک اس زندگی سے موت لاکھ درجہ بہتر تھی۔ تمھین تو چلو بھر پانی مین
ڈوب مرنا تھا۔ یا کچھ کھا کے سو رہی ہوتین۔
مین۔ خود اتنی سمجھ نہ تھی۔ اور نہ آج تک کسی نے یہ نیک صلاح دی۔ اب سہی۔
جوان۔ اگر ایسی ہی غیرت ہوتی تو اس شہر مین کبھی نہ آتین۔ اور آئی بھی تھین
تو تمھین اس محلے مین مجرے کو جانا تھا۔ جہان کی رہنے والی تھین۔
مین۔ ہان اتنی خطا ضرور ہوی۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا۔
جوان۔ اچھا۔ اب تو معلوم ہو گیا۔ مین۔ اب کیا ہوتا ہے۔
جوان۔ (بہت ہی غصہ ہوکے) اب کیا ہوتا ہے! اب کیا ہوتا ہے۔ اب یہ
(چھری کمر سے نکال کے مجھ پر جھپٹا دونون ہاتھ پکڑ کے گلے پر چھری رکھدی)
ہوتا ہے۔
اتنے مین ماما بازار سے پان لے کے آئی۔ اوسنے جو یہ حال دیکھا۔ لگی چیخنے۔
ارے دوڑو۔ بیوی کو کوئی مارے ڈالتا ہے۔

جوان۔ (چھری گلے سے ہٹا کے ہاتھ چھوڑ دیے) "عورت کو کیا مارون۔ اور عورت بھی
کون۔ بڑی۔ ۔ ۔ ۔"
اتنا کہہ کے دھاڑین مار مار کے رونے لگا۔
مین۔ پہلے ہی سے ادھ موی تھی۔ جب اوسنے گلے پر چھری رکھی تھی۔ جان کی خوف سے ایک
دھچکا سا کلیجے پر پہنچا تھا۔ اوس سے دم بخود سی ہو گئی تھی۔ جب وہ چھوڑ کر رونے لگا مین بھی
رونے لگی۔"
ماما نے دو ایک چیخین ماری تھین۔ جب اوسنے یہ حال دیکھا۔ کچھ چپ سی ہو رہی۔
ادھر مین نے اشارے سے منع کیا۔ ایک کنارے کھڑی ہو گئی۔
جب دونون خوب رو دھو چکے۔
جوان۔ (ہاتھ جوڑ کے) "اچھا تو اس شہر سے کہین چلے جاؤ"۔
مین۔ کل چلی جاؤنگی۔ مگر ایک مرتبہ امان کو اور دیکھ لیتی۔
جوان۔ بس اب دل سے دور رکھو۔ معاف کرو۔ کل امان نے تمھین گھر پر بلا لیا۔
مین نہ ہوا۔ نہین تو اوسی وقت وارا نیارا ہو جاتا۔ محلے بھر مین چرچے ہو رہے ہین۔
مین۔ تمنے دیکھ لیا۔ جان سے تو مین ڈرتی نہین۔ مگر ہائے تمھاری جان کا خیال ہے۔
تم اپنے بچون کے سر پر سلامت رہو۔ خیر اگر جیتے رہے تو کبھی نہ کبھی خیر و عافیت سن ہی
لیا کرین گے۔
جوان۔ برائے خدا کسی سے ہمارا ذکر نہ کرنا۔
مین۔ اچھا۔
وہ جوان تو اوٹھ کے چلا گیا۔ مین اپنے غم مین مبتلا تھی۔ ماما نے اور جان کھانا شروع کی۔
ماما۔ یہ کون تھے۔!
مین۔ رنڈی کے مکان پر ہزار آدمی آتے ہین۔ کوئی تھے۔ تمھین کیا۔ بہر طور ماما کو ٹال دیا۔
رات کی رات سو رہی۔ صبح کو اوٹھ کے لکھنؤ چلنے کی تیاری کی۔ شامون شام شکرم
کرایہ کرکے روانہ ہو گئی۔

لکھنؤ مین آکر خانم کے مکان پر اوتری۔ وہ چوک۔ وہی کمرا۔ وہی ہم ہین۔ اگلے آنے والون

سے کچھ لوگ کلکتہ چلے گئے تھے۔ کچھ اور شہرون مین نکل گئے تھے۔ شہر مین نیا انتظام۔ نئے قانون جاری تھے۔ آصف الدولہ کے امام باڑے مین قلعہ تھا۔ چارون طرف دمدمے بنے ہوئے تھے۔ گول دروازے سے لیکر دریا اور دور دور تک مکانات کھدے ہوئے پڑے تھے۔ جابجا چوڑی چوڑی سڑکین نکل رہی تھین۔ گلیون مین کھمبے بنائے جاتے تھے۔ نالے نالیان صاف کیجاتی تھین۔ غرضکہ لکھنؤ اب اور ہی کچھ ہو گیا تھا۔

مین دو چار مہینے خانم کے مکان پر رہی۔ اوسکے بعد بلطائف الحیل ایک علیحدہ کمرہ لیکر رہنا شروع کیا۔ زمانے کے انقلاب کے ساتھ خانم کی طبیعت بھی کچھ بدل گئی تھی۔ مزاج مین ایک قسم کی بے پروائی سی ہو گئی تھی۔ جو لڑکیان نکل کے علیحدہ ہو گئی تھین۔ اونکا تو ذکر کیا۔ جو ساتھ رہتی تھین اون کے روپے پیسے سے کوئی واسطہ غرض نہ تھی۔ میرا علیحدہ ہو جانا بھی کچھ اون کے مزاج کے خلاف نہ گذرا۔ دوسرے تیسرے مین جاتی تھی۔ سلام کرکے چلی آتی تھی۔ اوسی زمانے مین نواب محمود علیخان صاحب سے مجھے تپاک بڑھا۔ پہلے کچھ دنون تشریف لایا کیے۔ پھر نوکر رکھا۔ اوسکے بعد مجھے پابند کرنا چاہا۔ بھلا مجھسے کب ہو سکتا تھا کہ لکھنؤ مین رہون اور اپنے قدیم ملنے والون سے ملاقات ترک کرون۔ جب مین نے نوابصاحب کی طبیعت کا یہ رنگ دیکھا۔ ترک تعلق کرنا چاہا۔ نوابصاحب نے عدالت مین دعوی کر دیا کہ "مجھسے نکاح ہے"۔ عجب آفت مین جان پھنسی۔ مقدمہ کی پیروی مین ہزارون روپے صرف ہوئے۔ عدالت ابتدائی مین فیصلہ نوابصاحب کے موافق ہوا۔ اب مجھے روپوش ہونا پڑا۔ مدتون چھپی چھپی پھری۔ وکیل کی معرفت اپیل کی۔ اپیل مین نوابصاحب ہارے۔ نوابصاحب نے عدالت عالیہ مین اپیل کی۔ یہان بھی ہارے۔ اب ناجائز دھمکیان دینا شروع کین۔ "مار ڈالون گا" "ناک کاٹ لون گا" اس زمانے مین مجکو جان کی حفاظت کے لیئے دس بارہ آدمی لٹھ بند نوکر رکھنا پڑے جہان جاتی ہون یہ آدمی فینس کے ساتھ ساتھ ہین۔ ناک مین دم ہو گیا۔ آخر مین نے فوجداری مین مچلکے کا دعوی کیا۔ گواہون سے ثابت کرا دیا کہ بیشک نوابصاحب درپئے آزار ہین۔ حاکم نے نوابصاحب سے مچلکہ لے لیا۔ اب جا کے جان چھوٹی۔ چھ برس تک ان مقدمون مین پھنسی رہی۔ خدا خدا کرکے نجات ہوئی۔

جس زمانے مین نواب سے مقدمہ لڑ رہا تھا۔ ایک صاحب اکبر علیخان نامے۔ مختار پیشہ۔ چلتے پرزے۔ آفت کے پرکالے۔ ناجائز کارروائیون مین مشاق۔ جعلسازی مین اوستاد۔ جھوٹے مقدمے بنانے مین وحیدِ عصر۔ عدالت کو دھوکا دینے مین یکتائے زمان۔ میری طرف سے پیروکار تھے۔ اونکی وجہ سے عدالتی کامون مین بہت مدد ملی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو مین نواب سے سر بر نہ ہوتی۔ اگرچہ سچا واقعہ یہ ہے کہ نوابصاحب سے مجھسے نکاح نہ تھا۔ مگر عدالتون مین اکثر سچی بات کے لیے بھی جھوٹے گواہ پیش کرنا ہوتے ہین۔ فریق ثانی کی طرف سے بالکل جھوٹا دعوی تھا۔ لیکن مقدمہ اس سلیقے سے بنایا گیا تھا کہ کوئی صورت مفر کی نہ تھی۔ نکاح کے ثبوت مین دو مولوی پیش کیے گئے تھے۔ جن کے ماتھون پر گھٹے پڑے ہوئے۔ بڑے بڑے عمامے سر پر۔ عبائین زیب دوش۔ ہاتھون مین کنٹھے۔ پاؤن مین کفشین۔ بات بات مین قال اللہ و قال الرسول۔ اونکی صورت دیکھ کے حاکم عدالت کیا کسی نیک نیت آدمی کو کذب و دروغ کا شبہہ بھی نہین ہو سکتا۔ انہین سے ایک بزرگ ناکح کے وکیل بنے تھے۔ اور ایک منکوحہ کے۔ مگر پھر حق حق ہے اور ناحق ناحق۔ جرح مین بگڑ گئے۔ نواب کے اور گواہ ان سے زیادہ بگڑے۔ اور انھین گواہون کی گواہی کی وجہ سے نواب اپیل ہار گئے۔ فوجداری مین میری طرف سے جو گواہ پیش کیے گئے تھے وہ سب اکبر علی کے بنائے ہوئے تھے بالکل نہ بگڑے۔

اکبر علیخان کی آمد و رفت میرے مکان پر بہت زمانے تک رہی۔ اونھون نے میرے ساتھ پورا حق دوستی کا ادا کیا۔ ایک حبہ نہین لیا۔ بلکہ اپنے پاس سے بہت کچھ صرف کیا۔ وہ اونکو میرے ساتھ ایک قسم کی محبت تھی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ برے آدمی بھی بالکل برے نہین ہوتے۔ کسی نہ کسی سے بھلے ضرور ہو جاتے ہین۔ اگلے زمانے کے چورون کی نسبت آپ نے سنا ہوگا کہ جب کسی سے دوستی کر لیتے تھے تو اوسکا پورا نباہ کرتے تھے۔ بغیر کسی قدر بھلائی کے زندگی بسر نہین ہو سکتی۔ جو شخص سب سے برا ہو وہ کسی کا ہو کے رہے گا۔ جبتک کوئی مقدمہ رہا۔ مین کسی اجنبی شخص کو اپنے پاس آنے نہ دیتی تھی۔ مبادا اوسکا بھیجا ہوا خفیہ خبر لینے آیا ہو۔ یا اور کسی طرح کا نقصان پہنچائے۔ اکبر علیخان ایک مرتبہ صبح کو کچہری جاتے وقت اور پھر شام کو کچہری سے پلٹ کے میرے مکان پر آتے تھے۔ شام کو یہین نماز

پڑھتی تھے۔ گھر سے کھانا آتا تھا۔ ہر چند مینے اصرار کیا کہ مکان سے کھانا منگانے کی کیا ضرورت۔ مگر اونھون نے دمانا۔ آخر مجبور ہو کے چپ ہو رہی۔ میرے گھر کے کھانے سے انکار بھی نہ تھا۔ مین بھی اونھین کے ساتھ کھانا کھاتی تھی۔ اوس زمانے مین مین بھی نماز کی پابند ہو گئی تھی۔ اکبر علیخان کو تعزیہ داری سے عشق تھا۔ رمضان اور محرم مین وہ اس قدر نیک کام کرتے تھے جس سے اون کے سال بھر کے گناہون کی تلافی ہو جاتی تھی۔ یہ صحیح ہو یا غلط مگر اونکا اعتقاد یہی تھا۔

رسوا۔ یہ معاملہ ایمان کا ہے اسلیئے اِتنا مجھے کہہ لینے دیجیئے کہ یہ اعتقاد صحیح نہین ہے۔

امراؤ۔ میرے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔

رسوا۔ عقلمندون نے گناہون کی دو قسمین کی ہین۔ ایک وہ جنکا اثر اپنی ہی ذات تک رہتا ہے۔ اور دوسرے وہ جنکا اثر دوسرون تک پھونچتا ہے۔ میری راے ناقص مین پہلی قسم کے گناہ صغیرہ اور دوسری قسم کے کبیرہ ہین۔ (اگرچہ اور لوگون کی راے اِسکے خلاف ہو)۔ جن گناہون کا اثر دوسرون تک پھونچتا ہے اونکی بخشش وہی لوگ کر سکتے ہین۔ جنپر اوسکا بڑا اثر پھونچا ہو۔ تمنے خواجہ حافظ کا وہ شعر سنا ہو گا۔

مَے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ساکنِ بتخانہ باش و مردم آزاری مکن

امراؤ جان یاد رکھو۔ مردم آزاری بہت ہی بُری چیز ہے۔ اسکی بخشش کہین نہین ہے اور اگر اسکی بخشش ہو۔ تو معاذ اللہ۔ خدا کی خدائی بیکار ہے۔

امراؤ۔ میان میرا تو بال بال گنہگار ہے۔ مگر اس سے مین بھی کانپتی ہون۔

رسوا۔ مگر تمنے دل آزاری بہت کی ہو گی۔

امراؤ۔ پھر یہ تو ہمارا پیشہ ہے۔ اِسی دل آزاری کی بدولت لاکھون روپے ہمنے کمائے ہزارون اوڑائے۔

رسوا۔ پھر اسکی کیا سزا ہو گی۔

امراؤ۔ اسکی کوئی سزا نہ ہونا چاہیئے۔ ہمنے جس قسم کی دل آزاری کی اوسمین ایک طرح کی لذت ہے۔ جو اوس دل آزاری کا معاوضہ ہو جاتا ہے۔

رسوا۔ کیا خوب۔

امراؤ۔ فرض کیجیئے۔ ایک صاحب نے ہمکو میلے تماشے مین کہین دیکھ لیا۔ مرنے لگے۔ کوڑی پاس نہین۔ ہم بے لیئے مِل نہین سکتے۔ اونکا دل دُکھتا ہے۔ پھر اسمین ہمارا کیا قصور ہے۔ دوسرے صاحب ہم سے مِلنا چاہتے ہین۔ روپیہ بھی دیتے ہین۔ ہم ایک اور شخص کے پابند ہین۔ یا اون سے مِلنا نہین چاہتے۔ اپنا دل۔ اونکی جان پر بنی ہے۔ پھر! ہماری بلا سے۔ بعض صاحب ہمارے پاس اِسطرح کے آتے ہین جو یہ چاہتے ہین کہ ہمین چاہو۔ ہم نہین چاہتے۔ اجارہ ہے۔ اِس سے اون کو صدمہ پھونچتا ہے۔ پھر ہماری پاپوش سے۔

رسوا۔ یہ سب گولی مارنے کے لائق ہین۔ مگر برائے خدا کہین مجھے انہین سے کسی مین نہ شمار کر لیجیئے گا!۔

امراؤ۔ خدا نہ کرے۔ آپ خوش باشون مین ہین۔ نہ آپ کسی کو چاہتے ہین۔ نہ کوئی آپکو چاہتا ہے۔ اور پھر آپ سب کو چاہتے ہین اور سب آپ کو۔

رسوا۔ یہ کیا کہا! ایک بات ہے۔ اور نہین بھی ہے۔ کہین ایسا ہو سکتا ہے۔

امراؤ۔ مین منطق تو زیادہ پڑھی نہین۔ مگر ہو سکتا ہے۔ جب ایک بات کے دو پہلوے ہون۔ ایک چاہنا عقلمندی کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک بیوقوفی کے ساتھ۔

رسوا۔ اسکی مثال۔

امراؤ۔ پہلے کی مثال۔ جیسے آپ مجکو چاہتے ہین۔ مین آپ کو۔

رسوا۔ خیر میرے چاہنے کا حال تو میرا ہی دل جانتا ہے۔ اور آپ کے چاہنے کا حال آپ کے اقرار سے معلوم ہو گیا۔ آگے چلیئے۔ دوسری مثال۔

امراؤ۔ خیر اگر نہین چاہتے تو میرا بُرا چاہتے ہون گے۔ دوسرے کی مثال سُنیئے۔ جیسے فریاد رس اپنی۔

رسوا۔ نہین اِس مثال مین آپنے غلطی کی۔ اور کوئی مثال دیجیئے۔

امراؤ۔ اچھا۔ جیسے قیس لیلی کو چاہتا تھا۔

رسوا۔ آپ بھی کیا دقیانوسی مثال ڈھونڈھ کے لائی ہین۔

امراؤ۔ اچھا۔ جیسے . . . نظیر . . .

رسوا۔ (بات کاٹ کے) اِس مثال سے معاف کیجیئے۔ اِس موقع پر مجکو ایک شعر یاد آیا ہے۔ سُن لیجیئے۔ اور اپنا قِصّہ دوہرایئے۔

کیا کہون تجھسے محبت وہ بلا ہے ہمدم
ہمکو عبرت نہ ہوئی غیر کے مرجانے سے

امراؤ- ہان وہ کلکتہ والا معاملہ ؟-

رسوا- اتنی دور کہان پہنچین- کیا لکھنؤ مین ایسے نہین رہتے-

امراؤ- دنیا خالی نہین ہے-

رسوا- ہان مین نے سنا تھا- اب اکبر علیخان کے گھر بیٹھ گئی تھین-

امراؤ- مجھسے سُنیے جس زمانے مین نواب عدالت ابتدائی سے جیت گئے ہین- اور مین روپوش ہوئی ہون- اوس زمانے مین اکبر علیخان مجھے اپنے مکان پر لے گئے تھے کئی برس رہنے کا اتفاق ہوا- اُس زمانے مین تین آدمی اِس دھوکے مین تھے کہ مین اکبر علی کے گھر بیٹھ گئی- ایک تو اکبر علی- دوسرے اونکی بیوی- تیسرے . . . کا نام نہ بتاؤن گی-

رسوا- مین بتا دون ؟-

امراؤ- گوہر مرزا ؟-

رسوا- جی نہین-

امراؤ- تو پھر اور کون ؟- بتایئے-

رسوا- آپ بتایئے-

امراؤ- ایسے فقرے کسی اور کو دیجیے گا-

رسوا- فقرہ کیسا- مین بھی ایک پرچے پر لکھ کے رکھے دیتا ہون- پھر آپ بتایئے-

امراؤ- بہتر-

رسوا- پرچہ لکھ کے رکھدیا- اب کہیے-

امراؤ- تیسرے مین خود-

رسوا- پرچے مین لکھا تھا- "آپ خود"

امراؤ- واہ مرزا صاحب خوب پہچانا-

رسوا- آپ کی عنایت ہے- ہان تو کیا گذری ؟-

امراؤ- گذری کیا سنیئے-

اول تو مجھے اونھون نے ایک چھوٹے سے مکان مین لیجا کے اوتارا جو اون کے مکان سے ملا ہوا تھا- کھڑکی درمیان تھی- مگر اکچا سا مکان- ایک چھوٹی سی دلینہ- آگے چھپر- ایک اور چھپر سامنے پڑا ہوا- اوسمین دو چولھے بنے ہوے- یہ کیا ہے باورچیخانہ- اور سب خانہ کی ایسی ہی سمجھ لیجیے- اسی مکان مین مین بھی رہون- میان کے بے تکلف دوست بھی آیا جایا کرتے تھے- ان مین سے ایک صاحب رئیس موضع شیخ افضل حسین چھوٹتے ہی "بھوجی" کہنے لگے- اِن کے بے تکے پن نے تو ناک مین دم کردیا- پانون کی فرمائش سے

تنگ ہوگئی- ہر ساعت- بھوجی- پان نہ کھلاؤ گی-

ایک دن دو دن- آخر مروت کہان تک- انتہا یہ کہ پاندان مین نے اون کے آگے سرکا دیا- اوسدن سے مین خود دست بردار ہوگئی- اونھون نے قبضہ کر لیا- جیسے کوئی مال موروثی پر قبضہ کرتا ہو- پان اِس بدتمیزی سے کھاتے تھے کہ دیکھنے والون کو خواہ مخواہ نفرت ہو جاے- کتھے چونے کی کلھیون مین اونگلیان پڑ رہی ہین- زبان سے چاٹ رہے ہین- مین نے جب یہ قرینہ دیکھا- چکنی کے چورے اور الائچی پر بسر کرنے لگی- اسمین بھی وہ سا جھا لگاتے تھے-

ایک اور صاحب واحد علی نامے اکثر خصوصاً کھانے کے وقت ضرور تشریف لاتے تھے- اب یاد نہین اکبر علیخان کے برادر نسبتی تھے- اون کے مذاق مین فحش حدِ اعتدال سے زیادہ تھا-

اِن دونون صاحبون کے سوا اکبر علیخان صاحب کے بے تکلف احباب بہت سے تھے- جنمین سے اکثر کو مقدمہ بازی کا شوق تھا- دن رات قانون چھانٹا کرتا تھا- مگر جب مرزا صاحب تشریف لیجاتے تھے تو اک ذرا امن ہو جاتی تھی- اِسلیے کہ اونکو مقدمون کی باتین سننے سے نفرت تھی-

اِس مکان سے چند روز کے بعد میری طبیعت حد سے زیادہ اوکتا گئی- قریب تھا کہ کہین اور رہنے کا بندوبست کیا جاے کہ ایکدن ایسا اتفاق ہوا کہ اکبر علیخان کسی مقدمے مین فیض آباد گئے- افضل علی اپنے گانون- اتفاق سے مکان مین کوئی نہین ہے- دروازے کی کنڈی بند کر لی ہے- مین اکیلی بیٹھی ہون کہ اتنے مین کھڑکی (جو زنانہ مکان کے دیوار مین تھی) کھلی اور اکبر علیخان کی بیوی اندر چلی آئین- مجھے خواہی نخواہی سلام کرنا پڑا- اگنائی مین تختون کا چوکا بچھا تھا- اوسی کے پاس میرا پلنگ لگا تھا پہلے بڑی دیر تک جھکے کھڑی رہین- آخر مین نے کہا- یا اللہ بیٹھ جایئے- بارے بیٹھ گئین-

مین- یہ ہم غریبون پر کیا عنایت تھی- آج اِدھر کہان تشریف آئی-

بیوی- تمکو میرا آنا ناگوار ہو- تو چلی جاؤن-

مین- جی نہین- آپ کا گھر ہے- مجھے ایسا حکم ہو تو مناسب بھی ہے-

بیوی- یے باتین نہ بناؤ- اگر میرا گھر ہے تو تمہارا گھر بھی ہے- اور سچ پوچھو تو نہ میرا ہے نہ تمہارا- گھر تو گھر والے کا ہے-

مین - جی نہین - خدا رکھے آپ کے گھر والے اونکا بھی ہے - آپکا بھی -

بیوی - یہ تم اکیلی بیٹھی رہتی ہو - آخر ہم بھی آدمی ہین - اودھر کیون نہین چلی آتین - ہان میان کا حکم نہو گا -

مین - میان کے حکم کی تو مین کچھ ایسی تابع نہین ہون - ہان آپکی اجازت کی ضرورت تھی وہ حاصل ہو گئی - اب حاضر ہونگی -

بیوی - اچھا تو چلو - مین - چلیے -

مکان مین جاکے جو دیکھتی ہون - خدا کا دیا سب کچھ تھا - تانبے کے مٹکے - دیگ - لگن - پتیلیان - لوٹے - نواڑی کے پلنگ - مسہری - تختون کے چوکے - فرش فروش - مگر کسی بات کا قرینہ نہین - انگنائی مین جابجا کوڑا پڑا ہوا - باورچیخانے مین سامنے بوا امیرن کھانا پکار ہین - مکھیان بھن بھن کر رہی ہین - تختون کے چوکے پر پیک کے چکتے پڑے ہوے - بیوی کے پلنگ پر منون کوڑا - انامن نے پاندان بیوی کے سامنے لاکے رکھدیا - کتھے چونے کے دھبون مین سارا پاندان چھپا ہوا تھا - دیکھ کے میرا تو جی مالش کرنے لگا -

بیوی نے پان لگاکے دیا - مین نے چٹکی مین دبا لیا - باتین کرنے لگی - اسی اثنا مین محلے کی بڑھیا آنکلی - زمین پر پھسکڑا مارکے بیٹھ گئی - بیوی سے (میری طرف اشارہ کرکے پوچھا)

بڑھیا - یہ کون ہین - بیوی - اب تمھین کیا بتاؤن ؟ -

مین چپکی بیٹھی رہی - بڑھیا - (اکبر علیخان کی بیوی سے)

بڑھیا - اوہی ! جیسے مین جانتی نہین "

مین - بڑی بی پھر جانتی ہو - تو اوسکا پوچھنا کیا - ؟ -

بڑھیا - اوہی بی مین تم سے نہین بات کرتی - مین تو اپنی بہو صاحب سے پوچھتی ہون میرا منہ تم سے بات کرنے کے لائق نہین - تم بڑی آدمی ہو -

مین - بڑھیا کا منہ دیکھ چپکی ہو رہی -

بیوی - اوہی بڑھیا - ! ذرا سی بات مین جھاڑ کا کانٹا ہو گئی -

بڑھیا - (بیوی سے) تم تو اس طرح بات چھپاتی ہو - جیسے ہم دشمن ہین - اے لو ! ہم تو انکی بھلائی کے لیے بات کرتے ہین - یہ ہمین سے اولٹے بگڑتی ہین -

بیوی - بس اپنی خیر خواہی رہنے دو - بوا تم کسی کے گھر کی اجارہ دار ہو -

بڑھیا - ہمارا اجارہ کیون ہونے لگا - اب جو نئی نئی آتی جائینگی اونکا اجارہ ہوتا جائگا -

مین - بڑھیا کی اس بات پر مجھے بیساختہ ہنسی آگئی - منہ پھیر کے ہنسنے لگی -

بیوی - کیون نہین - اے تم بھی میری سوت ہونا ! (میری طرف مخاطب ہو کے) لے سن لو خانصاحب کی پہلی یہی ہین - لو بیوی تم اصل مین انکی سوت ہو - مین تو اِنکے بعد آئی ہون -

بڑھیا - وہ سوت ہون اپنے ہوتے سوتون کی - مجھے یہ باتین نہین اچھی لگتین - منہ درمنہ گالیان دیتی ہو - موی کسبیون - خانگیون کی صحبت مین اور کیا سیکھو گی - یہی تو سیکھو گی -

لو اتنے دن مجھے آئے ہوے بڑی بیگم صاحب (اکبر علیخان کی والدہ) نے آدھی بات نہین کہی - بہو صاحب گونتی ایسی ہین کہ محلے کی بڑھیون کو گالیان دیتی ہین -

بیوی - (غصہ ہو کر) مین نے تم سے کہدیا - لڈن کی مان - تم آج سے میرے پاس نہ آنا - وہین بڑی بیگمصاحبہ کے پاس جاکے بیٹھا کرو -

مین - مجھے بھی بہت غصہ تھا - مگر مین نے دیکھا کہ بے تکی عورت ہے - اسکے منہ کون لگے - ضبط کرکے چپکی ہو رہی -

بڑھیا - ہماری بلا آتی ہے - - - - - "

بیوی - موئی کی شامتین آئی ہین - یہ بلا بوغمہ کیا بک رہی ہے -

بڑھیا - تو کیا تمھارے دبیل ہین - کچھ کسی کے لینے دینے مین - گھڑی بھر نکل آتے تھے - تم ہم سے بات کرتی تھین - ہم تم سے بات کرتے تھے - نہ آئین گے -

بیوی - ہرگز نہ آنا -

بڑھیا - اس ضد پر تو ضرور آئینگے - دیکھین تم ہمارا کیا بنا لیتی ہو -

بیوی - آؤگی تو اتنی جوتیان لگائین گے کہ سر مین ایک بال نہ رہیگا -

بڑھیا - کیا تاکت - کیا مجال - منہ نوادو - جوتیان مارینگی - بڑی بچاری - ! -

بیوی - اے اوٹھو - یہان سے ٹہلو - نہین تو لیتی ہون ہاتھ مین جوتی -

بڑھیا - (ایک ٹھٹھہ لگاکے) آج تو ہم جوتیان کھاکے جائینگے - مارو تمہارے باپ کی بیٹی ہو - باپ کے نام پر بیوی کو غصہ آہی گیا - چہرہ سُرخ ہو گیا - تھر تھر کانپنے لگین -

بیوی۔ جو دور ہو یہان سے کہتی ہون۔
بڑھیا۔ اب تو ہم جوتیان کھا ہی کے جائین گے۔
بیوی۔ (مجھسے مخاطب ہو کے) دیکھو یہ مجھے ضد دلا رہی ہے۔ بے مارے موی کو نہ چھوڑونگی
مین۔ بیگم جانے بھی دیجیئے موی بے تکی ہے۔
بڑھیا۔ مجھسے۔ تو نہ کچھ بولنا۔ مال زادی تجھے تو کچا ہی کھا جاؤن گی۔
بیوی (جوتی پیر سے لے کے) ایک۔ دو۔ تین۔ اب راضی ہوئین۔
مین۔ بیگم جانے دیجیئے۔ ہاتھ سے جوتی چھین لی۔
بیوی۔ نہین تم نہ بولو۔ موی کا بھیجا نکال ڈالون گی۔
بڑھیا۔ اور مارو۔

بیوی نے دوسرے پیر سے جوتی اوتار کے پانچ چار اور لگائین۔
اب تو بڑھیا نے زمین پر پاؤن پھیلا دیئے۔ اور زمین پر دوہتڑ مارنا شروع کیئے۔ ہی ہی! ہی کڑ!
مجھے جوتیان مارین! اب تو دل ٹھنڈا ہوا۔ سوت کی جلن مجھپر اوتاری۔ ہائے مارا! ہای مارا۔
چلاّ چلاّ کے دوہائی دینا شروع کی۔ باورچیخانے سے بوا امیرن اوٹھ کے دوڑین
بڑی بیگم صاحب اپنے دالان سے چلی آئین۔ ایک آفت برپا ہوگئی۔
بڑی بیگم صاحب کو آتے دیکھ کر اور بھی دوہتڑ مارنا شروع کیئے۔
اِس بڑھاپے مین مجکو جوتیان کھلوائین۔
بیگم صاحب۔ اے مجھے کیا معلوم تھا کہ مُئیر جوتیان پڑ رہی ہین۔ نہین آکے بچا لیتی۔ آخر
بات کیا ہوی۔
بڑھیا۔ (میری طرف اشارہ کر کے) اِس ما زادی نے مار کھلوائی۔ اور اِس . . .
نے مار کھلوائی۔
مین ٹھگ ماری سی ہوگئی۔ بیگمصاحب سے مجھسے اِسوقت سامنا ہوا ہے۔ کچھ کہتے نہین
بَن پڑتا۔

بیوی۔ پھر اونکا نام لیئے جاتی ہے۔
بڑھیا۔ ہم تو نام لین گے۔ دیکھین تم کیا کرتی ہو۔
بیگم صاحب۔ آخر ہوا کیا تھا۔

بڑھیا۔ مجھ نگوڑی ماری نے اتنا پوچھا کہ یہ کون ہین۔ اے بھلا کیا گناہ کیا۔
بیوی۔ تم تو کہتی تھین۔ مین جانتی ہون۔ پھر پوچھنے سے کیا مطلب تھا۔
بڑھیا۔ کیا مطلب تھا۔ اچھا مطلب بتا دونگی۔ تو یہی جو اپنا عوض نہ لے لون۔
خیر۔ جتنے مارا تو ہے۔
بیگم صاحب۔ چل مُتفنّی۔ تو کیا بدلا لیگی۔ ذرا کسی بھلاوے پر نہ بھولنا۔
بڑھیا۔ مین تم سے کچھ نہین کہتی۔ تم جو جی چاہے کہہ لو۔ تمھارا حق ہے۔
بیگم صاحب۔ تیری حق والی کی ایسی تیسی۔ نکل یہان سے۔
بڑھیا۔ لو یہ بھی نکالتی ہوی آئین۔ اچھا جاتے ہین۔ یہ کہہ کے بڑھیا اوٹھ کھڑی ہوی۔
لہنگا جھاڑ۔ جھوڑ۔ بڑبڑاتی ہوی۔ بڑی نکالنے والی۔ جاتے ہین۔ دیکھین
تو کیونکر نہین آنے دیتین۔
بیگمصاحب۔ (بہو صاحب سے) آخر تم اِس مُوی چُڑیل کے مُنہ کیون لگین۔
بیوی۔ ”امّان جان“ آپکے سر کی قسم مین نے تو کچھ بھی نہین کہا۔ وہ تو آپ ہی جیسے
کوئی کھاٹ پر سے سو کے آئی تھی۔ سیکڑون باتین تو اُن بیچاری کو سنا کے رکھدین۔
بیگم صاحب۔ میرے ذکر پر بیگم صاحب کچھ ناک بھون چڑھا کے چُپکی ہوگئین۔ مجھکو
اوس بڑھیا کی بات تو اتنی ناگوار نہین ہوئی۔ کیونکہ مین اوسکو دیوانی سمجھی ہوی تھی
مگر ہان بیگم صاحب کی بے اعتنائی سے سخت صدمہ ہوا۔ وہ ابھی وہین کھڑی ہوئی
تھین کہ مین اوٹھ کے کھڑکی کے پاس چلی آئی اور اپنے مکان مین آن بیٹھی۔
بیگم صاحب۔ (میرے چلے آنے کے بعد بہو سے) اوئی بیٹا۔ تمنے اوس بڑھیا نگوڑی
کو خواہ مخواہ پیٹ ڈالا۔ اور پھر موئی ایک مُتفنّی بازاری کے لیئے۔ آخر تمھین اوسکی
مُنہ چک لینا کیا ضرور تھی۔
امیرن۔ اچھا اوسکو جانے دیجیئے۔ جیسی اوسنے بدزبانی کی تھی۔ اپنی سزا کو پہنچی۔
یہ پوچھیئے کہ یہ کبھی خانگیون سے میل جول کیسا۔ اور کبھی بھی وہ جس سے میان سے
آشنائی ہو۔ ابھی وہ لا کے سر پر بٹھا دیتے تو کیسی ماتا مت ڈالتی۔ اور خود فرض کر کے جاکے
بُلا لائین۔
بیگم صاحب۔ (امیرن سے) اوسکی مجال تھی۔ گھر مین لے آتا۔ ہم نہین بیٹھے ہین۔ باہر

جسکا جی چاہے آئے۔ گھر مین کسی کا کیا کام ہے۔ اے لو۔ ان سے (اکبر علیخان کے باپ سے) برسون حسین باندی سے ملاقات رہی۔ اور اوسنے کیسی منتین کین مینے نہین ہامی بھری۔ بوا امیرن مین یہ سونچی کہ آج کو جہان طریق گھڑی تڑی چلی آئیگی کل کو میان گھر مین بٹھا لین گے تو یہ چھاتی پر مونگ کون دلوائے گا۔ اپنی پت اپنے ہاتھ ہے۔ یہ آج کی لڑکیون کو اپنا آگم اندیشے کا خیال نہین۔

امیرن۔ سچ ہے۔

بیگمصاحب۔ اول تو مونڈھے پر بیٹھنے والیون کا گھر گرستون مین کام ہی کیا ہے۔ اگلے لوگ کہتے تھے ایک درجہ مرد کو گھر مین بُلائے مگر بدعورتون کو نہ بلائے۔

بیگمصاحب۔ بوا بات یہ ہے کہ مرد اگر چلا بھی آئے گا۔ تو کیا وہ عورتون مین گھس کے بیٹھے گا۔ کل کی بات ہے بھاگوں کے دنون مین برسون حسین خان ہمارے گھر مین چھپے رہے پھر بوا ایک گھر کا رہنا سہنا۔ یہ مجال ہے کہ اونھون نے میرا آنچل تک دیکھا ہو۔ یا بات تک سنی ہو۔ دن دن بھر صحنچی مین گھٹی بیٹھی رہتی تھی۔ ماما اصیلون سے اشارون مین باتین کرتی تھی۔

امیرن۔ ایک تو یہ کہ تُم صَحنک کی کھانے والی بیوی صاحبزادی۔ جب ایسیون کے پاس بیٹھوگی کہان تک براؤ ہوگا۔ کہین اوسنے کتھے چونے کی کُلھیون مین ہاتھ ڈالدیا۔ تمھاری آنکھ بچا کے کٹورے مین پانی ہی پی لیا۔ دوسرے مُوی لگاہیان انکا اتبار (اعتبار) کیا۔ سیکڑون عارضون مین گھری ہوتی ہین۔ اِن کے تو پرچھا دین سے بچنا چاہیے۔

بیگم صاحب۔ ایک بات۔ سبھی باتون کا براؤ ہونا چاہیے۔ پرچھانوان۔ ناگھن۔ مُوکنے۔ ٹونکے۔ بوا کون کہے۔ انکو تو سمجھ نہین۔ اور جو کچھ کھلا ہی دے۔ مرزا محمد علی کی بہو کو سوت نے جونک کِھلا دی۔ دین دنیا سے جاتی رہی۔ نہ آل کی نہ اولاد کی۔

امیرن۔ جی ہان۔ اے لو۔ کیا مین جانتی نہین ہون۔

بیگم صاحب۔ بوا یہ سوتاپے کا رشتہ ایسا ہے کہ اِسمین جہان تک الگ تھلگ رہے اچھا۔ یون تو الگ تھلگ رہنے پر بھی جان نہین بچتی۔ مجھی کو دیکھو اوس مُوی نگلے کی کہاری نے کیا کوئی بات اوٹھا رکھی۔ دعا۔ تعویذ۔ گنڈا۔ کیسے کیسے فتنے میرے سرھانے سے نکلتے تھے۔

امیرن۔ پھر اوس . . . کو اپنے گھر مین کیون آنے دیا۔

بیگمصاحب۔ اے بوا نوکر تھی۔ مین کیا جانتی تھی کہ اِس سے میان سے لگا لگا ہے۔ جس دن معلوم ہوگیا۔ مین نے کھڑے کھڑے نکال دیا۔

امیرن۔ مگر بیگم ایک بات کہونگی خدا لگتی۔ آپ کی خدمت بہت کی۔

بیگم۔ یہ خوب کہی۔ میان کو چھینا تھا۔ اب کیا اِس سے بھی گئی گذری۔ اِس مُڑھیا کو کیا سمجھتے ہو۔ اِن سے بھی کسی زمانے مین میان سے تھی۔

امیرن۔ (قہقہہ لگا کے) نہین بیگم صاحب۔

بیگم صاحب۔ کیا مین جھوٹ کہون گی۔ جب ہی تو وہ دُہراتی تھی کہ اپنا عوض لیلونگی۔

امیرن۔ بہو صاحب تو پھر آپ کو نہین چاہیے تھا۔ سُسرے کی حرم کو اپنی جوتیان۔

بیگم صاحب۔ بوا ان لوگون کو یہ لحاظ کہان۔ سچ کہون مجھے بھی یہ بات ناگوار ہوی۔ اِنکے مُنہ پہ کہتی ہون۔ آج کو موی کٹہائی کے چلتے سُسرے کی حرم کے جوتیان مارین کل کو ساس کو مارینگی۔

امیرن۔ نہین خدا نہ کرے۔ مگر ہان بات کہنے ہی مین آتی ہے۔ اِن دونون بڑھیون نے بہو صاحب بچاری کو ایسے کوچنے دیے کہ آخر کو بچاری چیخین مار مار کے رونے لگی۔ میرا یہ حال تھا کہ انگارون پر لوٹ رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ دونون بڑھیون کا منہ نوچ لون۔

رسوا۔ ہائین۔ ہائین۔ یہ غصّہ۔

زو کیے گا ذرا طبیعت کو

کہین ایسا ہو کہ خِفّت ہوئے

امراؤ۔ مرزا صاحب غصّے کی بات ہی تھی۔ ایک اِنسان کو اِتنا ذلیل سمجھنا انسانیت سے بعید ہے۔

رسوا۔ میرے نزدیک تو کوئی ایسی بات نہ تھی جسپر آپ کو اتنا غصہ آیا۔ وہ دونون بڑھیان سچ کہتی تھین۔ اور مدّن کی مان بھی بچاری ناحق پٹی۔ حق تو یون ہے اب آپ چاہے بُرا مانین۔ چاہے بھلا۔

امراؤ۔ واہ مرزا صاحب آپ خوب انصاف کرتے ہین۔

رسوا۔ جی ہان میرے نزدیک انصاف یہی ہے۔ اِس معاملے مین آپ بھی ایک حد تک بے قصور تھین۔ سارا قصور اکبر علیخان کا بیوی کا تھا۔

امراؤ۔ اون بیچاری کا کیا قصور تھا۔

رسوا۔ ایسا قصور تھا کہ اگر میری بیوی ایسا کرتی۔ تو فوراً ڈولی بلوا کے اون کے میکے بھجوا دیتا۔ اور چھ مہینے تک صورت نہ دیکھتا۔ اَچھّا ایک بات پوچھتے ہین۔ اکبر علیخان نے جب یہ واردات سنی تو کیا کہا۔

امراؤ۔ کیا کہا۔ مدّن کی مان پر خوب چیخے۔ خوب چلاّئے۔ کہدیا۔ خبردار۔ یہ ڈائن۔ ہمارے گھر مین نہ آنے پائے۔ کئی مہینے تک اوسکا آنا جانا موقوف رہا۔ جب بڑے خانصاحب آتے ہین تو وہ پھر آنے لگی۔ یہ قصّہ اون کے آگے چھیڑا گیا تھا۔ وہ اولٹے اکبر علیخان کی بیوی پر خفا ہوئے۔

رسوا۔ بڈھے کی عقل صحیح تھی۔

امراؤ۔ عقل صحیح تھی۔ یا سٹھیا گئے تھے۔ ذرا مدّن کی مان پاؤن دبا دیا کرتی تھی۔ اِسی سے اوسکی پرچک لیتے تھے۔ کیون نہ پرچک لیتے۔ مدّن کی مان اونکی پرانی آشنا تھی۔

رسوا۔ پھر آپ ہی قائل ہوجئے۔ یہ عین وضعداری تھی۔ اَچھّا۔ آپ ایک بات اور بتا دیجئے۔ مدّن کی مان جوانی مین کوئی رنڈی تھی یا گھرگرست۔ اور بوا امیرن کون تھین۔

امراؤ۔ مدّن کی مان مُوی دھنیئنی تھی۔ جوانی مین خراب ہوگئی تھی۔ بوا امیرن ایک دیہاتی عورت تھین اُنکا مکان سنڈیلہ کے ضلع مین تھا۔ ایک جوان بیٹا تھا وہ بھی بڑے خانصاحب کے پاس نوکر تھا۔ ایک لڑکی تھی۔ وہ کہین باہر بیاہی ہوئی تھی۔

رسوا۔ بوا امیرن سے اور بڑے خانصاحب سے تو کوئی تعلق نہ تھا۔

امراؤ۔ نہ۔ خدا کو جان دینا ہے۔ امیرن بڑی نیک عورت تھی۔ سارا محلہ کہتا تھا کہ وہ جوانی مین رانڈ ہوکے میرے یہان نوکری کو آئی تھی اوسدن سے کسی نے اوسکو بدراہ نہین دیکھا۔

رسوا۔ پورے واقعات آپ کے بیان سے مجکو معلوم ہوگئے۔ اب پوچھیے آپ کیا پوچھتی ہین!

امراؤ۔ تو کیا کوئی مقدمہ آپ فیصلہ کرنے بیٹھے ہین۔

رسوا۔ بہت بڑا مقدمہ ہے۔

بات یہ ہے کہ عورتین تین طرح کی ہوتی ہین۔ ایک نیک بختین۔ دوسری خرابین۔ تیسری۔ بازاریان۔ اور دوسری قسم کی عورتین بھی دو طرح کی ہوتی ہین۔ ایک تو وہ جو چوری چھپے عیب کرتی ہین۔ دوسری وہ جو کھلم کھلاّ بدکاری پر اوتارو ہو جاتی ہین۔ نیکبختون کے ساتھ صرف وہی عورتین مل سکتی ہین جو بدنام نہ ہوگئی ہون۔ کیا تمھین اتنی سمجھ نہین ہے کہ وہ بیچاریان جو تمام عمر چار دیواریون مین قید رہتی ہین۔ ہزارہا قسم کی مصیبتین اوٹھاتی ہین۔ اَچھے وقت کے تو سب ساتھ ہوتے ہین۔ مگر بُرے وقت مین یہی بیچاریان ساتھ دیتی ہین۔

جس زمانے مین اون کے شوہر جوان ہوتے ہین۔ دولت پاس ہوتی ہے تو اکثر باہروالیان مزے اوڑاتی ہین۔ مگر مفلسی اور بڑھاپے کے زمانے مین کوئی پرسان حال نہین ہوتا۔ اِن وقتون مین یہی طرح طرح کی تکلیفین اوٹھاتی ہین۔ اور بُرون کی جان کو صبر کرتی ہین۔ پھر کیا اونھین اسکا کوئی فخر نہ ہوگا۔ یہی فخر اسکا باعث ہوتا ہے کہ وہ خراب عورتون کو بہت ہی بُری نگاہ سے دیکھتی ہین۔ انتہا کا ذلیل سمجھتی ہین۔ توبہ اور استغفار سے خدا گناہ معاف کر دیتا ہے مگر یہ عورتین کبھی نہین معاف کرتین۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ گھر کی عورت کیسی ہی خوبصورت خوب سیرت اور خوش سلیقہ کیون نہو بے وقوف مرد بازاروالیون پر جو اونسے صورت اور دوسری صفتون مین بدرجہا بدتر ہین فریفتہ ہوکر اونھین عارضی طور سے یا مدت العمر کے لئے ترک کر دیتے ہین۔ اسلیے اونکو گمان کیا بلکہ یقین ہے کہ یہ کسی نہ کسی قسم کا جادو ٹونا ایسا کر دیتی ہین جس سے مرد کی عقل مین فتور آجاتا ہے۔ یہ بھی اُنکی ایک قسم کی نیکی ہے۔ اِسلیے کہ وہ اس حال مین اپنے مردون کو الزام نہین دیتین بلکہ بدکار عورتون ہی کو مجرم ٹھہراتی ہین۔ اِس سے زیادہ اونکی محبت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

امراؤ۔ یہ تو سب صحیح ہے مگر مرد کیون ایسے بے وقوف بنجاتے ہین؟۔

رسوا۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کے مزاج مین جدّت پسندی ہے۔ ایک حالت مین زندگی

بسر کرنے سے خواہ وہ حالت کیسی ہی عمدہ کیون نہ ہو۔ طبیعت اوکتا جاتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی کا تغیر اوسکی حالتِ زندگی مین پیدا ہو۔ شاہدانِ بازاری کے ساتھ معاشرت کرنے مین اوسے ایک قسم کی نئی لذت ملتی ہے جو کبھی اوسکے خیال مین نہ تھی یہان بھی ایک ہی کے تعارف پر اکتفا نہین کرتا۔ بلکہ جدت کی تلاش مین روز نئے مکرون پر پہونچتا ہے اور نئے گھر دیکھتا پھرتا ہے۔

امراؤ۔ مگر سب مرد ایسے نہین ہین۔

رسوا۔ ہان یہ سچ ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حسن معاشرت کے قانون نے اِس امر کو معیوب قرار دیا ہے۔ جو شخص ایسا کرتے ہین اون کے عزیز و اقارب دوست احباب ملامت کرتے ہین اِس خوف سے اکثر جُراءت نہین ہوتی۔ مگر جب اخوان الشیاطین کی صحبت مین بیٹھنے کا اتفاق ہوتا ہے وہ طرح طرح کی لذتون کا ذکر کرکے ایک عجیب قسم کا شوق اونکی طبیعت مین پیدا کر دیتے ہین۔ اسلیئے وہ خوف اون کے دل سے نکل جاتا ہے۔ آپ کو اِس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوا ہوگا کہ جو لوگ پہلے پہل رنڈی کے مکان پر جاتے ہین۔ اونکو اخفاے راز کا کس قدر خیال ہوتا ہے۔ کوئی دیکھتا نہ ہو۔ کوئی سُن نہ لے۔ دو آدمیون کے سامنے تو بولنے کا کیا ذکر۔ تخلیے مین بھی مُنہ سے بات نہین نکلتی۔ مگر رفتہ رفتہ یہ حالت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ چندہی روز مین پورے بے غیرت ہو جایا کرتے ہین۔ پھر کیا ہے دن دہاڑے سرِ چوک رنڈیون کے کمرون پر کھٹ کھٹ کرکے چڑھ جانا۔ گاڑی مین کھڑکیان کھولکے ساتھ بیٹھکر سیر کرنا۔ ہاتھ مین ہاتھ دیے کے میلے تماشون مین لیئے پھرنا۔ اِن سب باتون کو فخر سمجھنے لگتے ہین۔

امراؤ۔ یہ تو صحیح ہے۔ مگر شہرون مین اِن باتون کو چندان معیوب نہین سمجھتے۔

رسوا۔ خصوصًا دہلی۔ لکھنؤ مین۔ اور یہی اِن شہرون کی تباہی اور بربادی کا باعث ہوا۔ دیہات اور قصبات مین ایسے شریر لوگون کی صحبت کم ملتی ہے جو نوجوانون کو اِن بدکاریون پر آمادہ کرین۔ دوسرے وہان کی رنڈیون کو اس قدر اقتدار حاصل نہین ہے۔ اسلیئے وہ رؤسا اور زمیندارون کی مطیع فرمان ہوتی ہین۔ اور بہت ہی ڈرتی ہین کیونکہ اونکا آذوقہ بلکہ زندگی اون کے دستِ قدرت مین ہے۔ اسلیئے

اونکی اولاد سے بہت ہی چوری چھپے ملتی ہین۔ اور شہرون مین تو آزادی ہے۔ کون کسکا دباؤ مانتا ہے۔ اوسی کا یہ نتیجہ ہے۔

امراؤ۔ مگر دیہاتی جب بگڑتے ہین تو حد سے زیادہ بگڑ جاتے ہین۔ مثلًا میان ارشد علی کا واقعہ آپ سُن چکے ہین۔

رسوا۔ اِسکا یہ سبب ہے کہ وہ اِن لذتون سے بالکل نابلد ہوتے ہین۔ جب اُنکو اسکا چسکا پڑتا ہے تو وہ اسکی حد سے زیادہ قدر کرتے ہین۔ اور اہل شہر کچھ نہ کچھ آگاہ ہوتے ہین۔ اسلیئے اون کو زیادہ شغف اور انہماک نہین ہوتا۔

رسوا۔ ہان وہ آپ کی نوچی کیا ہوئی۔ اَئے ہے بھلا سا نام تھا۔

امراؤ۔ آبادی۔

رسوا۔ آبادی۔ صورت تو اچھی تھی۔ مین نے اوسوقت مین دیکھا تھا۔ جب تو اوسکا سن کوئی دس گیارہ برس کا تھا۔ جوانی مین تو اور نکھر گئی ہوگی۔

امراؤ۔ مرزا صاحب آپ کو خوب یاد ہے۔

رسوا۔ یاد کو کیا چاہیئے۔ واقع مین بہت قطعدار عورت ہوگی۔ ہم بھی اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ کبھی تو جوان ہوگی۔

امراؤ۔ تو یہ کہیئے۔ آپ بھی بی ابادی کے امیدوارون مین تھے۔

رسوا۔ سنو۔ امراو جان۔ میری ایک بات یاد رکھنا۔ جہان کوئی حسین عورت نظر پڑے۔ مجھے ضرور یاد کرلینا۔ اگر ممکن ہو تو امیدوارون مین نام لکھوا دینا۔ اور جو مین مرجاؤن (خدانخواستہ) تو میرے نام پر فاتحہ دے دینا۔

امراؤ۔ اور اگر کوئی مرد حسین نظر آئے؟

رسوا۔ اپنا نام اوسکے امیدوارون مین اور میرا نام اوسکی بہن کے امیدوارونمین لکھوا دینا۔ بشرطیکہ شرعًا ممنوع نہو۔

امراؤ۔ کیا خوب۔ شرع کو کہان دخل دیا ہے۔

رسوا۔ شرع کا دخل کہان نہین ہے۔ خصوصًا ہماری شرع جس مین کوئی بات فروگذاشت نہین کی گئی۔

امراؤ- سیدھی سی ایک یہ بات کیون نہین کہہ دیتے۔

ع- شرعًا تو جانتے ہین عرفًا درست ہے۔

رسوا- یہ اور موقعون پر کہا جاتا ہے۔ امراؤ جان میری زندگی کا ایک اصول ہے۔ نیکبخت عورت کو مین اپنی مان بہن کے برابر سمجھتا ہون خواہ وہ کسی قوم اور ملت کی کیون نہو۔ اور ایسی حرکتون سے مجھکو سخت صدمہ پہونچتا ہے جو اوسکی پارسائی مین خلل انداز ہون۔ جو لوگ اوسکے ورغلانے یا بدکار بنانے کی کوشش کرتے ہین۔ میری رائے مین قابل گولی مار دینے کے ہین۔ مگر فیاض عورتون کے فیض سے مستفید ہونا میرے نزدیک کوئی گناہ نہین ہے۔

امراؤ- سبحان اللہ!۔

رسوا- خیر اب اس فضولیات کو رہنے دیجئے۔ آبادی جان کا حال کہیے۔

امراؤ- مرزا صاحب اگر آپ اوسکو جوانی کے عالم مین دیکھتے تو یہ شعر ضرور آپ کی زبان پر ہوتا۔

جوان ہوتے ہی وہ تو اور ہی کچھ ہو گئے اے دل ؎
کہان کی پاکبازی ہم بھی اب نیت بدلتے ہین ؎

جوان ہو کے اوسنے وہ صورت شکل نکالی تھی کہ سو پچاس رنڈیون مین ایک تھی۔

رسوا- اب کیا ہوئی- خدا کے لیے جلدی کہیے۔ مرچ شہر چلی گئی۔ مر گئی۔ آخر آفت ہی کیا ہوئی۔ جو آپ ایسے مایوسی کے کلمات کہتی ہین۔

امراؤ- ہم سے گئی۔ جہان سے گئی۔ رسوا- آخر ہے اب کہان؟۔

امراؤ- اسپتال مین ہے اور کہان ہے۔ رسوا- یہ کہیے گل جوانی شگفت۔

امراؤ- جی ماشاء اللہ سے خوب پھولی پھلین۔ صورت بگڑ گئی۔ رنگت اولٹا توا ہوگئی۔ ناک بیٹھ گئی۔ تمام بدن مین چھیچھے پڑ گئے۔ بال گر گئے حلق مین چھید ہوگئے۔ غرضکہ شر کرم ہو گئے۔ اب جان کے لالے پڑے ہوے ہین۔

رسوا- یہ ہوا کیا تھا۔

امراؤ- ای ہے- ہوا کیا تھا۔ موے لونڈون گھسیری سفلی پہ چھچھوری۔ مین نے بہت چاہا کہ آدمی بنے۔ نہ بنی۔ مین نے کیا نہین کیا۔ اوستاد جی کو نوکر رکھا۔ تعلیم دینا شروع کیا۔

مگر اوسکا دیدہ ایسی باتون مین کب لگتا تھا۔ جب سے جوان ہوئی۔ مین نے کمرہ علحدہ کر دیا تھا۔ شہر کے چند ذات شریف آ کے بیٹھنے لگے۔ دن رات گالم گلوچ۔ دھنگا مشتی۔ جوتم جاتا۔ اک آفت رہتی تھی۔ ناک مین دم ہو گیا تھا۔ کسی پر بند نہین۔ جو آیا۔ وارد۔ مین نے مارا۔ پیٹا۔ سمجھایا۔ مگر وہ کب سنتی تھی بچپنے ہی سے اوسکی گٹھی بد تھی۔ اوس زمانے مین نواحسینی کا نواسہ چھمن آیا کرتا تھا۔ اوس سے کھیلا کرتی تھی۔ مین نے یہ خیال کیا۔ بچے ہین کھیلنے دو۔ آخر کچھ ایسی باتین آنکھ سے دیکھین کہ چھمن کی آمد رفت موقوف ہوئی۔ ایک صاحب میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ ذرا خوش گلو تھے۔ مین گوایا کرتی تھی۔ اون سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھے تو شریف خاندان سے مگر طبیعت پاجی تھی۔ نہ میرا لحاظ کیا۔ نہ اپنی حیثیت دیکھی۔ ایک دن سر شام دیکھتی کیا ہون ڈیوڑھی مین بی آبادی سے باتین ہو رہی ہین۔

چھٹن صاحب- اری مین تو تیری صورت کا عاشق ہون۔ ہائے آبادی کیا کرون امراؤ جان سے ڈرتا ہون۔

آبادی- ہٹو ایسی باتین مجھسے نہ کیا کرو۔ ڈر کاہے کا۔

چھٹن نے آبادی کے گلے مین ہاتھ ڈال دیا۔

ظالم- کیا پیاری پیاری صورت ہے۔

آبادی- پھر تمھین کیا؟۔

چھٹن- (ایک بوسہ لے کے) ہمین کیا۔ مرتے ہین۔ جان جاتی ہے۔

آبادی- موئے چار آنے تو دیے نہین جاتے مرتے ہین میان مرتے سب کو دیکھا ہے۔ جنازہ کسی کا بھی نہین دیکھا۔

چھٹن- چار آنے! جان حاضر ہے۔

آبادی- نگوڑی جان کو مین لے کے کیا کرون۔

چھٹن- ہماری جان کسی کام ہی کی نہین۔

آبادی- اے اب باتین نہ بناؤ۔ چونی جیب مین پڑی ہو تو دیتے جاؤ۔

چھٹن- واللہ۔ اماں کی تنخواہ نہین بٹی۔ پرسون ضرور ضرور لیتا آؤن گا۔

آبادی- اچھا تو اب جان چھوڑو۔ جاؤ۔ چھٹن- اچھا تو ایک بوسہ تو اور دے دو۔

آبادی کو چھُٹن نے گلے لگایا- آبادی نے اونکی جیب مین ہاتھ ڈالا- کہین اتفاق سے تین پیسے پڑے ہوئے تھے- نکال لیے-

چھُٹن - تمھین ہمارے سر کی قسم یہ پیسے نہ لینا- باجی نے رنگ کی پڑیان اور مسّی منگائی ہے-

آبادی- تمھارے سر کی قسم مین تو نہ دونگی-

چھُٹن - آخر کیا کروگی- پرسون چوتی لینا-

آبادی- واہ خاگینہ لین گے-

چھُٹن- تین پیسے کا خاگینہ- اچھّا ایک پیسہ لے لو-

آبادی- تین پیسے کا خاگینہ کچھ بہت ہوا- نگوڑا بہت دن سے جی چاہتا ہے- بیوی لینے نہین دیتین- کہتی ہین پیٹ مین درد ہوگا- مین تو ایک دن چھپا کے ایک آنے کا خاگینہ کھا گئی- کچھ بھی نہین ہوا-

مین نے دل مین کہا- کیون نہ ہو- موئی کال کی ماری بلا کوش- ہم تو ذرا سا بھی کھالین تو بدہضمی ہو جاے-

رسوا- کیا اِسی کال مین لیا تھا-

امراؤ- جی ہان- ایک روپیہ کو- مان بیچ گئی تھی- تین دن کے فاقے سے تھی- مین نے روٹی کھلائی- اور ایک روپیہ دیا- مرزا صاحب مجھے بڑا ترس معلوم ہوا مینے تو کہا تھا- میرے پاس رہ- مگر نہ رہی

رسوا- کمبخت کبھی پھر بھی آئی تھی-

امراؤ- جی کئی دفعہ آئی- لڑکی کو دیکھ کے بہت خوش ہوئی- مجکو دعائین دیتی تھی- سال مین دو ایک مرتبہ آجایا کرتی تھی- مجھسے بھی جو کچھ ہوسکتا تھا سلوک کرتی تھی- اب کئی برس سے نہین آئی- خدا جانے مرگئی- یا جیتی ہے-

رسوا- ذات کیا تھی- امراؤ- پاسن-

رسوا- اچھّا تو وہ قِصہ تو رہگیا- چھُٹن نے چوتی دی یا نہین دی-

امراؤ- میری جانے بلا- چھُٹن کے جانے کے بعد مین نے موئی کو مُنہ ہی مُنہ خوب کچلا- پیسے چھین کے چوک مین اوچھال دیے-

میرے کمرے کے برابر ایک اور چھوٹا سا کمرہ تھا- کوئی دو روپے مہینہ کرایے کا- اوسمین ایک رنڈی آکے رہی تھی- حُسنا- ابھی جوان تھی- اوسکی اور آبادی کی بڑی گت خوب ملی- دن بھر وہاین بیٹھی رہا کرتی تھی- ساری خصلتین حسنا کی اِسنے اختیار کرلین- جیسی وہ رنڈی تھی- ویسے اوسکے آشنا- ایک آیا- پاؤ بھر پوریان تیل کی لیے چلا آتا ہے- دوسرا پچاس آم دو آنے سیکڑا کے لیتا آیا کسی سے دو گز نینو کی فرمائش ہے- کسی سے مخملی بوٹ کا جوتا ہے- میلے تماشے مین دو چار گرگے ساتھ ہین- بڑے صافے بندھے ہوئے- کف دار کُرتے یا انگرکھے کمر کے پاس سے چُست- کوئی دھوتی باندھے ہے- کوئی چُست گھٹنا ڈانٹے ہے- ہاتھ مین لٹھ ہین- گلون مین ہار پڑے ہوے- بی حُسنا ٹھمک ٹھمک اون کے ساتھ چل رہی ہین- ہرن والی سرا مین جاکے ایک بوتل ٹھرے کی اوڑی- وہان سے چلے تو جھومتے جھامتے- اکھڑاتے- گاتے- ناچتے- بی حُسنا ابھی اِسکے بغل مین تھین- ابھی اوسکے گلے مین ہاتھ- سر راہ- گالم گلوج- نوچم کھسوٹ- جوتم جاتا ہو رہا ہے- اِس حالت مین دو ایک تو رستے ہی مین گر پڑے- تین چار میلے تک پھونچے- وہان چرس پر دم پڑے- اِن مین سے جو کوئی ہوشیار ہوا اوسنے بی حسنا کو گانٹھ لیا- اور یارون کو دھتا بتائی- اپنے گھر لے گیا- یا اِنھین کے کمرے پر آکے ٹھہرا- اور یار جب میلے سے پلٹ کے آئے کمرے کے نیچے کھڑے چیخ رہے ہین- گالیان دے رہے ڈھیلے مار رہے ہین- بی حسنا اول تو کمرے مین ہین نہین- اور اگر ہین بھی تو بولین کیون- اتنے مین کوئی برقنداز چلا آیا- اوسنے مجمع خلاف قانون کو برہم کیا- سب اپنے اپنے گھر چلے گئے-

پس یہی انداز آبادی بھی چاہتی تھی- بھلا مین اسکی کب روادار ہوتی- آخر حسین علی (میرے پاس ایک نوابصاحب آیا کرتے تھے- اون کے خدمتگار کا نام تھا) کے ساتھ نکل گئین- اوسکے گھر جاکے بیٹھین- وہان اوسکی جورو نے قیامت برپا کی- گھر سے نکل گئی- میان حسین علی اِنپر لٹّو تھے- بیوی کے نکلجانے کی بھی اونھین کوئی پروا نہ ہوئی- مگر مشکل یہ درپیش ہوئی کہ اب کھانا کون پکائے- بی آبادی کو چولھا پھونکنا پڑا- یہ اِسکی کب عادی تھین- بہر طور چند روز یون گذرے- یہین ایک بچّہ جنین خدا جانے حسین علی کا تھا- یا کسی اور کا- دو مہینے کا ہو کے وہ بچّہ جاتا رہا- اِدھر حسین علی

کی جورو نے روٹی کپڑے کا دعوی کیا - ڈیڑھ روپیہ مہینے کی ڈگری ہوگئی - تین روپیہ نواب دیتے تھے - ڈیڑھ روپیہ مین کیا ہوتا - اوپر کی آمدنی پر بسر تھی - اوس سے بھی کچھ نہ چلی - بی آبادی کسی قدر چھوڑی بھی تھین - آخر میان حسین علی کے گھر سے محل کے محلے کے ایک لڑکے منے کے ساتھ بھاگین - اِس لڑکے کی مان پٹھانی کٹنی بڑے مشہورون مین تھین - جہان دو چار قلندریان اور رہتی تھین - وہین انکا بھی ٹھکانا ہوگیا - بی پٹھانی کی روزی مین کسی قدر اور وسعت ہوی - منے برائے نام رہ گئے - میان منے کے ایک پیر بھائی میان سعادت پٹھانی کو جل دے کے وہان سے لے اوڑے - یہ اپنی مان پاس لے گئے - انکی والدہ کو مرغیون سے شوق تھا - مکان کے پاس ایک تکیہ تھا - وہان مُرغیان چرا کرتی تھین - بی آبادی اونکی حفاظت پر متعین ہوئین - میان سعادت کسی کارخانے مین کام کرتے تھے - دن بھر وہان چلے جاتے تھے - یہ مرغیان ہنکایا کرتی تھین - وہان انھون نے محمد بخش گلو کنجڑن کے لڑکے سے راہ و رسم پیدا کی - بلکہ سعادت کی مان نے یہ معاملہ دیکھ بھی لیا بیٹے سے کہا - اونسے خوب جوتے مارے - میان محمد بخش کے ایک اور یار تھے - میان امیر - نواب امیر مرزا کے خدمتگارون مین نوکر تھے - یہ منہ تماشبینی مین طاق تھے وہ اوڑا لے گئے - اونھون نے ایک مکان مین لیجا کے رکھا - یہان اور یارون کا مجمع بھی رہتا تھا بی آبادی سب کی دلجوئی مین مصروف رہتین - اس زمانے مین نہین معلوم کسکی برکت سے خوب پھولی پھلین - بھلا اب میان امیر کے کس کام کی تھین - اونسے اوٹھا کے اسپتال مین پھکوا دیا - بالفعل وہین تشریف رکھتی ہین - اگر آپ فرمایئے تو بلوا دیجائین -

رسوا - مجھے تو معاف ہی رکھیے -

ہاتھ آئی مراد منہ مانگی ؎
دل نے پائی مراد منہ مانگی ؎

رجب کی نوچندی تھی - کچھ بیٹھے بیٹھے میرے دل مین آئی - چلو درگاہ چلین - زیارت ہی کرین - سر شام سوار ہو کے پہونچے - بڑا مجمع تھا پہلے تو مین مردانی درگاہ کے صحن مین اِدھر اُدھر ٹہلا کی - پھر جا کے شمعین جلائین - حاضری چڑھائی - ایک صاحب

مرثیہ پڑھ رہے تھے - اونھین سنا - پھر ایک مولوی صاحب آئے - اونھون نے حدیث پڑھی - اِسکے بعد ماتم ہوا - اب لوگ اپنے اپنے گھرون کو چلنے لگے - مین نے بھی زیارت رخصتی پڑھکے واپسی کا ارادہ کیا - دروازے تک پہونچ کے جی مین آیا - زنانی درگاہ مین ہوتی چلون - نوحہ خوانی کی شہرت اور نواب ملکہ کشور کی سرکار سے توسل کی وجہ سے اکثر عورتین مجکو جانتی تھین - مین نے خیال کیا کہ دو چار مل ہی جائین گی - اسی بہانے سے ملاقاتین ہو جائین گی - سوار ہو کے جو پہلے پر پردہ ڈال کے زنانی درگاہ کے دروازے پر پہونچی - محلدار نے آکے سواری اوتروائی - اندر گئی - میرا خیال غلط نہ تھا - اکثر عورتون سے سامنا ہوا - شکوے شکایتین - غدر کے حالات ادھر اودھر کی باتین ہوا کین - بڑی دیر ہوگئی - مین واپس آنے ہی کو تھی کہ اتنے مین دیکھتی کیا ہون - داہنی طرف کی صحنچی سے کانپور والی بیگم صاحب نکلی چلی آتی ہین بڑے ٹھاٹھ ہین - توتوان جوڑا پہنے ہوئے ہین - چار پانچ مہریان ساتھ ہین - ایک پاندان اوٹھائے ہوئے ہے - ایک کے ہاتھ مین پنکھیا ہے - ایک لوٹیہ خاصدان لیے ہے - ایک کے پاس سینی مین تبرکات ہین - مجھے دور سے دیکھتے ہی دوڑین - کندھے پر ہاتھ رکھ دئے -

بیگم - اللہ امراؤ - تم بڑی بے مروت ہو - کانپور سے جو غائب ہوئین - تو آج ملی ہو - وہ بھی اتفاق سے -

مین - کیا کہون - جس دن آپ کے باغ مین رات کو رہی تھی - اوسی دن صبح کو لکھنؤ سے لوگ آکے مجھے پکڑ کے لکھنؤ لے گئے - پھر بھاگڑ ہوئی - خدا جانے کہان کہان ماری پھری - نہ مجھے آپ کا پتا تھا - نہ آپ کو میرا حال معلوم تھا -

بیگم - خیر اب تو ہم تم دونون لکھنؤ مین ہین -

مین - لکھنؤ کیسا اسوقت تو ایک ہی مقام پر ہین -

بیگم - اسکی سند نہین - تمھین میرے مکان پر آنا ہوگا -

مین - سر آنکھون سے - مگر آپ رہتی کہان ہین ؟

بیگم - چوپٹیون پر - نواب صاحب کو کون نہین جانتا -

مین - پوچھنے ہی کو تھی کہ کون نواب صاحب - اتنے مین ایک مہری بول اوٹھی - نواب محمد تقی خان کا مکان کون نہین جانتا ؟ -

میں - میں آنے کو تو آؤں - مگر نواب صاحب کے خلاف نہ ہو -
بیگم - نہیں وہ اس طبیعت کے آدمی نہیں ہیں - اور پھر تمھارے واسطے - میں نے اوس رات کا حال رتی رتی اون سے کہا تھا - اونھوں نے تو خود تمھیں کانپور میں کئی مرتبہ ڈھونڈھوایا - اکثر پوچھتے رہتے ہیں -
میں - اچھا تو ضرور آؤں گی - بیگم - کب آؤگی - وعدہ کرو -
میں - اگلی جمعرات کو حاضر ہونگی -
بیگم - اوہی - یہ جمعرات کی ارواح تم کب سے ہوگئیں - ابھی تو پورے آٹھ دن ہیں - ادھر ہی کیوں نہیں آتیں -
میں - اچھا تو اگلی پیر کو آؤنگی -
بیگم - اتوار کو آؤ - نواب بھی گھر میں ہوں گے - پیر کے دن شاید کسی انگریز سے ملنے چلے جائیں -
میں - مناسب ہے - اتوار ہی کو سہی - بیگم - کس وقت آؤگی ؟
میں - جس وقت کہیے - مجھے گھر پر کوئی کام نہیں - ہر وقت برابر ہے -
بیگم - تم کہاں رہتی ہو -
میں - چوک میں سید حسین خان کے پھاٹک کے پاس -
بیگم - اچھا تو میں مہری کو بھیجدونگی - اوسی کے ساتھ چلی آنا -
میں - یہ بہت اچھا ہے - بیگم - اچھا تو خدا حافظ !
میں - خدا حافظ - ہاں یہ تو کہیے صاحبزادہ کیسا ہے -
بیگم - نتھن - ماشاءاللہ اچھا ہے - نواب انھوں نے یاد کیا -
میں - کیا کہوں - باتوں میں کیسی بھولی - اور بھولی کیا - جب چاہتی تھی پوچھوں ایک نہ ایک بات نکل آتی تھی
بیگم - اب تو سلامتی سے ذرا ہوش سنبھالا ہے - اچھا اوسدن اوسے بھی دیکھ لینا -
میں - رات کی نیند حرام - لے اب کچھ نہ کہیے - خدا حافظ -
بیگم - خدا حافظ - دیکھو ضرور آنا - میں - ایسی بات ہے -
اتنے میں اونھوں نے دیکھا کہ باتوں کا پھر سلسلہ چلا کہنے لگی - بیگم صاحب چلیے - دیر

سواری لگی ہے - کہار موئے چلا رہے ہیں -

ہر چند بہت غور کیا ہمنے شب و روز
دنیا کا طلسمات سمجھ میں نہیں آتا

میں خانم سے علحدہ ہوگئی تھی مگر جب تک وہ جیتی رہیں اونھیں اپنا سرپرست سمجھا کی - اور سچ یہ ہے کہ اونھیں بھی مجھے محبت تھی - اون کے پاس اس قدر دولت تھی کہ طبیعت غنی ہوگئی تھی - سن جو زیادہ ہوگیا تھا تو دنیا کی طرف سے اونکی طبیعت پھر گئی تھی - اب اونکو کسی کی کمائی سے کچھ مطلب نہ تھا - مگر محبت اوسی طرح کرتی تھیں - وہ اپنے جیتے جی کسی نوچی کو اپنے سے جدا نہ سمجھتی تھیں - مجھسے تو اونکو خاص محبت تھی - بسم اللہ نے اونکو بہت آزار دیے اسلیے اونھیں اوس سے نفرت سی ہوگئی تھی - لیکن پھر اولاد تھی - خورشید جان بھی غدر کے بعد آگئی تھیں - وہ خانم کے پاس رہتی تھیں - امیر جان نے علحدہ کمرہ لے لیا تھا مگر وہ بھی آتی جاتی رہتی تھیں -

جو کمرہ خانم نے مجھے دیا تھا وہ اونکی زندگی بھر مجھسے خالی نہیں کرایا گیا تھا - میرا اسباب اوسمیں بند رہتا تھا - میرا قفل لگا تھا - جب جی چاہتا تھا دو دو تین تین دن وہیں جا کے رہتی تھی - سال بھر کہیں رہوں - مگر محرم میں تعزیہ داری وہیں کرتی تھی - میرے نام کا تعزیہ خانم مرتے دم تک رکھا کیں -

جمعرات کو بیگم سے ملاقات ہوئی تھی - جمعہ کو آدمی آیا کہ خانم صاحب کی طبیعت کچھ علیل ہے - تمھیں یاد کرتی ہیں - میں فوراً سوار ہو کے گئی - اونھیں دیکھ کے گھر پر واپس آنے کا ارادہ تھا - کہ جی میں آیا ایک بھاری جوڑا انکا لیتی لیتی چلوں - کمرہ کھولا - دیکھا کمرے میں چاروں طرف جالے لگے ہیں - پلنگ پر منوں گرد پڑی ہوی ہے - فرش فروش اوٹھا ہوا پڑا ہے - ادھر اودھر کوڑا پڑا ہے - یہ حال دیکھ کے مجھے اپنے اگلے دن یاد آئے - اللہ - ایک وہ دن تھا کہ یہ کمرہ ہر وقت کیسا سجا سجایا رہتا تھا - دن بھر میں چار مرتبہ جھاڑو ہوتی تھی - مچھونے جھاڑے جاتے تھے - گرد کا نام نہ تھا - تنکا تک کہیں پڑا نہ رہتا تھا - یا اب یہ حال ہے کہ دم بھر بیٹھنے کو جی نہیں چاہتا -

وہی پلنگ جسپر مین سوتی تھی۔ اب اوسپر پاؤن رکھتے ہوے کراہت معلوم ہوتی ہے۔ آدمی ساتھ تھا۔ مین نے اوس سے کہا۔ ذرا جالے تو لے لے۔ وہ ایک سیٹھا کہین سے ڈھونڈھ کے اوٹھا لایا۔ جالا لینے لگا۔ اتنی دیر مین مین نے اپنے ہاتھ سے دری اولٹی۔ آدمی نے اور مین نے مِل کے دری بچھائی۔ چاندنی کو ٹھیک کیا۔ جب فرش درست ہو گیا تو مین نے پلنگ کے بچھونے اوٹھوا کے جھڑوائے۔ کوٹھری مین سے اوگالدان۔ پاندان۔ اوگالدان۔ اوٹھا لائی۔ سب چیزین اپنے اپنے قرینے سے لگا۔ جس طرح کسی زمانے مین لگی رہتی تھین۔ خود پلنگ سے تکیہ لگا کے بیٹھی۔ آدمی کے پاس خاصدان تھا۔ پان لے کے کھایا۔ آئینہ سامنے لگا کے مُنہ دیکھنے لگی۔ اگلا زمانہ یاد آگیا۔ شباب کی تصویر آنکھون مین پھر گئی۔ اوس زمانے کے قدردانون کا تصوّر بندھ گیا۔ گوہر مرزا کی شرارت۔ راشد علی کی حماقت۔ فیضو کی محبت۔ سلطان صاحب کی صورت۔ غرضکہ جو جو صاحب اس کمرے مین آئے تھے۔ مع اپنے اپنے خصوصیات کے میرے پیش نظر تھے۔ وہ کمرہ اسوقت فانوسِ خیال بن گیا تھا۔ ایک تصویر آنکھ کے سامنے آتی تھی۔ اور غائب ہو جاتی تھی۔ پھر دوسری سامنے آتی تھی۔ جب کُل صورتین نظر سے گذر چکین تو یہ دورہ از سر نو پھر شروع ہو گیا۔ پھر وہی صورتین ایکدوسرے کے بعد پیش آئین۔ پہلے تو ایسے کئی دورے جلد جلد ہوئے۔ اب ذرا توقف ہونے لگا۔ اب مجکو ہر تصویر پر زیادہ تر غور و فکر کرنے کا موقع ملا۔ جو واقعات جس شخص کے متعلق تھے اوسپر تفصیلی نظر پڑنے لگی پہلے جب دماغ کو چکّر ہوا تھا تو صرف چندہی تصویرین نظر آتی تھین۔ اب ہر تصویر سے بہت سی نکلین۔ اور فانوسِ خیال کی وسعت بڑھنے لگی۔ تمام زندگی مین جو کچھ دیکھا۔ سب نگاہ کے سامنے تھا۔ اس اثنا مین ایک مرتبہ سلطان صاحب کا پھر خیال آیا۔ تو اوسکے ساتھ ہی پہلے مجرے کا تمام جلسہ جسمین سلطان صاحب کو دیکھا تھا۔ اور دوسرے دن اون کے خدمتگار کا آنا۔ پھر اونکا خود تشریف لانا۔ مزے مزے کی باتین۔ شعر و سخن کا چرچا۔ خانصاحب کا مخلِ محبت ہونا۔ بدزبانی کرنا۔ سلطان صاحب کا تمنچہ مارنا۔ خانصاحب کا گر پڑنا۔ شمشیر خان کی جان نثاری۔ کوتوال کا آنا۔ خانصاحب کو گھر پر بھجوا دینا۔ مگر سلطان صاحب کا نہ آنا۔ محفل مین اونکو دیکھنا۔ لڑکے کے ہاتھ رقعہ بھیجنا۔ پھر از سر نو رسم ہونا۔ نواز گنج کے جلسے۔ یہ سب واقعات اسطرح سے

معلوم ہوتے تھے جیسے کل ہوئے ہین۔ یہ دورے برابر چل رہے تھے۔ مگر جب پہلے مجرے کے بعد سلطان صاحب کے آدمی کا پیام لے کے آنا یاد آتا تھا۔ تو طبیعت کچھ رُک سی جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس موقع پر کچھ چھوٹ جاتا ہے۔ اتنے مین آدمی نے زور سے ایک چیخ ماری۔

آدمی۔ بوی دیکھیے وہ کھنکھجورا آپ کے دوپٹے پر چڑھا جاتا ہے۔

مین۔ اُوہی کہہ کے اوٹھ بیٹھی۔ جلدی سے دوپٹہ اوتار کے پھینکدیا۔ الگ جا کھڑی ہوئی۔ آدمی نے دوپٹہ اوٹھا کے جھاڑا۔ کھنکھجورا اینٹ سے گرا۔ اور رینگ کے پلنگ کے سرھانے کی طرف پائے کے نیچے گھُس گیا۔ آدمی نے پلنگ کا پایہ اوٹھا اب جو دیکھتے ہین تو پائے کے نیچے پانچ اشرفیان برابر بچھی ہوی ہین۔

آدمی (بہت ہی متعجب ہو کر)۔ ہائین۔ اے دیکھیے یہ کیا ہے؟

مین۔ (دل مین) آہاہ۔ یہ وہ اشرفیان ہین۔ (آدمی سے) اشرفیان ہین۔

آدمی۔ واہ اشرفیان یہان کہان سے آئین۔

مین۔ (ہنسکے) وہ کھنکھجورا اشرفیان بن گیا۔ اچھّا اوٹھا لو۔

آدمی۔ پہلے تو ذرا جھجکا۔ پھر پانچون اشرفیان اوٹھا کے مجھے حوالے کین۔

رسوا۔ تو کیا خانم کا مکان غدر مین نہین لٹا۔

امراؤ۔ لٹا کیون نہین۔ مگر فرض کرلیجیے کہ کسی نے میرے پلنگ کا پایہ اوٹھا کے نہین دیکھا۔

رسوا۔ ممکن ہے۔

کسی طرح سے ہو تسکین شوق کیسا رشک
ملین گے آج ہم اون سے رقیب سے مِل کے

اتوار کے دن آٹھ بجے صبح کو بیگمصاحبہ کی مہری فینس اور کہارے کے سر پر سوار ہو گئی۔ مین ابھی سو کے اوٹھی تھی۔ اچھی طرح حقہ بھی نہ پینے پائی تھی کہ اوسنے جلدی مچانا شروع کردی۔ مین سمجھی تھی۔ کھانا دانا کھا کے جانا ہو گا۔ مہری نے کہا۔ بیگمصاحبہ نے اپنے سر کی قسم دی ہے کہ کھانا یہین آکے کھانا۔ مین نے پوچھا نوابصاحب گھر پر ہین

اوس نے کہا۔ نہین۔ صبح سے اوٹھ کے گاؤن کو سدھارے ہین۔ مین نے پوچھا کب تک آئینگے۔ مہری نے کہا۔ اب آئین تو شام کو کہین آئین۔ مجھے بیگم سے تخلئے مین بہت سی باتین کرنا تھین اسلیے فورًا اوٹھ بیٹھی۔ ہاتھ منہ دھو۔ کنگھی چوٹی کر کپڑے پہن۔ ایک ماما کو ساتھ لے کے روانہ ہو گئی۔

جاکے جو دیکھا بیگم صاحب منتظر بیٹھی ہین۔ میرے جانے کے ساتھ ہی دسترخوان بچھا۔ مین نے اور بیگمصاحبہ نے ساتھ بیٹھ کے کھانا کھایا۔ بہت تکلف کا کھانا تھا۔ پراٹھے۔ قورمہ۔ کئی طرح کا سالن۔ بالائی۔ تہین چاولون کا خشکہ۔ نورتن چٹنی سیب کا مربہ۔ حلوا سوہن۔

کھانا کھاکے چپکے سے میرے کان مین۔

بیگم۔ کیون وہ کریم کے گھر کی ارہر کی دال اور جوار کی روٹیان بھی یاد ہین۔

مین۔ چپ بھی رہو۔ کہین کوئی سن نہ لے۔

بیگم۔ سن لے گا تو کیا ہوگا۔ کیا کوئی جانتا نہین نواب کی ماں (خدا جنّت نصیب کرے) نے مجھے نواب کے لیے مول لیا تھا۔

مین۔ برائے خدا چپ ہو رہو۔ کہین علیحدہ چلو تو باتین ہونگی۔

کھانا کھاکے ہاتھ منہ دھویا۔ پان کھایا۔ مہری نے حقہ لاکے لگایا۔ بیگم نے سبکو بہانے سے ٹال دیا۔

مین۔ بارے تمنے مجھے پہچان لیا۔

بیگم۔ جب تمھین پہلے پہل کانپور مین دیکھا تھا۔ اوسی دن پہچان لیا تھا۔ پہلے تو بڑی دیر تک اولجھن سی رہی تھی۔ دل مین کہتی تھی۔ مین نے اِنھین کہین دیکھا ہے۔ مگر کہان دیکھا ہے۔ کیونکر دیکھا ہے۔ یہ کچھ یاد نہین آتا تھا۔ چارون طرف خیال دوڑاتی تھی کچھ سمجھ ہی مین نہ آتا تھا اتنے مین کریمن مہری پر نظر جا پڑی۔ کریمن کے نام پر مجھے مونڈی کاٹے کریم کا نام یاد آ گیا۔ دل نے کہا۔ اوہو ہو۔ اِنھین کریم کے مکان پر دیکھا تھا۔

مین۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ بڑی دیر تک غور کیا کی۔ میری ساتھ والیون مین ایک خورشید ہے۔ اوسکی صورت تم سے بہت ملتی ہے۔ جب مین خورشید کو دیکھتی تھی۔

تم یاد آجاتی تھین۔

بیگم۔ اب میرا حال سنو۔

مین جب تم سے جدا ہو کے نوابصاحب کی ماں نواب عمدۃ النسا بیگم صاحبہ کے ہاتھ بکی ہون۔ تمھین یاد ہوگا میرا سن کوئی بارہ برس کا ہوگا۔ نواب کو سولھوان برس تھا۔ نواب کے ابا جان کانپور مین رہتے تھے۔ بیگمصاحبہ سے اون سے نا اتفاقی رہتی تھی۔ نوابصاحب کے ابا جان نے نواب کی شادی اپنی بہن کی لڑکی کے ساتھ ٹھہرائی تھی۔ اونکا مکان دِلی مین تھا۔ بیگمصاحبہ کو وہان شادی کرنا منظور نہ تھا۔ وہ یہ چاہتی تھین کہ نواب کی شادی اون کے بھائی کی لڑکی کے ساتھ ہو۔ میان بیوی مین پہلے ہی سے نا اتفاقی تھی۔ اِس بات سے اور ضدین بڑھین۔ ابھی یہ جھگڑا طے نہ ہوا تھا کہ نواب کے دشمنون کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ حکیمون نے تجویز کیا کہ بہت جلد شادی کر دینا چاہیے ورنہ جنون ہو جائے گا۔ شادی ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اتنے مین مین پہونچ گئی۔ بیگمصاحبہ نے مجھے خرید لیا۔

نوابصاحب مجھپر مائل ہو گئے۔ اور ایسے مائل ہوئے کہ دونون جگہ کی شادی سے کھُلم کھُلا انکار کر دیا۔ تھوڑے دنون کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ بیگمصاحبہ نے انتقال کیا اور اوسکے چند ہی سال کے بعد بڑے نواب بھی مر گئے۔ ماں باپ دونون صاحب جائداد تھے اور یہی ایک اکلوتے لڑکے تھے۔ کل دولت اِنھین کو ملی۔

نواب کو خدا سلامت رکھے جنکی بدولت مین بیگم صاحب بنی ہوئی ہون اور چین کرتی ہون۔ نواب مجھے اوسی طرح چاہتے ہین جیسے کوئی اپنے سہرے جلوے کی بیوی کو چاہتا ہو۔ میری ظاہر مین تو کبھی کسی طرف نگاہ اوٹھا کے بھی نہین دیکھا۔ یون اپنے باہر دوست آشناؤن مین جو کچھ چاہتے ہون۔ کرتے ہون۔ آخر مرد ذات ہین۔ کچھ مین اون کے پیچھے پیچھے تو پھرتی نہین۔

خدا نے سب آرزوئین میری پوری کین اولاد کی ہوس تھی۔ خدا کے صدقے سے اولاد بھی ہے۔ اب اگر آرزو ہے تو یہ آرزو ہے کہ خدا انہین کو پروان چڑھائے۔ بہو بیاہ لاؤن اور ایک پوتا کھلا لون۔ پھر چاہے مر جاؤن۔ نواب کے ہاتھون مٹی عزیز ہو جائے۔ اب تم اپنا حال کہو۔

جب رام دئی یہ باتین کر رہی تھی مجھے اپنی قسمت پر افسوس آتا تھا۔ اور دل ہی دل مین

کہتی تھی۔ تقدیر ہو تو ایسی ہو۔ ایک بری چھوٹی تقدیر۔ بجی بھی تو کہان۔ رنڈی کے گھر مین۔

اسکے بعد مین نے اپنا مختصر حال کہہ سنایا کہ جس سے آپ بخوبی واقف ہین۔ مین دن بھر وہین رہی جب تخلیے کی باتین ہوچکین۔ نوکرون۔ چاکرون کو آواز دی۔ طبلے کی جوڑی ستار۔ طنبور۔ یہ سب سامان منگایا گیا۔ گانے بجانے کا جلسہ ہوا۔

جب ہم دونون اکیلے تھے تو وہ رام دئی تھین۔ اور مین امیرن۔ سب لوگون کے سامنے پھر وہ بیگم صاحب ہوگئین۔ اور مین امراؤ جان۔ مین چار گھنٹے تک گانے۔ بجانے کا چرچا رہا۔ بیگم بھی کسی قدر ستار بجالیتی تھین۔ جب مین گا چکتی تھی تو وہ ستار کی کوئی گت چھیڑ دیتی تھین۔ ایک ملازی کا گلا بہت اچھا تھا۔ اوسکو گوایا۔ سر شام تک بڑے لطف کی صحبت رہی۔

ہان اے نگاہِ شوق مناسب ہے احتیاط
ایسا نہو کہ بزم مین چرچا کرے کوئی

قریب شام محل مین نوابصاحب کی آمد آمد کا غل ہوا۔ وہ بے تکلفی کی صحبت برہم ہوگئی طبلے کی جوڑی ستار۔ طنبورہ سب چیزین ہٹادی گئین۔ چھپنے والیان اودھر اودھر کے پردے مین جانے لگین۔ اور سب لوگ اپنے اپنے قرینے سے ہوگئے۔ مین بھی بیگم سے الگ ہٹ کر مقطع بنکے بیٹھ گئی۔ جس دالان مین ہم لوگ بیٹھے تھے۔ وہان سے دروازے کا سامنا تھا۔ پردہ پڑا ہوا تھا۔ نواب کے انتظار مین اس پردے کی طرف نگاہین لگی ہوئی تھین۔ مین بھی اوسی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے مین کسی خدمتگار نے چلا کے کہا۔ نوابصاحب تشریف لاتے ہین۔ چند لمحے کے بعد مہری نے پردہ اوٹھا کے کہا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" نواب اندر داخل ہوے۔

مین۔ (صورت دیکھتے ہی دل مین) وہی تو ہین۔ (سلطان صاحب) یہ کیس موقع پر سامنا ہوا ہے۔ نواب کی نگاہ بھی مجھ پر پڑی۔ پہلے تو کچھ جھجکے۔ پھر برابر میری طرف دیکھتے ہوے آگے بڑھے۔ مین بھی اونھین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مین دیکھتا ہون جو اونکی طرف تو حیرت سے
مری نگاہ کا وہ اضطراب دیکھتے ہین ؏

اب نواب دالان کے قریب پھونچ گئے اور میرے ہی طرف دیکھے جاتے تھے۔ کہ۔

بیگم۔ اوئی نواب دیکھتے کیا ہو؟ یہ وہی ہین امراؤ جان جو کانپور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نواب۔ (انجان بنکے) ہان مین سمجھا۔ تمنے پرسون اونھین کا تو ذکر کیا تھا۔

اب فرش کے قریب پھونچ گئے۔ سب تعظیم کے لیے اوٹھ کھڑے ہوئے۔ نواب مسند پر بیگم کے پہلو مین اک ذرا سرک کے بیٹھ گئے۔

اب شام ہوگئی تھی۔ مہری نے دو کنول سفید روشن کرکے سامنے رکھے۔ بیگم پان بنانے لگین۔ اس اثنا مین نواب آنکھ بچا کے میری طرف دیکھا۔ مین نے کنکھیون سے اونھین دیکھا۔ اب نہ وہ کچھ کہہ سکتے ہین۔ نہ مین بول سکتی ہون۔ منہ سے بولنے کا تو موقع نہ تھا مگر اوسوقت آنکھین زبان کا کام دے رہی تھین۔ شکوے۔ شکایت۔ رمز و کنایت۔ سب اشارون مین ہوا کیا۔

نواب۔ (کسی قدر اجنبیت کے ساتھ) امراؤ جان صاحب واقعی ہم تو آپکے بہت ہی ممنون ہین۔ واقعی کانپور مین اوس شب کو تمھاری وجہ سے ہمارا گھر لٹنے سے بچ گیا۔

مین۔ یہ آپ کیون مجھے کانٹون مین گھسیٹتے ہین۔ ایک اتفاقی امر تھا۔

نواب۔ خیر وہ کچھ ہو وجہ تمھاری تھی۔ خیر وہ اسباب تو وہان کچھ نہ تھا۔ مگر ایک بڑی خیریت ہوگئی۔ تمام ضروری کاغذات کوٹھی مین موجود تھے۔

مین۔ یہ حضور اون دنون بنگلے مین عورتون کو چھوڑ کے کہان گئے تھے۔

نواب۔ کیا کہون۔ ایسی ہی مجبوری تھی۔ لکھنؤ کی جائداد بادشاہ نے ضبط کرلی تھی۔ لاٹ صاحب کے پاس کلکتہ جانا ضرور تھا۔ ایسی عجلت بن گیا تھا کہ نہ کچھ سامان کیا نہ لیا نہ دیا۔ صرف شمشیر خان اور ایک آدمی اور ساتھ لے کے چلا گیا۔

مین۔ وہ کوٹھی ایسے جنگلے مین ہے کہ جو واردات نہ ہو تعجب ہے۔

نواب۔ سواے اوس واقعے کے اور کوئی واردات کبھی نہین ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ غدر ہونے کو تھا۔ بدمعاشون نے سر اوٹھایا تھا۔ ملک مین اندھیر مچا ہوا تھا۔

اسکے بعد ادھر اودھر کی باتین ہوا کین۔ پھر دسترخوان بچھا۔ سب نے مل کے ساتھ

کھانا کھایا۔ جب حقہ پان سے فراغت ہو چکی۔ تو نواب نے گانے کی فرمایش کی۔
مین نے یہ غزل شروع کی۔

مرتے مرتے نہ قضا یاد آئی
اوسی کافر کی ادا یاد آئی
تمکو لعنت نہ وفا یاد آئی
یاد آئی تو جفا یاد آئی
ہجر کی رات گذر ہی جاتی
کیون تری زلفِ رسا یاد آئی
تم جدائی مین بہت یاد آئے
موت تم سے بھی سوا یاد آئی
لذتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ
خلد مین بھی یہ بلا یاد آئی
چارہ گر زہر منگا دے تھوڑا
لے مجھے اپنی دوا یاد آئی

اور شعر یاد نہین۔ مقطع یہ ہے۔

کیا غزل کوئی کہی ہے - - - - -
آج کیون بادِ صبا یاد آئی

برسات کے دن ہین۔ پانی جھماجھم برس رہا ہے۔ آمون کی فصل ہے۔ میرے کمرے مین مجمع ہے۔ بسم اللہ جان۔ امیر جان۔ بیگا جان۔ خورشید جان۔ رنڈیون مین۔ نواب بنّن صاحب۔ نواب چھٹن صاحب۔ گوہر مرزا۔ عاشق حسین۔ تفضل حسین۔ امجد علی۔ اکبر علیخان۔ مردون مین۔ یہ سب صاحب موجود ہین۔ گانا ہو رہا ہے۔ اتنے مین بسم اللہ۔ بھئی ہوگا۔ گانا تو روز ہوا کرتا ہے۔ اِسوقت تو کڑھائی چڑھاؤ۔ کچھ پکوان پکواؤ۔ دیکھو کیسا مینہ برس رہا ہے۔

مین۔ اونہہ۔ بازار سے جو جی چاہے منگوا لو۔

خورشید۔ بازار سے منگوا لو۔ یہ خوب کہی۔ اپنے ہاتھ سے پکانے مین مزا ہی اور ہے۔

امیر۔ بہن تمھین ہنڈیا ٹھونکنے کا مزا ہے۔ ہمنے تو نہ کبھی پکایا ہے۔ نہ پکانے کی قدر جانتے ہین۔

بیگا۔ تو پھر وہی بازار کی ٹھہری۔ مین۔ اوئی نوج باجی کیا بھوکی ہو!۔

بیگا۔ مین تو بھوکی نہین ہون۔ بسم اللہ سے پوچھو جسنے صلاح دی تھی۔

بسم اللہ۔ بھئی کچھ نہ کچھ تو آج ہونا چاہیے۔

مین۔ مین بتاؤن۔ چلو بخشی کے تالاب چلین۔

بسم اللہ۔ ہان بھئی کیا بات کہی ہے۔ خورشید۔ خوب سیر ہوگی۔

بیگا۔ ہم بھی چلین گے۔ مین۔ اچھا تو سامان کرو۔

بات کہتے مین گاڑیان کرائے پر آگئین۔ کھانے پکانے کا سامان گاڑیون پر لدوا دیا گیا۔ دو چھولداریان نواب بنّن صاحب کے گھر سے آگئین۔ سب گاڑیون پر سوار ہوکے روانہ ہوئے۔

گومتی اوسپار پہونچکے گانا شروع ہوا۔ اوسدن بیگا جان کا گانا۔

جھولا کِن ڈارو رے امریان

کیا کیا تانین لی ہین کہ دل پسا جاتا تھا۔

شہر سے نکل کے جنگل کا سمان لائق دید تھا۔ جدھر نگاہ جاتی ہے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ بادل چارون طرف گھرے ہوئے ہین۔ مینہ برس رہا ہے۔ درختون کے پتّون سے پانی ٹپک رہا ہے۔ نالے۔ ندیان۔ جھیلین۔ بھری ہوئی ہین۔ مور ناچ رہے ہین۔ کوئل کوک رہی ہے۔ بات کہتے مین تالاب پر پہونچ گئے۔ بارہ دری مین فرش کیا گیا۔ چولھے بنگئے۔ کڑھاہیان چڑھ گئین۔ پوریان تلی جانے لگین۔ نواب چھٹن صاحب بارانی پہن کے شکار کو نکل گئے۔ گوہر مرزا آمون کی کھانچیان منگا لائے۔ اتنی دیر مین نوکرون نے سڑک کے کنارے باغ مین چھولداریان گاڑ دین۔ گانون سے چار پائیان آگئین۔ یہان اور ہی لطف تھا۔ آم ٹپک رہے ہین۔ ایک ایک آم پر چار چار آدمی ٹوٹے پڑتے ہین۔ پانی مین چہچکے لگا رہے ہین۔ کوئی اِدھر دوڑا جاتا ہے۔ آپس مین ڈھینگا مشتی ہو رہی ہے۔ اب اسمین اگر کوئی گر پڑا تو

کپڑے کیچڑ میں لت پت۔ تھوڑی دیر پانی میں جا کے کھڑے ہو گئے۔ پھر ویسی ہی حالت۔ جن کے مزاج میں کسی قدر احتیاط تھی۔ جیسے باجی۔ بیگا جان۔ وہ چھولداری ہی میں بیٹھی رہیں۔

بسم اللہ نے پیچھے سے جا کے منہ پر آم کا رس مل دیا۔ پھر اونکی چیخیں اور سب کا قہقہہ لگانا۔ دیکھنے کا تماشا تھا۔

نہیں معلوم کہاں سے بہتی بہاتی تین نٹنیاں آ نکلیں۔ اونکو گوانا شروع کیا۔ اونکے ساتھ کا ڈھولکی والا غضب کی ڈھولکی بجاتا تھا۔ بھلا اونکا ناچ گانا ہم لوگوں کو کیا اچھا معلوم ہوتا۔ مگر اوس موسم میں اور ویسی جگہہ کچھ ایسا نامناسب نہ تھا۔

دو گھڑی دن رہے ہماری قسمت سے آسمان کھل گیا۔ دھوپ نکل آئی۔ ہم لوگ احتیاطاً ایک ایک جوڑا گھر سے لیتے آئے تھے۔ سب نے کپڑے بدلے۔ جنگل کی سیر کو نکلے۔

میں بھی اکیلی اک طرف کو روانہ ہوئی۔ سامنے گنجان درخت تھے۔ سورج انھیں درختوں کی آڑ میں ڈوب رہا تھا۔ سبزے پر سنہری کرنوں کے پڑنے سے عجیب کیفیت تھی۔ جابجا جنگلی پھول کھلے ہوئے تھے۔ چڑیاں سبزے کی تلاش میں ادھر ادھر اوڑ رہی تھیں۔ سامنے جھیل کے پانی پر آفتاب کی شعاع سے وہ عالم نظر آتا تھا جیسے پگھلا ہوا سونا جھلک رہا ہے۔ درختوں کے پتوں کی آڑ میں سورج کی کرنیں اور ہی عالم دکھا رہی تھیں۔ آسمان پر سرخ شفق پھولی ہوئی تھی۔ اوس وقت کا سماں ایسا نہ تھا کہ ایک خفقانی مزاج عورت جیسی کہ میں ہوں۔ جلدی سے چھولداری میں چلی آتی۔ یہ تماشا دیکھتی ہوئی خدا جانے کتنی دور نکل گئی۔ آگے جا کر ایک کچی سڑک ملی۔ اوس پر کچھ گنوار راستہ چل رہے تھے۔ کسی کے کندھے پر ہل تھا۔ کوئی بیلوں کو ہانکتا ہوا چلا جاتا تھا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی گائے بھینسیں لیئے جاتی ہے۔ ایک لڑکا بہت سی بھیڑوں بکریوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ یہ سب آنکھوں کے سامنے آئے اور پھر نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں پھر اکیلی کی اکیلی ہی رہ گئی۔ نہیں معلوم کس دھن میں تھی۔ مگر اب اس سڑک پر چلنے لگی۔ اپنے نزدیک میں اب گویا تالاب کی طرف چل رہی ہوں۔ اب اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ سورج ڈوبنے کو

ہے۔ اب میرے قدم جلد جلد اوٹھ رہے ہیں۔ آگے چل کر ایک فقیر کا تکیہ ملا۔ یہاں کچھ لوگ بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ یہاں میں نے تالاب کا راستہ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ میں الٹی ہی کی طرف چلی جاتی ہوں۔ تالاب دہنے کو چھوٹ گیا ہے۔ یہاں سے سڑک چھوڑنا پڑی۔ ایک میدان میں سے ہو کے راستہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر ایک نالہ ملا۔ نالے کے اوس پار تھوڑے فاصلے پر دو تین درخت تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان درختوں کی جڑ سے ایک ذرا ہٹ کر کوئی شخص میلی سی دھوتی باندھے مرزئی پہنے۔ ایک میلا سا چادرا کمر سے لپٹا ہوا کھرپی ہاتھ میں لیے کچھ کھود رہا ہے۔ میرے اس شخص کے چار آنکھیں ہو گئیں پہلے تو کچھ شبہہ سا ہوا۔ پھر ایک مرتبہ غور سے دیکھا۔ اب قریب یقین کے ہو گیا کہ وہی ہے۔ چاہتی تھی کہ منہ پھیر لوں۔ مگر نگاہ کمبخت اوسی طرف لڑی رہی۔ اب تو بالکل یقین ہو گیا۔ قریب تھا کہ غش کھا کے گر پڑوں۔ اور ضرور ہی گر پڑتی۔ کہ اتنے میں دور سے اکبر علیخان کے نوکر سالار بخش کی آواز کان میں آئی۔ مجھے ڈھونڈھنے نکلا تھا۔ مجھے آتے دیکھکر دلاور خان نے کھرپی ہاتھ سے رکھدی تھی جس طرح میں اوسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی مجکو دیکھ رہا تھا۔ مگر یقیناً اوسنے مجھے نہ پہچانا ہوگا۔ میں نے اوسکو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔

سالار بخش کی آواز سنکے وہ نالے کی طرف بھاگا۔ اتنے میں سالار بخش میرے پاس پہونچ گیا۔ میں مارے خوف کے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ آواز منہ سے نہیں نکلتی تھی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ سالار بخش نے میرا یہ حال دیکھ کے کہا۔ ہائے ڈر گئیں۔

میں نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ سالار بخش اوسطرف دیکھنے لگا۔

سالار بخش۔ وہاں کیا دھرا ہے۔ اک کھرپی پڑی ہے۔ واہ۔ اس سے ڈر گئیں آپ سمجھیں کوئی قبر کھود رہا ہے۔ اور وہ گیا کہاں جو کھود رہا تھا۔

میں۔ منہ سے تو بولا نہ گیا۔ ہاتھ سے نالے کی طرف اشارہ کیا۔

سالار بخش۔ چلم پینے گیا ہوگا بگیچے پر۔ اچھا تو چلیے نواب چھبن صاحب بہت سی مرغابیاں شکار کر کے لائے ہیں۔ آپکا کہیں پتا نہیں۔ میاں ادھر ڈھونڈھنے گئے میں ادھر آیا۔ یہ کہیے آپ مل گئیں نہیں تو آپ کو راستہ نہ ملتا۔

میں نے ہاں نا۔ کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر سالار بخش بھی چپ ہو رہا۔

تھوڑی دیر مین کھیتون مین سے ہو کے تالاب پر پہونچگئی۔

رات کو ہین رہنے کی ٹھہری۔ جب کھانے دانے سے فراغت ہو گئی۔ مین نے اکبر علیخان سے کل واقعہ بیان کیا۔

اکبر علیخان۔ تمنے اچھی طرح دیکھا۔ یہ وہی دلاور خان تھا۔ فیض آباد کا رہنے والا اوسکا تو حلیہ جاری ہے۔ افسوس تمنے پہلے سے نہ کہا۔ بدمعاش کو چل کے گرفتار کرتے بڑا نام ہوتا۔ سرکار سے انعام ملتا۔ ایک ہزار کا اشتہار ہے۔ اور یہ کھودتا کیا تھا۔

مین۔ کیا معلوم۔ مو اپنی قبر کھودتا ہو گا۔

اکبر علیخان۔ اوسکے نام سے تمھارے مُنہ پر ہوائیان چھوٹنے لگتی ہین۔ اب وہ تمھارا کیا کر سکتا ہے۔

مین۔ (دل کو ذرا تھام کے)۔ ضرور اسنے غدر کے زمانے مین وہان کچھ گاڑ دیا ہو گا۔ اوسے کھودنے آیا ہے۔

اکبر علیخان۔ چلو دیکھین۔ **مین**۔ مین تو نہ جاؤنگی۔

اکبر علیخان۔ مین جاتا ہون۔ سلار بخش کو لیئے جاتا ہون۔

مین۔ کہان جاؤگے۔ اب وہان کچھ دھرا ہو گا۔ وہ کھود کے لے بھی گیا ہو گا۔

اکبر علیخان۔ مین تو ضرور جاؤن گا۔

یہ ذرا زور سے کہا۔ پاس نواب چھبن صاحب کی چھولداری تھی۔ وہ اور بسم اللہ دونون جاگ رہے تھے۔

نواب خانصاحب کہان جایئے گا۔

اکبر علیخان۔ نوابصاحب آپنے ابھی آرام نہین کیا۔

نواب۔ جی نہین۔ **اکبر علیخان**۔ مین حاضر ہون۔

نواب۔ آیئے۔

اکبر علیخان اور مین دونون نواب کی چھولداری مین گئے۔ کل واقعہ بیان کیا۔

نواب۔ (مجھسے) اور تم اس بدمعاش کو کیا جانو۔

مین (اپنی سرگذشت تو ان سے کیا کہتی)۔ مین جانتی ہون۔ اچھی طرح جانتی ہون۔

مین بھی فیض آباد کی رہنے والی ہون۔

نواب۔ آہاہا۔ آپ بھی فیض آباد کی ہین۔

اکبر علیخان۔ مگر اس مردود کا کوئی بندوبست کرنا چاہیئے۔ ایسے مین یہین کہین ہے۔ عجب نہین گرفتار ہو جائے۔ یہ کہہ کے سلار بخش کو آواز دی۔ قلمدان منگایا۔

تھانہ قریب تھا۔ تھانہ دار صاحب کو رقعہ لکھا۔

تھوڑی دیر مین تھانہ دار صاحب مع دس بارہ سپاہیون کے آموجود ہوئے۔

مین نے جو دیکھا تھا اون سے کہدیا۔ گانون سے پاسی بلوائے گئے۔ پہلے اوس موقع پر جا کر ڈھونڈھا۔ تکیہ پر فقیر سے کسی قدر سراغ اور ملا۔ ایک سپاہی کو ایک اشرفی شاہی زمانے کی ملی۔ وہ تھانہ دار صاحب کے پاس لے آیا۔

تھانہ دار۔ خدا چاہے تو مع مال گرفتار ہو۔

تھانہ دار صاحب نے واقعی اچھا بندوبست کیا۔ سپاہیون نے بھی خوب ہی تگ و دو کی۔ آخر تین بجے رات کو ہنگا گنج مین گرفتار ہوا۔ صبح ہوتے ہوتے تالاب پر پہونچگیا۔ تلاشی مین چوبیس اشرفیان برآمد ہوئین۔ مین شناخت کے لیے بلائی گئی۔

میری شناخت کے علاوہ دو سپاہیون نے بھی پہچانا۔ دس بجے چالان لکھنؤ کو روانہ ہوا۔

مرزا رسوا۔ اچھا تو پھر اوسکا حشر کیا ہوا۔ اس قصّے کو جلدی ختم کیجیے۔

امراؤ۔ ہوا کیا۔ کوئی دو مہینے کے بعد معلوم ہوا پھانسی ہو گئی۔ واصل جہنم ہوا۔

نہ پوچھ نامۂ اعمال کی دلآویزی
تمام عمر کا قصہ لکھا ہوا پایا

مرزا رسوا صاحب! جب آپنے میری سوانح عمری کا مسودہ مجھے نظر ثانی کرنے کے لیئے دیا تھا۔ مجھے ایسا غصہ آیا کہ جی چاہتا تھا۔ پُرزے پُرزے کرکے پھینک دون۔ بار بار یہ خیال آتا تھا کہ زندگی مین کیا ہمکو روسیاہی ہوئی ہے کہ اوسکا افسانہ بعد مرنے کے بھی باقی رہے۔ کہ لوگ اوسے پڑھین۔ اور مجھکو لعنت ملامت کیا کرین۔ مگر فراج کی تساہلی اور آپ کی محنت کے لحاظ نے ہاتھ روک لیا۔

اتفاقاً کل شب کو بارہ بجے کے قریب سوتے سوتے آنکھ کھل گئی۔ مین حسب معمول کمرے مین تنہا تھی۔ مامائین۔ خدمتگار۔ سب نیچے مکان مین سو رہے تھے۔ میرے سرہانے لمپ روشن تھا پہلے تو بڑی دیر تک کروٹین بدلا کی۔ چاہتی تھی سو جاؤن۔ کسی طرح نیند نہ آئی۔ آخر اوٹھی۔ پان لگاکے کھایا۔ ماما کو پکارا۔ حقہ بھروایا۔ پھر پلنگ پر جا لیٹی۔ حقہ پینے لگی۔ جی مین آیا۔ کوئی کتاب دیکھون۔ بہت سے قصے۔ کہانی کی کتابین سرہانے الماری مین رکھی تھین۔ ایک ایک کو اوٹھا اوٹھا کے ورق اولٹے پلٹے۔ مگر وہ سب کئی کئی مرتبہ کی دیکھی ہوئی تھین۔ جی نہ لگا۔ بند کرکے رکھدین آخر اوسی مسودے پر ہاتھ جا پڑا۔ خفقان کی شدت تھی۔ سچ سچ مین نے اوسکے چاک کرنے کا مصمم قصد کر لیا۔ چاک کیا ہی چاہتی تھی کہ یہ معلوم ہوا۔ جیسے کان مین کوئی کہہ رہا ہے۔

"اچھا امراؤ۔ بالفرض اسے تمنے پھاڑ کے پھینکدیا۔ جلا دیا۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ تمام عمر کے واقعات جو خدائے عادل و توانا کے حکم سے فرشتون نے مفصل اور مشرح لکھے ہین اونھین کون مٹا سکتا ہے؟"

اس غیبی آواز سے میرے ہاتھ پاؤن لرزنے لگے۔ قریب تھا کہ مسودہ ہاتھ سے گر پڑے۔ مگر پھر مینے اپنے تئین سنبھالا۔ چاک کر ڈالنے کا خیال تو بالکل دل سے محو ہو گیا تھا۔ جی چاہا الماری پر جہان سے اوٹھایا تھا۔ وہین رکھدون۔ پھر اکبارگی یونہی بلا قصد پڑھنا شروع کیا۔ پہلا صفحہ جب تمام ہو گیا۔ ورق اولٹا۔ دو چار سطرین اور پڑھین۔ اوس وقت مجھے اپنی سرگذشت سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ جس قدر پڑھتی جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا اور پڑھون۔ اور قصون کے پڑھنے مین مجھے ایسا لطف کبھی نہ آیا تھا۔ کیونکہ اونکو پڑھتے وقت یہ خیال پیش نظر رہتا تھا کہ یہ سب بنائی ہوئی باتین ہین۔ درحقیقت کوئی اصل نہین۔ یہی خیال قصے کو بے مزہ کر دیتا تھا۔ میری سوانح عمری مین جو امور آپنے قلمبند کیے ہین وہ سب مجھپر گذرے ہین۔ اس وقت وہ سب گویا میری آنکھون کے سامنے تھے۔ ہر واقعہ اصلی حالت مین نظر آتا تھا۔ اور اس سے طرح طرح کے اثر میرے دل و دماغ پر طاری ہوتے تھے۔ جنکا بیان بہت ہی دشوار ہے۔ اگر کوئی مجھے اس حالت مین دیکھتا تو اونکو میری دیوانگی مین کوئی شک

نہ رہتا۔ کبھی تو مین بے اختیار ہنس پڑتی تھی۔ کبھی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔ غرضکہ عجیب کیفیت تھی۔ آپنے فرمایا تھا۔ جا بجا بناتی جانا۔ یہان اسکا ہوش کسے تھا پڑھتے پڑھتے صبح ہو گئی۔ اب مین اوٹھی۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ پھر تھوڑی دیر سو رہی صبح کو کوئی آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ ہاتھ منہ دھو کے پھر پڑھنے لگی۔ بارے سرِ شام سارا مسودہ پڑھ چکی۔

تمام قصے مین وہ تقریر آپ کی مجھے بہت ہی دلچسپ معلوم ہوئی۔ جہان آپنے نیکبختون اور خراب عورتون کا مقابلہ کرکے اونکا فرق بتایا ہے۔ واقعی نیکبخت عورتون کو جس قدر فخر ہو زیبا ہے۔ اور ہم ایسی بازاریون کو اون کے اس فخر پر بہت ہی رشک کرنا چاہیے۔ مگر ساتھ اوسکے یہ خیال آیا۔ کہ اس باب مین بخت و اتفاق کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ میری خرابی کا سبب وہی دلاور خان کی شرارت تھی۔ نہ وہ مجھے اوٹھا لاتا۔ اور نہ اتفاق سے مین خانم کے ہاتھ فروخت ہوتی۔ نہ میرا یہ لکھا پورا ہوتا۔ جن امور کی برائی مین اب مجھے کوئی شبہہ نہین رہا۔ اور اسی لیے ایک مدت ہوئی کہ مین اون سے بیزار اور تائب ہون۔ اوس زمانے مین اونکی حقیقت مجھے کسی طرح نہین معلوم ہو سکتی تھی۔ نہ ایسا کوئی قانون مجھے بتایا گیا تھا کہ مین اون سے اجتناب کرتی۔ اور اگر ایسا نہ کرتی تو مجھے سزا دیجاتی۔ مین خانم کو اپنا مالک اور حاکم تصور کرتی تھی۔ اسلیے اون سے بہت ڈرتی تھی۔ اور حتی الامکان ایسا کوئی کام نہ کرتی تھی جو اونکی مرضی کے خلاف ہو۔ اور اگر کرتی بھی تو بہت چھپا کے۔ تاکہ اونکی مار اور جھڑکیون سے بچ سکون۔ اگرچہ خانم نے مجھے زندگی بھر پھول کی چھڑی بھی نہین چھوائی۔ مگر خوف غالب تھا۔

جن لوگون مین مینے پرورش پائی تھی جو اونکا طریقہ تھا۔ وہی میرا بھی تھا۔ مین نے اوس زمانے مین کبھی کسی مذہبی عقیدے پر غور نہین کیا اور میرا خیال ہے کہ کوئی ایسی حالت مین نہ کرتا۔

ارضی و سماوی حادثے جنکا کوئی وقت مقرر نہین ہے۔ مگر جب واقع ہوتے ہین تو دلون مین ایک خاص قسم کی دہشت سما جاتی ہے۔ مثلاً زور سے بادل کا گرجنا۔ بجلی کا چمکنا۔ آندھیون کا آنا۔ اولون کا گرنا۔ یا زلزلے کا آنا۔ سورج گہن۔

یا چاند گہن - قحط سالی - وبا - وغیرہ - ایسے امور اکثر خدائی غضب کی علامتین سمجھی جاتی تھین - پھر مینے دیکھا کہ لوگون کے بعض اعمال کی وجہ سے وہ دفع دفع ہوگئی - مگر یہ بھی دیکھا کہ بہت سی آفتین - دعا - تعویذ - ٹونے - ٹوٹکے - کسی بات سے نہ ٹلین - ایسے امور کو لوگ خدا کی مرضی - تقدیر آسمانی کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہین - مذہبی احکام مجکو مفصل نہ پہونچے تھے - اور نہ ثواب و عذاب کا مسئلہ اچھی طرح سمجھایا گیا تھا - اسلیے ان باتون کا اثر میرے دل پر نہ تھا - بیشک اوس زمانے مین میرا کوئی مذہب نہ تھا - صرف جو اور لوگون کو کرتے دیکھتی تھی - وہی آپ بھی کرنے لگتی تھی - اوسوقت مین میرا کوئی مذہب ہی نتھا - تقدیر پر مین بہت ہی شاکر تھی - جو کام مین کاہلی سے نہ کر سکتی - یا میری بے وقوفی سے بگڑ جاتا - اوسکو تقدیر کے حوالے کر دیتی - فارسی کتابون کے پڑھنے سے آسمان کی شکایت کرنے کا مضمون میرے ہاتھ آگیا تھا - اور جب میرا کوئی مطلب فوت ہو جاتا تھا - یا اور کسی وجہ سے مجھے کچھ ملال پہونچتا تھا - تو جا و بیجا فلک کی شکایتین کیا کرتی تھی -

ہم بھی ہین مختار لیکن اسقدر بے اختیار
جب ہوئے مجبور قسمت کو برا کہنے لگے

مولوی صاحب - بوا حسینی - اور بڈھے بوڑھیان جب اگلے زمانے کی باتین کرتے تھے تو اوس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زمانے سے بہت ہی اچھا تھا - اسلیے اونکی طرح مین بھی اوس زمانے کی غائبانہ تعریف اور زمانۂ موجودہ کی بلاوجہ مذمت کیا کرتی تھی - مین کمبخت اسباب کو نہ سمجھی کہ بڈھے - بڑھیان جو اگلے وقتون کی تعریفین کرتے ہین اوسکا سبب یہ ہے کہ اپنی اپنی جوانی کے دن سبکو بھلے معلوم ہوتے ہین - اسلیے دنیا بھلی معلوم ہوتی ہے - "خود زندہ - جہان زندہ - خود مردہ - جہان مردہ" سن رسیدہ لوگون کے دیکھا دیکھی جوانون نے بھی اونھین کا وطیرہ اختیار کر لیا ہے - اور چونکہ یہ غلط فہمی ایک مدت سے چلی آتی ہے اسلیے اب عموماً سب کو اسکی عادت سی ہوگئی ہے -

جوان ہونے کے بعد مین عیش و آرام مین پڑ گئی تھی - اس زمانے مین گا بجا کے مردون کو رجھانا میرا خاص پیشہ تھا - اسمین بمقابلہ اور ساتھ والیون کے جس قدر

کامیابی یا ناکامیابی مجکو ہوتی تھی وہی میری خوشی یا رنج کا اندازہ تھا - میری صورت بہ نسبت اورون کے کچھ اچھی نہ تھی - مگر فن موسیقی کی مہارت اور شعر و سخن کی قابلیت کی وجہ سے مین سب سے بڑھی چڑھی رہی - اپنی ہم پیشہ عورتون مین مجھے ایک خاص قسم کا امتیاز حاصل تھا - مگر اس سے کچھ نقصان بھی ہوا - وہ یہ کہ جس قدر میری عزت زیادہ ہوتی گئی اوتنا ہی خیال خودداری کا میرے دل مین پیدا ہوتا گیا - جہان اور رنڈیان بیباکیون سے اپنا مطلب نکال لیجاتی تھین - مین منہ دیکھتی رہجاتی تھی - مثلاً اونکا یہ ایک عام قاعدہ تھا کہ ہر کس و ناکس سے کسی نہ کسی قسم کی فرمائش ضرور کر دینا چاہیئے - مجھے اس سے شرم آتی تھی - یہ خیال آتا تھا کہ ایسا نہو انکار کر دے تو خفت ہوگی - اور نہ ہر شخص سے مین بہت جلد بے تکلف ہو جاتی تھی - میری اور ساتھ والیون کے پاس جب کوئی آکے بیٹھتا تھا تو اونکو سب سے زیادہ فکر اسکی ہوتی تھی کہ یہ کہان تک دیسکتا ہے - اور ہم کہان تک اس سے لے سکتے ہین - میرا بہت سا وقت اوس شخص کی ذاتی لیاقت حسن اخلاق کے اندازہ کرنے مین صرف ہو جاتا تھا - مانگنے کی عادت کو مین معیوب سمجھنے لگی تھی - اسکے علاوہ اور باتین بھی مجھ مین رنڈی پنے کی نہ تھین - اسلیے میری ساتھ والیون مین سے کوئی مجھے ناک چوٹی گرفتار - کوئی خفقانی - کوئی بے وقوف - کوئی دیوانی سمجھتی تھی - مگر مین نے اپنی کی - کسی کی نہ سنی -

پھر وہ زمانہ آیا کہ مین رنڈی کے ذلیل پیشہ کو عیب سمجھنے لگی - اور اوس سے دست بردار ہوگئی - ہر کس و ناکس سے ملنا چھوڑ دیا - صرف ناچ - مجرے پر بسر اوقات رہگئی - یا کسی رئیس نے نوکر رکھا تو نوکری کر لی - رفتہ رفتہ یہ بھی ترک کر دیا -

جب مین اون افعال سے تائب ہوی جنکو مین نے اپنے نزدیک برا سمجھ لیا تھا - تو اکثر میرے جی مین آیا کہ کسی مرد آدمی کے گھر پڑ جاؤن - لیکن پھر یہ خیال آیا کہ لوگ کہین گے - "آخر رنڈی تھی نا - کفن کا چونگا کیا" مرزا صاحب شاید آپ اس محاورے کو نہ سمجھین مطلب اسکا یہ ہے کہ جب کوئی رنڈی سن سے اوتر کے کسی کے گھر بیٹھ جاتی ہے تو تجربہ کار تماشبین اوسکی نسبت کہا کرتے ہین کہ اوس رنڈی نے کفن کا چونگا کیا - یا "مرتے مرتے کفن لے مری" یعنے اپنے دام بچائے اور از راہ فریب تماشبین پر اپنی تجہیز و تکفین کا بار ڈالا - اس مثل سے رنڈیون کی بیحد خود غرضی - لالچ - اور فریب کا ثبوت ملتا ہے - اسمین کچھ شک نہین کہ ہم لوگ ایسے ہی ہوتے ہین - غرض سمجھیے کہ مین سچ مچ تائب ہوگئی - اور اب انتہا کی نیک ہون - مگر اسکو سوائے خدا کے کون جانتا ہے - کسی شخص کو میری نیکی کا یقین نہین ہو سکتا -

پھر اگر اسحالت مین کسی سے محبت کرون اور اوس محبت کی بنا سراسر خلوص اور نیک نیتی پر ہو اسپر بھی خاص وہ شخص اور اسکے سوا اور جو لوگ دیکھین یا سنین گے کبھی یقین نہ لائین گے ۔ ایسی حالت مین محبت کرنا بھی بے سود ہوگا ۔۔ لوگ مشہور کرتے ہین کہ میرے پاس دولت ہے اسلیے اکثر لوگ اس سن مین بھی میری خواہش کرتے ہین ۔ اور طرح طرح کے فریب مجھکو دینا چاہتے ہین ۔ کوئی صاحب میرے حسن وجمال کی تعریف کرتے ہین ۔ اگرچہ اونکا تعلق مین ایسی رنڈیون سے سن چکی ہون جو ہزار درجہ مجھسے بہتر ہین ۔ کوئی صاحب میرے کمال موسیقی پر غش ہین ۔ حالانکہ اونکے کان تال سم سے آشنا نہین ۔ کوئی میری شاعری کے مداح ہین ۔ جنھون نے عمر بھر ایک مصرعہ موزون کہنا تو کیسا پڑھا بھی نہوگا ۔ ایک صاحب میری علمیت کے قائل ہین ۔ خود بھی پڑھے لکھے ہین ۔ مگر مجھکو "مولانا بالفضل اولنا" سمجھتے ہین ۔ معمولی مسئلے روزہ نماز کے بھی مجھی سے پوچھ لیا کرتے ہین ۔ گویا کہ آپ میرے مرید یا مقلد ہین ۔ ایک میرے عاشق زار میری دولت اور کمال سے کوئی واسطہ نہین رکھتے صرف میری تندرستی کے خواہان ہین ۔ ہر بات پر انشاءاللہ ہین ۔ مجھے چھینک آئی ۔ اور اون کے درد سر ہونے لگا ۔ مجھے درد سر ہوا اور اون کے دشمنون کا دم نکل گیا ۔ ایک بزرگ ناصح مشفق بنے ہین ۔ دنیا کے نشیب و فراز سمجھایا کرتے ہین ۔ مجکو بہت ہی بھولا سمجھتے ہین ۔ اسطرح باتین کرتے ہین جیسے کوئی دس گیارہ برس کی لڑکی سے باتین کرتا ہو ۔

مین ایک گھاگ عورت ہون ۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے ۔ جو جس طرح بناتا ہے بنجاتی ہون اور درحقیقت اونکو بناتی ہون ۔ خلوص کے ساتھ بھی ملنے والے دو ایک صاحب ہین ۔ بے غرض ملتے ہین ۔ اونکا مقصود صرف ایک مذاق خاص ہے ۔ مثلاً شعر و سخن ۔ یا گانا بجانا ۔ یا صرف لطف گفتگو ۔ نہ اونکی کوئی غرض مجھسے ہے ۔ نہ مجھے کوئی غرض اون سے ہے ۔ ایسے لوگون کو مین دل سے چاہتی ہون ۔ اور یہ بے غرضی رفتہ رفتہ ایک غرض ہوگئی ہے کہ نہ مجھے بغیر اونکے چین آتا ہے نہ اونھین بغیر میرے ۔ مگر ان لوگون مین سے کوئی میرے گھر مین بٹھانے کا امیدوار نہین ہے ۔ کاشکے ایسا ہوتا ! مگر یہ تمنا ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے ۔ کاشکے جوانی پھر آتی ۔

اسمین کوئی شک نہین کہ عورت کی زندگی جوانی تک ہے ۔ اگر جوانی کے ساتھ ہی زندگی بھی ختم ہو جایا کرتی تو کیا خوب ہوتا ۔ مگر ایسا نہین ہوتا ۔ یون تو بڑھاپا ہر ایک کے لیے برا ہے ۔ خصوصاً عورت کے لیے ۔ خصوصاً رنڈیون کے لیے ۔ رنڈیون کے لیے بڑھاپا دوزخ کا نمونہ ہے ۔ بڑھیا فقیرنیان جو لکھنؤ کے گلی کوچون مین پڑی پھرتی ہین ۔ اگر غور کیجیے گا تو اونمین اکثر رنڈیان نکلین گی ۔ اور رنڈیان بھی کون سی جو کبھی زمین پر پاؤن نہ رکھتی تھین ۔ قیامت برپا کر رکھی تھی ۔ ہزارون بھرے پرے گھر تباہ کر دیے ۔ سیکڑون جوانون کو بے گناہ قتل کیا ۔ جہان جاتی تھین لوگ آنکھین بچھاتے

تھے ۔ اب کوئی اونکی طرف آنکھ اوٹھا کے بھی نہین دیکھتا ۔ پہلے جہان بیٹھ جاتی تھین لوگ باغ باغ ہو جاتے تھے اب کوئی کھڑے ہونے کا بھی روادار نہین ۔ پہلے بن مانگے موتی ملتے تھے اب مانگے بھیک نہین ملتی ۔

انمین سے اکثر اپنے ہاتھون اپنی تباہی کا باعث ہوئین ۔ ایک بڑی بی میرے مکان پر کبھی کبھی آیا کرتی تھین ۔ کسی زمانے مین بڑی مشہور رنڈیون مین تھین ۔ جوانی مین ہزارون روپے کمائے ۔ ذرا مزیدار جوڑا تھا ۔ جب سن سے اوترین وہی کمائی یارون کو کھلانا شروع کی ۔ بڑھاپے مین ایک نوجوان کے گھر بیٹھین ۔ اوسکی جورو خوبصورت ۔ کم سن ۔ بھلا وہ اسپر کیا ریجھتا ۔ پہلے تو بیوی ذرا بگڑین ۔ مگر جب میان نے اصل مطلب سمجھا دیا ۔ خاموش ہو رہین ۔ انکی خاطرین ہونے لگین ۔ جبتک مال رہا ۔ خوب دونون میان بیوی نے پھسلا پھسلا کے کھایا ۔ آخر کنگال ہو گئین ۔ اب کون پوچھتا تھا ۔ نکال باہر کیا ۔ گلیون کی ٹھوکرین کھاتی پھرتی ہین ۔

بعض بے وقوف رنڈیون نے کسی کی لڑکی لے کے پالا اوس سے دل لگایا ۔ (اس حماقت مین مین بھی گرفتار ہو چکی ہون) مگر جب وہ جوان ہوئی لے دے کے کسی کے ساتھ نکل گئی ۔ یا اگر رہی تو کل مال رفتہ رفتہ اپنے قبضے مین کیا ۔ انکو گھر کا انتظام یا ماماگری کرنے کو رکھ لیا ۔ آبادی نے بھی چل دیا ہوتا مگر وہ تو کہو اوسکے کرتوت پہلے ہی کھل گئے نہین تو مجھے لوٹ ہی کے جاتی ۔ مرد کیا اور عورت کیا ۔ رنڈی کی قوم مین بدکارون کی زندگی کا اصول ہی ایسا بگڑا ہوا ہے کہ ایک دوسرے مین محبت نہین ہو سکتی ۔ نہ کوئی سمجھدار مرد ہی انکو دل دیسکتا ہے ۔ کیونکہ سب جانتے ہین کہ رنڈی کسی کی نہین ہوتی ۔ اور نہ عورت ہی ایسی محبت کر سکتی ہے ۔ نوجوان اپنے دل مین یہ سمجھتی ہین کہ جاتے ہم ہین پھر انکو کیون دین ۔

اگلے قدردان مرد زوال حسن کے بعد کنارہ کرتے ہین ۔ یہ اسکی عادی ہوتی ہین کہ لوگ جھوٹی خوشامدین کیا کرین ۔ بھلا اب کوئی خوشامد کیون کرنے لگا ۔ غرضکہ مرد ان سے کنارہ کش اور یہ مردون کی شاکی رہتی ہین ۔

پہلے پہل مین بھی اور رنڈیون کی زبانی مردون کی بے وفائی کا دکھڑا سنکے وقت ضائع کرتی تھی اور بے سمجھے اونکی ہان مین ہان ملا دیتی تھی ۔ مگر باوجود اسکے کہ گوہر مرزا نے میرے ساتھ جو کچھ سلوک کیا وہ آپ کو معلوم ہے ۔ اور نواب صاحب جنھون نے بجبر نکاح کا الزام لگایا تھا اوسکو بھی آپ سن چکے پھر بھی مین مردون کو بے وفا نہین کہہ سکتی ۔ اس معاملے مین عورتین خصوصاً بازاروالیان اون سے کسی طرح کم نہین ہین ۔ محبت کے باب مین مرد (معاف کیجیے گا) اکثر بے وقوف اور عورتین بہت ہی چالاک ہوتی ہین ۔ اکثر مرد سچے دل سے اظہار عشق کرتے ہین ۔ اور اکثر عورتین جھوٹی محبت

جتاتی ہین - اسلیے کہ مرد جس حالت مین اظہار تعشق کرتے ہین وہ حالت اونکی اضطراری ہوتی ہے اور عورتین بہت جلد متاثر نہین ہوتین - کیونکہ مرد بہت ہی جلد عورتون کے حسن ظاہر پر فریفتہ ہوکر اونکا شیدا ہو جاتا ہے - اور عورتین اس باب مین زیادہ احتیاط کرتی ہین - اسی لیے مردون کی محبت کسی قدر سریع الزوال ہے اور عورتون کی محبت غیر الزوال - مگر جانبین کے حسن معاشرت سے ان امور مین ایک خاص قسم کا اعتدال پیدا ہو سکتا ہے - بشرطیکہ دونون یا کم از کم ایک کو سمجھ ہو - واقعی مرد اس باب مین سریع الاعتقاد ہوتے ہین - اور عورتین انتہا کی شکی - مرد پر عورت کا جادو بہت جلد چل جاتا ہے - مگر عورت پر جب کامل مشکل سے کارگر ہوتا ہے - میرے نزدیک یہ نقص فطرت کی طرف سے ہے - اسلیے کہ عورتین ضعیف القویٰ ہین - اسلیے اونکو بعض وصف ایسے دیے گئے ہین جس سے یہ کمی پوری ہو جاے - منجملہ ان اوصاف کے ایک وصف یہ ہے - بلکہ مین کہہ سکتی ہون شاید یہی ایک وصف ہے - اسکی مثال جانورون مین بھی مل سکتی ہے - اکثر ضعیف جانورون مین بھی حیلہ گری کا مادہ ہے -

اکثر مرد یہ کہین گے کہ عورتین حسین ہوتی ہین - مین اسکی قائل نہین - درحقیقت نہ مرد ہی بجاے خود حسین ہے - نہ عورت - بلکہ ہر ایک کو ایسا حسن عنایت ہوا ہے جو دوسرے کو اچھا معلوم ہو - یون تو مرد عورت جسکا ناک نقشہ اچھا ہوتا ہے سب اوسے پسند کرتے ہین - مگر اصل قدردان مرد کے حسن کی عورت اور عورت کے حسن کا مرد ہے - ایک خوبصورت عورت دوسری عورت کے سامنے اوس خوشرنگ پھول سے زیادہ نہین ہے جسمین خوشبو نہو - اور ایک بدصورت مرد بھی خوبصورت سی خوبصورت عورت کی راے مین خوشبودار پھول کی طرح دل پسند ہے - اگرچہ اوسکی شکل اور رنگت مین کوئی ندرت نہو - محبت کے باب مین غلطی صرف ایک ہی طرف سے نہین ہوتی بلکہ دونون اس باریکی کو نہین سمجھتے - ان دونون محبتون کی اصلیت مین فرق ہے - جس نگاہ سے مرد عورتون کو دیکھتے ہین اوس نگاہ سے عورت مرد کو دیکھتی ہی نہین - عورتون کی محبت کرنے کا اندازہ اون مردون مین ایک حد تک پایا جاتا ہے جو کسی مالدار عورت کے دامن دولت سے وابستہ ہے - یا جسکا سن بہت کم ہے - مگر کوئی سن رسیدہ عورت اونکو کیون چاہنے لگی -

اسمین شک نہین کہ عورتین جوان مرد سے بہ نسبت بڈھون کے زیادہ محبت رکھتی ہین - مگر اسکی وجہ بھی محض حسن و جمال نہین ہے - بلکہ یہ وجہ ہے کہ عورت ضعیف القویٰ ہے - اسلیے وہ ہر حالت مین اپنے حمایتی کو بہت دوست رکھتی ہے تاکہ وقت ضرورت اوسکو خطرے سے بچا سکے پس جوان سے بہ نسبت بڈھے کے اسکی زیادہ توقع ہو سکتی ہے - اور حسن و جمال اس خوبی کے ساتھ مل کر اوسکے وصف کو رونق دیدیتا ہے -

خلاصہ یہ ہے کہ مرد کی محبت مین صرف لذت حاصل کرنا مقصود ہے - اور عورت کی محبت مین ظلم سے محفوظ رہنا اور لذت حاصل کرنا دونون غرضین شامل ہین - چونکہ یہ مشہور ہے کہ محبت بےغرض ہونا چاہیے - اور عورت کی محبت مین اسکا زیادہ لگاؤ ہے - لہذا وہ اسکے چھپانے کی کوشش کرتی ہے - شاید کوئی یہ کہے کہ جو امور مین نے اس موقع پر بیان کیے ہین انمین سے اکثر باتون کا امتیاز نہ مردون کو ہوتا ہے نہ عورتون کو - تو مین اوسے تسلیم کرونگی - اور یہ کہونگی کہ یہ باتین اصل فطرت سے مرد عورتون کے خمیر مین داخل ہین - کچھ ضرور نہین ہے کہ اونھین اسکا شعور بھی ہو - مین نے عمر بھر کے تجربے کے بعد یہ امور دریافت کیے ہین - اور میرے ساتھ جو شخص اسپر غور کرے گا وہ اسے سمجھ سکتا ہے -

مین دیکھتی ہون کہ اکثر عورتین اور ناخواندہ مرد بھی ایسی باتون پر غور نہین کرتے - اسلیے اونکو اپنے زمانۂ زندگی مین بہت سی ٹک ٹک جھک جھک کرنا پڑتی ہے -

میرے خیال مین مرد اور عورت دونون اپنے اپنے رتبے اور اغراض کو سمجھ لین - تو اونمین ہرگز ملال نہو - بہت سی آفتین ٹل جائین اور بہت سی دقتین دور ہو جائین -

مگر ایک مشکل ہے کہ جب کسی کو کسی بات کی فہمائش کیجاے تو اکثر یہی جواب ملتا ہے - "اوہ جی! جو تقدیر مین ہوگا - ہو رہے گا" اسکا یہ مطلب ہے کہ ہم جو چاہین کرین - ہمین نہ روکو - "ہمارے کیے کچھ نہین ہوتا" یعنے ہماری بدکاریون کا کوئی نتیجہ نہین ہے - "جو کچھ ہوگا تقدیر سے ہوگا" یعنی جو نتیجہ نکلے گا وہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے ہوگا - یہ گفتگو اگلے زمانے مین کسی قدر بامعنی بھی تھی - کیونکہ اوس زمانے مین اتفاقات سے گھڑی بھر مین کچھ کا کچھ ہو جایا کرتا تھا - اسپر مجھے شاہی زمانے کی ایک نقل یاد آئی ہے -

زمانۂ شاہی مین انقلاب کا ثبوت اکثر ملتا رہتا - لوگون کی حالتون مین دفعتاً تغیر ہو جایا کرتا تھا - ایکدن کا ذکر ہے - ایک سپاہی نہایت ہی شکستہ حال موتی محل کے پھاٹک کے پاس چبوترے پر پڑا سو رہا تھا - قضاے کار نماز صبح کے بعد بادشاہ ٹہلتے ہوے اودھر نکل آئے - اتفاقاً اوس وقت کوئی ساتھ نہ تھا - نہین معلوم کیا جی مین آیا - آپ نے اوسے جگا دیا - وہ سپاہی یونہین نیند سے آنکھین ملتا ہوا اوٹھا - جہان پناہ پر نگاہ پڑی پہلے تو گھبرا گیا - مگر پھر ایک ہی مرتبہ سنبھل کے اپنی حالت کو سمجھ گیا - فوراً تلوار نذر کی - بادشاہ نے نذر قبول کرلی - زنگ آلودہ تلوار تھی میان سے بدقت نکلی - پھر دیکھ بھال کر اوس تلوار کی تعریف کی اور میان مین کرکے اپنی کمر مین لگالی - خود جو ولایتی باندھے ہوئے تھے جسکا طلائی قبضہ تھا - مع کمر مرصع اوسکو حوالہ کی - اوسی موقع پر حضور عالم (خطاب علی نقی خان وزیرزادہ) آگئے - جہان پناہ نے اوس جوان اور اوسکی تلوار کی تعریف کی -

بادشاہ۔ دیکھنا بھئی کیا چھیلا جوان ہے۔ اور تلوار بھی اِسکے پاس کیا ہی عمدہ تھی۔ (کمر سے تلوار کھول کے) یہ دیکھو۔

وزیر۔ قبلۂ عالم سبحان اللہ! اگر حضور سا جوہر شناس اور قدردان بھی تو ہو۔ جب ایسے لوگ اور ایسی چیزین دستیاب ہوتی ہین۔

بادشاہ۔ مگر دیکھنا بھئی۔ میری تلوار بھی کچھ ایسی بدزیب نہین ہے۔

وزیر۔ ظلِ سبحانی کی تلوار اور بدزیب۔

بادشاہ۔ مگر لباس اِسکے مناسب نہین ہے۔

اِس اثنا مین اور مصاحب۔ ملازم شاہی۔ چوبدار۔ خاص بردار آ گئے۔ اچھا خاصہ مجمع ہو گیا تھا۔

وزیر۔ درست ارشاد ہوا۔ بادشاہ۔ اچھا ہمارے کپڑے تو اِسے پہنا کے دیکھے جائین۔

اِس اشارے کے پاتے ہی لوگ دوڑے۔ لباس کی کشتیان ہاتھون ہاتھ آ گئین۔ بادشاہ نے ملبوس خاص جو اوس وقت پہنے ہوے تھے۔ مع مالائے مروارید اور جوڑی نورتن مرصع کار اوسے عنایت کی۔ آپ اور کپڑے زیب تن کیے۔ جب وہ کپڑے پہن چکا۔

بادشاہ۔ ہان اب دیکھو۔ وزیر۔ واقعی صورت ہی اور ہو گئی۔

اور مصاحبین اور حضار بھی تعریفین کرنے لگے۔ بادشاہ تھوڑی دیر یہان ٹھہرے۔ اب سواری آ گئی تھی۔ سوار ہو کے ہوا کھانے چلے گئے۔ سپاہی خوشی خوشی گھر آیا۔ جوہری۔ مہاجن۔ دلال گویا ساتھ ہی لگے ہوے تھے۔ اسباب آنکا گیا۔ سب پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کی مالیت تھی۔

سپاہی کا حال سنیے۔ کہین نجیبون کی پلٹن مین تین روپیہ کا اسم تھا۔ رات کو گھر مین کھانے کو بیوی سے تکرار ہوئی۔ آپ خفا ہو کے گھر سے نکل گئے۔ رات بھر خدا جانے کہان کہان مارے مارے پھرے۔ صبح ہوتے موتی محل کے پاس تھک کے بیٹھ گئے۔ نیند آ گئی۔ صبح کو طالع بیدار نے جگایا۔ تو یہ کرشمہ نظر آیا۔ دم بھر مین محتاج سے غنی کر دیا۔

اِس طرح کے واقعے شاہی مین اکثر ہوا کرتے تھے۔ اور ایسے ہی زمانے مین انکا ہونا ممکن ہے۔ جبکہ عنان حکومت ایک شخص کے ہاتھ مین ہو۔ اور وہ کسی قاعدے اور قانون کا پابند نہ ہو۔ ملک کو اپنی ملک۔ اور خزانے کو اپنا مال سمجھے۔

انگریزی عملداری مین اِن فضول خرچیون کی گنجائش نہین ہے۔ یہ ایک طرح کی بے انصافی سمجھی جاتی ہے کہ کسی شخص کو بلا وجہ بلا استحقاق ایک رقم کثیر دیدیجائے۔ ایسی سلطنت جسمین بادشاہ سے لیکر فقیر تک ایک قانون کے پابند ہین۔ اگر استحقاق کا لحاظ رکھا جائے تو ہرگز کام نہ چلے۔ اِس زمانے مین تقدیر کا زور نہین چلتا۔ جو کچھ ہونا ہے تدبیر سے ہوتا ہے۔

نواب چھبن صاحب کا حال سُنیے (اثنائے سوانح عمری مین اِنکا بقیہ ذکر فروگذاشت ہو گیا تھا)۔ درحقیقت آپ دریا پر ڈوبنے گئے تھے۔ اِس ارادے سے غوطہ لگایا کہ اب نہ اُبھرینگے۔ مگر جان بہت پیاری چیز ہوتی ہے۔ جب دیر تک پانی کے نیچے رہے دم گھبرانے لگا۔ جی مین آیا ابھی اوبھر کے پھر سانس لے لین۔ اوبھرے۔ پانی کی سطح پر آ کر ہاتھ پاؤن چلنے لگے۔ پھر مرنے کو جی چاہا۔ پھر غوطہ مارا۔ پھر وہی حال ہوا۔ اِسی طرح کئی غوطے لگائے مگر ڈوبتے نہ بن پڑا۔ آخر اسی کوشش مین بہتے بہاتے چھتر منزل تک پہونچ گئے۔ اتفاقاً اوس وقت مرزا ولی عہد بہادر (مرحوم) مع اپنے چند مصاحبون کے بجرے پر سوار ہو کر سیر کو نکلے تھے۔ اونکی نظر جو پڑی۔ سمجھے کوئی شخص ڈوب رہا ہے۔ ملاحون کو حکم دیا۔ جلدی نکالو۔ اونھون نے اپنے چھڑانے کی بہت کوشش کی۔ وہ لوگ سمجھے تھے گھبرا گئے ہین۔ آخر زبردستی کنارے پر لائے۔ مرزا ولی عہد نے اپنے سامنے طلب کیا۔ احوال پرسی کے بعد معلوم ہوا رئیس زادے ہین۔ کپڑے مرحمت کیے۔ اپنے ہمراہ کوٹھی مین لیے چلے گئے۔ چھبن صاحب ایک تو خوش رو جوان۔ دوسرے ادب قاعدے سے واقف۔ علم مجلس سے آگاہ۔ کسی قدر خواندہ بھی تھے۔ طبیعت مین مذاق بھی تھا۔ غرضکہ ہر طرح شاہزادے کی صحبت کے لائق تھے۔ فوراً مصاحبون مین اسم ہو گیا۔ جیش قرار مشاہرہ مقرر ہوا۔ اخراجات ضروری کے لیے کچھ رقم پیشگی مل گیا۔ نوکر۔ چاکر۔ سواری سب سرکار سے مرحمت ہوا۔ لیجیے پھر گیا تھا۔ پہلے سے زیادہ ٹھاٹھ ہو گئے اب جو چوک مین نکلے تو جلوس ہی اور تھا۔ ہاتھی پر سوار ہین۔ پچاس خاص بردار آگے دور دور چلے جاتے ہین۔ بسم اللہ نے اور مین نے خود اپنی آنکھون سے دیکھا۔ پہلے تو یقین نہ آیا۔ کہین میان مخدوم بخش بھی پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔ اونکو اشارے سے بلا لیا۔ مفصل حال معلوم ہوا۔ اِسکے بعد چچا نے بھی میل کر لیا۔ شادی بھی ہو گئی۔

شادی مین ہم لوگ بھی بلائے گئے تھے۔ خانم کو بہت عمدہ دوشالہ رومال دیا مگر اوس دن سے نہ کبھی ہمارے مکان پر آئے۔ نہ بسم اللہ سے رسم رکھا۔ خانم اور چال چلی تھین۔ مگر بن نہ پڑی اولٹی ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ شاہی مین اِس طرح کے کرشمے اکثر نظر آ جاتے تھے بھلا انگریزی حکومت مین یہ کہان۔ وہ دن گئے۔ خلیل خان فاختہ اوڑا چکے۔ سُنتے چلے آئے ہین کہ دولت اندھی ہے مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حکمت سے اوسکی آنکھین کھول دی گئی ہین۔ اب اوسے لائق اور نالائق کا خیال ہو گیا ہے۔ شاہی عملداری مین جاہل ناخواندہ جو الف کے نام لٹھا ہین جانتے تھے۔ بڑے بڑے عہدون پر نوکر تھے مین کہتی ہون اون سے کام کیونکر چلتا ہوگا اور تو

اور مُوے خواجہ سراؤن کے پاس پلٹنین اور رسالے تھے۔ بھلا انصاف کیجیے ہنسی آنے کی بات ہے یا نہین۔

غرضکہ تقدیر کی سلطنت کا دور دورہ گیا اور تدبیر کا عہد حکومت آیا۔ اب جوہر ذاتی پوچھا جاتا ہے اور جوہر ذاتی کی دلالِ شہرت ہے۔ آپ لاکھ لکھے پڑھے لائق فائق ہون۔ مگر جب آپ کو کوئی جانتا ہی نہین تو قدر کسکی ہو۔

تقدیر اور تدبیر کے مسئلے مین بہت دن جھگڑے مین رہی۔ آخر معلوم ہوا کہ جن معنون مین لوگ اِس لفظ کو استعمال کر رہے ہین وہ بالکل دھوکا ہے۔ اگر اِس سے یہ مراد ہے کہ خدا کو ہماری سب باتون کا علم ازل سے ہے تو اسمین کچھ شک نہین۔ وہ کافر ہے جسکو اِسکا اعتقاد نہ ہو۔ مگر لوگ تو معاذ اللہ اپنے تمام افعال ناشائستہ کے بُرے نتائج کو تقدیر کی طرف نسبت دیا کرتے ہین۔ اِس سے خدا کی قدرت پر الزام آتا ہے۔ یہ بالکل کفر ہے۔

افسوس! جن باتون کو مین اب سمجھی۔ اگر پہلے ہی سے سمجھ گئی ہوتی۔ تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر نہ کوئی سمجھانے والا تھا۔ اور نہ خود اتنا تجربہ تھا کہ آپ ہی سمجھ لیتی۔ مولویصاحب نے جو دو حرف پڑھا دیے تھے وہ میرے بہت کام آئے۔ (خدا اونکے درجات عالی کرے) اوس زمانے مین مجھے اسکی قدر نہ تھی۔ تن آسانی اور آرام طلبی کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ علاوہ اِسکے قدردان اسقدر تھے کہ کسی وقت فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ جب وہ دن آئے کہ قدردان ایک ایک کرکے کھسکنے لگے تو مجھے ذرا مہلت ملی۔ اس زمانے مین کتب بینی کا شوق بڑھا کیونکہ سوا اِسکے اب کوئی اور شغل نہ رہا تھا۔

مین سچ کہتی ہون کہ اگر یہ شوق نہ ہوتا تو اب تک مین زندہ نہ رہتی۔ جوانی کے ماتم اور اگلے قدردانون کے غم مین کب کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ کچھ دنون تو مین قصّے کہانی کی کتابون سے دل بہلاتی رہی۔ ایکدن پرانی کتابین دھوپ دینے کے لیے نکالین اون مین وہ گلستان بھی نکلی جو مولویصاحب سے پڑھی تھی۔ ادھر اودھر سے ورق اولٹ پلٹ کے پڑھنے لگی۔ پہلے مجھے اِس کتاب سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ ایک تو اسلیے کہ تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا۔ عبارت مشکل معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے تجربہ نہ تھا۔ اسلیے کچھ سمجھ مین کم آتی تھی۔ اب جو پڑھا۔ تو وہ دقتین دور ہو چکی تھین۔ خوب ہی دل لگا کے مین نے سرے سے آخر تک کئی مرتبہ پڑھا۔ فقرہ فقرہ دل مین اوترا جاتا تھا۔ اِسکے بعد ایک صاحب سے اخلاق ناصری کی تعریف سُنکے اوسکے پڑھنے کا شوق ہوا۔ اونھین سے ایک نسخہ منگا کے پڑھنا شروع کی۔ واقعی اِس کتاب کے مطالب بھی مشکل ہین۔ اور عربی لفظین کثرت سے

ہین۔ اسلیے اوسکے سمجھنے مین بہت دقت ہوئی۔ مگر تھوڑا تھوڑا پڑھکے بہت دنون مین کتاب کو ختم کیا۔ پھر دانشنامہ غیاث منصور نولکشور کے مطبع مین چھپا۔ اوسے پڑھا۔ پھر ایک مرتبہ صغری۔ کُبری کو بجائے خود مطالعہ کیا۔ اور جو جو نہ سمجھ مین آیا اوسے پوچھ لیا۔ اِن کتابون کے پڑھنے سے مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے دنیا کے بھید مجھپر کھلتے جاتے ہین۔ ہر بات کی سمجھ آگئی۔ اِسکے بعد مین نے بہت سی کتابین اِس قسم کی اردو فارسی بجائے خود پڑھین۔ اس سے طبیعت کو جلا ہوتی گئی۔ قصائد انوری۔ و خاقانی جستہ جستہ پڑھے۔ مگر جھوٹی خوشامد کی باتون مین اب میرا دل نہ لگتا تھا۔ اسلیے اونکو بند کرکے الماری مین رکھدیا۔ فی الحال کئی اخبار بھی میرے پاس آتے ہین۔ اونھین دیکھا کرتی ہون۔ اِن سے دنیا بھر کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے۔ کفایت شعاری کی وجہ سے میرے پاس اب بھی اسقدر اندوختہ ضرور ہے کہ اپنی زندگی بسر کرلیجاؤنگی۔ دانہ کا مالک اللہ ہے۔ مین بہت دن ہوے سچے دل سے توبہ کرچکی ہون۔ اور حتی الوسع روزہ نماز کی بھی پابند ہون۔ رہتی رنڈی کی طرح ہون۔ کیونکہ خدا چاہے مارے چاہے جلائے مجھے پردے مین گھٹ گھٹ کے تو نہ بیٹھا جائے گا۔ مگر پردہ والیون کی دل سے دعاگو ہون۔ خدا اونکا راج سہاگ قائم رکھے۔ اور رہتی دنیا تک اونکا پردہ رہے۔

اِس موقع پر مین اپنی ہم پیشہ عورتون کی طرف مخاطب ہو کے ایک نصیحت کرتی ہون۔ چاہیے کہ اپنے دل پر نقش کرلین۔

"اے بیوقوف رنڈی کبھی اِس بھلاوے پر نہ آنا کہ کوئی تجکو سچے دل سے چاہیگا۔ تیرا آشنا جو ہر وقت تجپر جان دیتا ہے چار دن کے بعد چلتا پھرتا نظر آئے گا۔ وہ تجھسے ہرگز نباہ نہین کرسکتا۔ اور نہ تو اِس لائق ہے۔ سچی چاہت کا مزا اوسی نیکبخت کا حق ہے جو ایک کا مُنہ دیکھ کے دوسرے کا مُنہ کبھی نہین دیکھتی۔ تجھ ایسی بازاری شفتل کو یہ نعمت خدا نہین دے سکتا۔"

خیر میری تو جیسی گذرنا تھی گذر گئی۔ اب مین اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہون۔ جے دن دنیا کی ہوا کھانا ہے۔ کھاتی ہون۔ مین نے اپنے دل کو ہر طور سمجھا لیا ہے کہ میری کُل آرزوئین پوری ہوچکین۔ اب کسی بات کی تمنا نہین رہی۔ اگرچہ یہ آرزو کمبخت وہ بلا ہے کہ مرتے دم تک دل سے نہین نکلتی۔

مجھے امید ہے کہ میری سوانح عمری سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔ اب مین اپنی تقریر کو اس شعر پر ختم کرتی ہون۔ اور سب سے امیدوار دعا ہون۔

مرنے کے دن قریب ہین شاید کہ ای حیات
تجھسے طبیعت اپنی بہت سیر ہو گئی ؎

تمت بالخیر ؎

درخواست بنام
ورما برادرس
معرفت مہادیو پرشاد
امین آباد۔
لکھنؤ ؎

تصنیفات محمد علی صاحب انصار ہردوئی

جعفر و عباسہ۔ دنیا کی بیوفائی زمانہ کے انقلابات۔ حیرت رنج و غم۔ بس دل پکڑ کر رہجاییگا بالکل بے چین کر دینے والے سامان۔ یہ ناول کے پیرایہ مین قوم کو نیک صلاح۔ قیمت ۸ر

عبرت۔ عشق و محبت کی پر درد حکایت حسن و عشق کے کرشمے۔ معشوق کی دلفریب ادائین عشاق کی بیتابیان۔ تو کیا کوئی قصہ ہے؟ نہین بالکل علمی مباحثہ۔ دیکھئے۔ قیمت ۔ ۶ر

اختر و حسینہ۔ بہت ہی دلچسپ پر اثر ناول قیمت .... عہ

نیل کا ناگ۔ کلیوپیٹرا اور انتہائی حسرت بھری داستان بالکل تاریخی واقعہ قیمت ۔ ۸ر

مسیحائی عالم حفظ صحت کی مستند کتاب ۔ ۸ر

تصنیفات عبد الحلیم شرر لکھنوی

حسن انجلینا۔ یہہ وہ ناول ہی جسمین ترکون سے روسیون کی لڑائی اور ایرانیون کا جوش اسلام سے ترکون کی مدد کو آنا اور روسیونکو متواتر زک دیکر ان پر فتوحات حاصل کرنا۔ اور پھر ایرانیون اور ترکون کا باہمی مذہبی فساد۔ قیمت ۱۲ر

درگیش نندنی۔ یہ مشہور ناول ہی جو قریباً تمام زمانہ مین چھپ چکا ہی۔ نہایت ہی عجیب اور دلکش ہے قیمت عہ۔ بدر النسا کی مصیبت ۲ر شہید وفا۔ عہ۔ منصور و موہنا۔ سلطان محمود غزنوی کا جوش اسلام۔ قیمت ۔ ۸ر

دلکش۔ ۱۴ر۔ دلچسپ ۔ ۱۴ر
دلگداز۔ ششماہی۔ ۶ر۔ فی پرچہ۔ عہ
زیاد و حلاوہ کامل قیمت عار
ملک العزیز ورجنا۔ صلیبی لڑائیان جزو۔ ۸ر

مؤلفہ عالی جناب مرزا محمد ہادی صاحب۔ بی۔ اے

طلسم اسرار۔ یہہ ایک ڈراما نثر مین ہے جسمین حکیم افلاطون کا مصر کے طلسم مین داخل ہونا۔ وہان کے عجائبات کا دیکھنا۔ قدیم حکما سے ملاقات کرنا۔ طرح طرح کی خوفناک آزمائشون مین پڑ کر نکل آنا۔ خوبصورت سحر کار عورتون سے ملنا۔ انکی فریب۔ افلاطون کی پرہیزگاری۔ اوس مقام مین پہونچنا جہان افلاطون محرم اسرار کیا جاتا ہے۔ سر الاسرار سے اوسکو اطلاع دیجاتی ہے۔ تغمہ عطا ہوتا ہے۔ اس بیش قیمت ڈراما کا ایک لفظ حکمت اور فلسفہ سے بھرا ہوا ہے۔ عبارت ایسی سلیس ہے جسے ہر ایک شخص سمجھ سکے۔ کوئی بات ایسا نہین جسکو دیکھنے اور غور کرنے سے کوئی نئی بات نہ معلوم ہوتی ہو یا کوئی نصیحت نہ ملتی ہو ایک مصنف مزاج نے اس ڈراما کا مسودہ دیکھکر کیا اچھی داد دی تھی "اگر مرزا نہوتے تو اس قسم کی تصنیف بھی ایک صدی تک ہندوستانی زبان مین نہ آتی"
قیمت فی جلد صرف ۳ر

المشتہر
ورما برادرس - امین آباد - لکھنؤ

ورماز سنون دندان۔

مسوڑہون مین سردی سے ورم ہونا مسوڑہون سے گوشت اوڑجانا۔ مُنھ اور مسوڑہون کا تعفن۔ زردی۔ سیاہی میلاپن دور کرنا۔ مُنھ خوشبودار کرنا۔ مسوڑہونکو قوت بخشنا۔ خون گرنا بند کرنا اوڑے ہوئے گوشت کو از سر نو جمانا۔ دانت چمکیلے کرنا۔ جڑون سے کیڑی نکالنا وغیرہ وغیرہ ان باتون کے لیئے نافع ہی قیمت ۔۱۰ر بڑی فہرست منگائے مفت ملیگی۔

مثنوی امید و بیم۔ اس مثنوی کے دو حصے ہین پہلے مین مصنف نے عشق و جوانی کی حالت کا ایک نہایت ہی موثر اور دلچسپ سین دکہایا ہے گویا یہہ اگلی شاعری کا ایک نمونہ ہے۔ دوسرے حصے مین سراسر حکمت اور معرفت بہری ہوئی ہے۔ اسمین عالم کی ایک تصویر کہینچ کر دکہائی گئی ہے۔ حکمت جدید کے اکثر مسائل مع استدلال نہایت فصاحت و بلاغت سے بیان کئے ہین۔ پہر انسان کی حالت پر ایک نظر کی ہو اور انسان کے دماغ مین جو جو قوتین ہین اور اونکا جو جو کام ہی اونکو نہایت ہی خوبی سے عام فہم اشعار کے ذریعہ سے بیان کیا ہی۔ پہر امید و بیم کی کیفیت ایک خواب کے پیرایہ مین بیان کی ہے جو کہ نہایت ہی دلچسپ ہے قیمت ۔ ۲ر

پنڈت رتن ناتھ صاحب

کامنی۔ ایک دل ربا ناول۔ عورتون کی چہل پہل ہمجولیون کی چہیڑ چہاڑ عجیب لطف دکہاتی ہے۔ کامنی کی زندگی کل ہمجولیون کے لیئے دستور العمل کا حکم رکہتی ہے۔ حسن مین نایاب عصمت مین انتخاب۔ قیمت .... عہ ر

ہشو۔ باندا‌ق ناول قیمت ۶ر

کرم دہم۔ ناول کیا ظرافت اور اخلاق کا مجموعہ ہے قیمت ۸ر

پی کہان۔ بروگ اور ماتم کی تصویر کہینچدی ہے۔ ۸ر

بچہڑی ہوئی دولہن۔ بالکل فرنچ ناولونکی ڈہنگ پر۔ قیمت ۱۰ر

فسانہ آزاد کامل عہ۔ **کوہسار**۔ عہ **جام سرشار**۔ عہ **خدائی فوجدار**۔ عہ ر

بنگالی ناول کے ترجمے

اندرا۔ یہ بنگالی قیامت کا موثر اور حد سے زیادہ دلچسپ ہے بنگلہ زبان مین تو اسقدر مقبول ہوچکا ہی کہ جس نسخے سے ترجمہ کیا گیا ہی وہ آٹہوان اوڈیشن تہا۔ بنگالہ کے بابو بیکم چندر چیٹرجی اس ناول کے مصنف ہین۔ قیمت .... عہ ر

رادھارانی۔ حد سے زیادہ دلچسپ ناول ہی۔ ۳ر

پاربتی۔ ایک نہایت دلچسپ اور موثر ناول۔ ۴ر

جنون انتظار۔ یعنی فسانہ مرزا رسوا۔ مصنف امراؤ جان ادا۔ جو صاحب امراؤ جان کو پڑہ چکے ہین وہ مہربانی کرکے اسے ضرور دیکہین۔ اسمین خونی نالہ رسوا ایسی قیامت کی ہی کہ پڑہنے والا ضرور داد دیگا قیمت کچہ نہین صرف ۲ر

المشتہر

درما برادرس۔ امین اباد۔ لکہنو

BRITISH
INDIAN
COPYRIGHT
2 NO 1900

پندرہ بیس دن تک مین گڑھی مین رہی۔ خورشید سے روزانہ ملتی تھی۔ خورشید کا دل وہان لگا ہوا تھا۔ میرا جی بہت گھبراتا تھا۔ آخر راجہ صاحب سے مینے عرض کیا۔

مین۔ حضور نے مجھے حکم رہائی دیا ہے۔

راجہ۔ ہان۔ تو پھر کیا جانا چاہتی ہو؟

مین۔ جی ہان۔ پھر لونڈی کو رخصت دیجیئے۔ پھر حاضر ہو جاؤن گی۔

راجہ۔ یہ تو لکھنوًا فقرے ہین۔ اچھا کہان جاؤ گی۔

مین۔ کانپور۔ راجہ۔ لکھنؤ نہ جاؤ گی!

مین۔ حضور لکھنؤ کیا منہ لے کے جاؤن گی۔ خانم سے کیسی شرمندگی ہوگی۔ ساتھ والیان کیا کیا ہنسین گی۔

اول تو میرا ارادہ لکھنؤ جانے کا نہ تھا۔ دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ لکھنؤ جانے کو اگر راجہ سے کہونگی تو شاید رہائی نہ ہوگی۔ کیونکہ وہان جانے سے خورشید کا حال کھلجاتا شاید خانم کوئی آفت برپا کرتین۔

راجہ صاحب میرے اس ارادے سے بہت خوش ہوے۔

راجہ۔ تو لکھنؤ کبھی نہ جاؤ گی۔

مین۔ لکھنؤ مین میرا کون بیٹھا ہے۔ گانے بجانے کا پیشہ ہے۔ جہان رہونگی کوئی نہ کوئی قدردان نکل ہی آئے گا۔ خانم کی قید مین رہنا اب مجھے منظور نہین۔ اگر وہان رہنا ہوتا تو نکل کیون آتی۔

مین نے راجہ صاحب کو بالکل یقین دلا دیا کہ مین لکھنؤ ہرگز نہ جاؤنگی۔

دوسرے دن راجہ نے مجھے رخصت کیا۔ دس اشرفیان انعام دے۔ ایک دوشالہ دیا۔ ایک رومال۔ ایک رتھ مع تین بیل۔ غرضکہ مجھے ڈیرہ دار پتریا بنا دیا۔ ایک گاڑیبان اور دو اور آدمی میرے ساتھ کیئے۔ اوناؤ کو روانہ ہوی۔ وہان پہنچکر سلارو بھٹیارے کے مکان مین ٹھہری۔ راجہ صاحب کے آدمیون کو رخصت کیا۔ صرف گاڑیبان رہگیا۔ سر شام مین اپنی کوٹھری کے سامنے بیٹھی ہون۔ مسافر آتے جاتے ہین۔ بھٹیاریان چلا رہی ہین۔ میان مسافر ادھر ادھر۔ مکان چھایا ہوا ہے۔ حقہ پانی کو آرام۔ کھانے پینے کو آرام۔ گھوڑے ٹٹو کے لیے نیم کا سایہ ...“

اتنے مین دیکھتی کیا ہون فیض علی کا سائیس چلا آتا ہے۔ سرا کے پھاٹک ہی سے اوسکی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میرے اوسکی چار آنکھین ہوئین۔ وہ سیدھا میرے پاس چلا آیا۔ باتین کرنے لگا۔ پہلے میرا حال پوچھا اوسکے بعد مین نے فیض علی کو پوچھا۔ اوسنے کہا۔ اونکو آپ کی اوناؤ مین آنے کی خبر مل گئی ہے۔ آج رات کو پہر ڈیڑھ پہر رات گئے ضرور آجائین گے۔

یہ سن کے میرا دل دھڑکنے لگا۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے اب فیض علی کا ساتھ منظور نہ تھا۔ تخت کھیڑہ کے واقعے کے بعد مین سمجھی تھی اب گلوخلاصی ہو گئی۔ اوناؤ مین فیض علی کے ملنے کا سان گمان تک نہ تھا۔ مین نے دل مین کہا۔ لو پھر آفت کا سامنا ہوا۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ فیض علی میری جان نہ چھوڑینگے۔ رات کو کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے فیض علی جان پر نازل ہو گئے۔ معمولی بات چیت کے بعد اوناؤ سے روانگی کا مشورہ ہونے لگا۔ بڑی دیر تک باتین رہین۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ گاڑیبان کو رخصت کرو۔ سائیس گاڑی ہنکا لے گا۔ مین خود گھوڑے کو دیکھ لون گا۔ پھر یہ ٹھہری کہ گاڑی سلارو بھٹیاری کے پاس چھوڑ دو۔ راتون رات گنگا اوس پار اوتر چلو۔ اب مین کیا کر سکتی تھی فیض علی کے بس مین تھی۔ جو اونھون نے کہا مجھے چار و ناچار منظور کرنا پڑا۔ فیض علی نے سلارو کو بلایا۔ کنارے لیجا کے دیر تک باتین کین۔ کوئی آدھی رات گئے اپنے ساتھ گھوڑے پر مجھے بٹھایا۔ سرا سے باہر ہوے۔ پانچ چھ کوس زمین کا چلنا۔ رات کا وقت میرا بند بند ٹوٹ گیا۔ مدتون درد رہا۔ آخر جون تون کر کے گنگا کے کنارے پہونچے۔ بڑی مشکل سے ناؤ تلاش کی۔ اوس پار اوترے۔ فیض علی نے کہا۔ اب کوئی خوف نہین ہے صبح ہوتے ہوتے کانپور پہونچگئے۔ فیض علی نے مجکو لاٹھی محال کی سرا مین اوتارا۔ خود مکان کی تلاش مین نکلے۔ تھوڑی دیر کے بعد آکے کہا۔ یہان ٹھہرنا ٹھیک نہین ہے۔ مکان ہمنے ٹھہرا لیا ہے۔ وہان چلو۔ ڈولی کرایہ کی۔

تھوڑی دیر مین ڈولی ایک پختہ عالی شان مکان کے دروازے پر ٹھہری۔ فیض علی نے ہمکو یہان اوتارا۔ مکان کے اندر جا کے کیا دیکھتی ہون کہ ایک دالان مین دو کھری چارپائیان پڑی ہین۔ ایک چٹائی بچھی ہوئی ہے اوس پر ایک عجیب قطع کا حقہ رکھا ہوا ہے۔ جسے دیکھتے ہی حقہ پینے سے مجھے نفرت ہو گئی۔ مکان کا قرینہ دیکھ کے دل کو وحشت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد فیض علی نے کہا۔ اچھا تو مین بازار سے کچھ کھانے کو لے آؤن۔